مضامینِ شرر

یعنی

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی

مدظلہ العالی
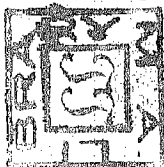
کے تمام شاعرانہ و عاشقانہ، محققانہ و فلسفیانہ، تاریخی و جغرافی، علمی و

ادبی مضامین، دنیا کے مشہور اکابر اور نامور خاتونوں کے سوانح عمری

اور کل متفرق تحریریں جن کی فاضل و محقق موصوف نے از سرِ نو

نظر ثانی فرمائی ہے

جنھیں

سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل مزنگ لاہور نے چھپوایا

فہرست مضامین شرر

جلد سوم

بیسواں حصہ دوم

مضامینِ شرر جلد سوم

سیرِ نسوان حصّۂ دوم

راخیل ۱۳۲۷ھ

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ قسمت بہت سے لوگوں کو اکثر ادنیٰ سے اعلیٰ اور کچھ سے کچھ بنا دیتی رہتی ہے۔ مگر قدرت کی یہ انقلاب پسندی جس قدر حسین پری جمال نازآفرینوں کے اوپر اُچھالنے میں کام آئی ہے شاید اوروں کے کام نہ آئی ہوگی۔ اسی کا ایک دلفریب نمونہ گذشتہ صدی کی ایک مہ پارہ یہودن راخیل تھی جسکے حالات ہم دلگداز میں درج کرتے ہیں۔

راخیل ایک بہت ہی ذلیل و فلاکت زدہ گھرانے کی لڑکی تھی۔ باپ ایک دست فروش بساطی تھا جو تھوڑا سا مال لے کے جرمنی اور سوئٹزرلینڈ میں شہروں شہروں مارا مارا پھرتا۔ اور اسی پیشے سے اپنا پیٹ پالتا۔ اسکے اسی خاک چھاننے کے زمانے میں سنہ ۱۸۲۰ء تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے شہر سفت میں راخیل پیدا ہوئی۔ دو چار سال بعد اُس کا باپ آوارہ گردی سے عاجز آ کے شہر لیون میں مقیم ہو گیا۔ مگر وہاں بسر نہ ہو سکی تو سنہ ۱۸۳۱ء ہی میں آ کے دارالسلطنت فرانس شہر پیرس میں سکونت اختیار کی۔

یہاں باپ تو شاید یا ذون قوت کے گھر میں بیٹھ گیا مگر بڑی بیٹی سارہ نے بسر اوقات کے لیے یہ پیشہ اختیار کیا کہ پیرس کے قہوہ خانوں میں جاتی۔ اور جو لوگ

وہان آکے بیٹھتے اور کھاتے پیتے اُنکے سامنے ایک بڑا اچکارہ بجا بجا کے گاتی اور انعام کی امیدوار ہوتی - ان موقعون پر چھوٹی بہن راخیل جو ابھی ننھی بچی تھی بڑی بہن کے ساتھ رہتی - اور اُسکے گانے بجانے کے وقت جو حاضرین وسامعین کچھ دینا چاہتے اُنکے پاس دوڑ دوڑکے جاتی اور سب سے پیسے تحصیل کرتی پھرتی -

اتفاقاً کسی قہوہ خانے مین مسیو سوُرون نام ایک نامور بزرگ رونق افروز تھے جنھون نے اپنی کوششون سے اُس موسیقی کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم کیا تھا جو عبادت گاہ اور گرجے سے مخصوص ہے - اُنکی نظر انتخاب ان دونون لڑکیون پر پڑ گئی - خصوصاً چھوٹی بہن راخیل کو اُنھون نے ایک بے بہا الماس خیال کیا جو کوڑے مین پڑا مل جائے - فوراً دونون کو اپنے ساتھ لائے - اور اُنکی تعلیم وتربیت کو اپنے ذمے لے لیا -

چند روز تعلیم دی تھی کہ مسیو سوُرون کو معلوم ہوا " اس نوخیز و نازک اندام یہودن کے اعضا وجوارح بہ نسبت گانے کے بتانے اور اپنے دلربایانہ حرکات وانداز سے دلربائی کرنے کیلیے زیادہ موزون ہین - چنانچہ چھوٹتے ہی اُنھون نے راخیل کو ایکٹ کرنے اور ناٹک کی تعلیم دینے والے اُستاد کے حوالے کر دیا - اس اُستاد نے چار سال تک تعلیم دی - اور راخیل نے بھی اس طرح دل لگا کے سیکھا کہ اُس مدت کے اندر نہ کبھی محنت سے اُکتائی اور نہ اُس سے بدشوقی ظاہر ہوئی - اتنی مدت مین اُسے اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ اعلیٰ ترین اور مستند مصنفین ڈراما کی ہیروئنون کے انداز اور حرکات وسکنات کیسے ہوتے ہین - اور اُنھین کس شان اور کیسے ناز وانداز سے دکھانا چاہیے - اگرچہ اُس کا رجحان بعض چھوٹے درجے کے آسان ایکٹون کی طرف تھا مگر شوق سے بڑے اور مشکل ومستند ایکٹون کو حاصل کیا - اب وہ اس اُستاد کو چھوڑ کے کنسرواتوار (پیرس کے ایک مستند مدرسۂ غنا) مین جا کے گانا سیکھنے لگی - اور سنہ ۱۸۳۷ء مین جبکہ ایک سترہ برس کی ماہ وش نازنین تھی جمناس پیرس کے کرتب دکھانے کے تھیٹر مین اسٹیج پر نمودار ہوئی اور اپنی نازنینانہ کرتب دکھائے - اگرچہ بہت سے ناظرین فریفتہ ہو گئے مگر بحیثیت فن کے چندان کامیابی نہین ہوئی -

لیکن دوسرے برس جب اُس نے "تیاتر فرانسیز (فرانسیسی تھیٹر) کے اسٹیج پر مشہور ڈراما " لیسز دراس " کی ہیروئن کامیل کا پارٹ دکھایا تو قیامت ہی کر دی -

سارے اہلِ پیرس دیکھتے ہی دم بخود رہ گئے۔ جو تھا اُس کا دیوانہ اور اُسکی صورت کا عاشق تھا۔ ایکٹ میں اُس کی جدت طرازی اور ناز و انداز کی تازگی نے پیرس کے بڑے بڑے نکتہ چینوں اور نقادوں کو مبہوت و متحیر کر دیا۔ اُسکی نشیلی نظریں ہر ایک تماشائی کے دل میں اُتر گئیں۔ اور ہر بات کے ادا کرنے کا جادو بھرا انداز اور ناز بھری ادا نشتر کی طرح ہر سینے میں پیوست ہو گئی۔

اسی سال اُس نے بہت سے تاریخی ایکٹ اور مستند مصنفوں کے قائم کیے ہوے کیرکٹر اپنی اداؤں سے دکھا دیے اور زمانے بھر کو اپنا اسیرِ گیسو بنا لیا۔ یک بیک ہر سوسائٹی میں اُس کا تذکرہ چھڑ گیا۔ اور ایک ہی سال کے اندر وہ مقبولیت و ناموری کے انتہائی درجے کو پہونچ گئی جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسٹیج پر آنے کے پہلے سال اُس کی آمدنی کا اوسط چار ہزار فرنیک سالانہ سے زیادہ نہ تھا۔ دوسرے ہی برس یک بیک اُس کا اوسط بیس ہزار فرنیک ہو گیا۔ پھر اسکے بعد جو آمدنی بڑھنا شروع ہوئی تو پہلے تین لاکھ فرنیک سالانہ اور پھر چار لاکھ فرنیک کو پہونچ گئی۔

پرانے تاریخی کیرکٹروں پر حکومت حاصل کر کے اُس نے نئے مذاق اور جدید ڈراماؤں کے کیرکٹروں کی طرف توجہ کی۔ اور اس حیثیت سے بھی وہ چند روز میں تھیٹر کی دنیا کی ملکہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ باوجود اتنی ترقی کرنے اور اس قدر دولتمند بنجانے کے آخر عمر تک طالب علمی کی وضع ہاتھ سے نہ دی۔ اپنے فن کے متعلق جو نئی چیز نظر آتی اُسکے حاصل کرنے کی انتہائی کوشش کرتی اور اپنی محنت و ذکاوت سے کامیاب ہو جاتی۔

اُس کی اس طالب علمانہ کوششوں کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہر سال وہ کوئی نیا کمال دکھاتی اور اپنی جدت آفرین طبیعت سے اُس میں نئی نئی دلکش باتیں پیدا کرتی۔ اور جن خاص کیرکٹروں کو اُس نے خاص طور پر اختیار کیا تھا اُنکی تو وہ بادشاہ تھی۔ اور کسی کی مجال نہ تھی کہ اُس کی گرد کو بھی پا سکے۔

جب اُسے انتہا سے زیادہ ناموری حاصل ہو چکی تو انگلستان کے زندہ دل شائقین بھی اُسکے مشتاق ہوے۔ اور اُس نے وقتاً فوقتاً لندن کے سینٹ جیمس

تھیٹر مین آکے اپنا کمال دکھایا۔ اور لوگون نے بڑے ہی جوش و خروش اور بڑی گرمجوشی سے اُسکی قدر کی۔ یہان کے لوگون کا شوق دیکھ کے اُس کا حوصلہ بڑھا اور ارادہ کیا کہ امریکہ جا کے نئی دنیا والون کو بھی اپنا فریفتہ بنا لے۔ چنانچہ اٹلانٹک اوشن کو منجھا کے نیو یارک پہونچی۔ وہان اُس نے اگرچہ غیر معمولی کمال دکھایا مگر خدا جانے کیا بات تھی کہ کامیابی نہ ہوئی۔ وہان کی بیسرد مہری دیکھ کے حوصلہ پست ہو گیا اور فرانس مین ناکام واپس آئی۔

الزا راخیل توانا و تندرست نہ تھی۔ ہمیشہ دُبلی پتلی چھریری اور نازک اندام رہی زندگی بھر کبھی اُسکو تیار رہنا نصیب نہ ہوا۔ اس نزاکت و ناتوانی کے ساتھ محنت وہ ہمیشہ اپنی قوت سے زیادہ کیا کرتی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صحت نے جوانی ہی مین جواب دیدیا۔ بیمار پڑ گئی۔ اور بیماری نے ایسا طول کھینچا کہ اُس کی زندگی کا چراغ گل ہی کر کے دم لیا۔ چنانچہ ۳۸ ہی سال کی عمر مین جبکہ ۱۸۵۸ء تھا اُس نے سفر آخرت کیا۔ اور دنیا مین اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

اُس کی چار بہنین اور ایک بھائی راخیل فلکس بھی پیرس کے تھیٹرون کے ایکٹر تھے اور اُنھین بھی ایک حد تک امتیاز حاصل تھا۔ مگر الزا راخیل کا کمال اُسی کے ساتھ اُس کی قبر مین دفن ہو گیا۔

زبیدہ خاتون

یہ خاتون ہارون رشید اعظم کی بیوی اور اُسکے چچا کی بیٹی تھی۔ دوسرے خلیفۂ عباسی ابو جعفر منصور کے دو بیٹے تھے ایک مہدی اور دوسرا جعفر۔ مہدی جو باپ کے بعد اورنگ نشین خلافت ہوا اُس کا بیٹا ہارون ہے۔ اور دوسرے بھائی جعفر کی بیٹی زبیدہ ہے۔ جعفر جسکے نام سے منصور نے کنیت اختیار کی باپ کے زمانۂ خلافت ۱۴۵ھ مین والی موصل مقرر ہو کے گیا تھا۔ اور اطمینان کے لیے منصور نے اُس زمانے کے نامور سپہ سالار حرب ابن عبداللہ کو اُسکے ہمراہ کر دیا تھا۔ حرب نے موصل مین جاتے ہی ایک عالیشان قصر تعمیر کرایا۔ جس مین جعفر رہا کرتا تھا۔ اسی قصر مین زبیدہ پیدا ہوئی۔ اور امۃ العزیز نام رکھا گیا۔ مگر دو ہی تین سال باپ کے

آغوشِ شفقت کا مزا اُٹھانے اور ناز و نعم [illegible] سے پلنے پائی تھی کہ باپ نے سنہ ۱۵۰ھ میں سفرِ آخرت کیا۔ اور بے باپ کی بچی رہ گئی۔

یتیم ہونے کے بعد جب وہ دادا کے قصر میں آئی تو چونکہ نہایت خوبصورت۔ گوری چٹی۔ نک سک سے درست اور نازک اندام و گل رخسار تھی اس لیے دادا کی بہت لاڈلی ہو گئی۔ منصور اُس پر بڑا پیار آتا۔ اکثر اُسے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے نچاتے اور کہتے "زبیدہ" "زبیدہ"۔ عربی میں مکھنی کو کہتے ہیں جس سے مٹھے کے مکھن نکالا جاتا ہے۔ خلیفۂ وقت اور بزرگ خاندان کی زبان کا لفظ اور لفظ بھی ایسا جو تشبیہ تام کی شان رکھتا تھا سارے گھر کو اس قدر پسند آیا کہ وہی اس ننھی بچی امۃ العزیز کا لقب پڑ گیا۔ اور ایسا لقب جس نے اصلی نام کو بھی مٹا کے رکھ دیا۔

سنہ ۱۶۵ھ میں تیرہ چودہ برس کی ہو گی کہ چچا مہدی نے جو اب مالک تاج و تخت اور وارث اورنگ خلافت تھے اپنے بیٹے ہارون کے ساتھ شادی کر دی۔ اور چچا کے گھر میں خلیفۂ وقت کی بہو کی حیثیت سے بڑی دھوم دھام کے ساتھ بیاہ آئی۔ اس کے پانچ سال بعد سنہ ۱۷۰ھ میں جب ہارون مسند خلافت پر بیٹھا تو دنیا کی سب سے زیادہ معزز و محترم ملکہ وہی تھی۔ ہارون اور زبیدہ میں محبت بھی ایسی تھی جیسی کہ ملوک و سلاطین در کنار دولتمند اور امیر گھرانوں کے میاں بیویوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔ ہارون بالکل اُسکے ہاتھ میں تھا۔ جس راہ چلاتی چلتا۔ اور جو کہتی کرتا۔ مگر سچ یہ ہے کہ ایک زبردست تاجدار شوہر کو غلام اور مطیع فرمان بنا لینا شوہر کی وجہ سے نہیں بلکہ خود اس عقلمند۔ شائستہ۔ اور عاقبت اندیش ملکہ کی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے تھا۔ عہد رشید کے تمام حالات پر غور کیجیے صاف نظر آتا ہے کہ سوشیل معاملات میں وہ میاں پر چاہے کیسی ہی چھائی ہو مگر سیاسی و انتظامی امور میں کبھی دخل نہ دیتی تھی۔ اسکے ساتھ لطف یہ کہ دنیا کو تو یہ نظر آ رہا تھا کہ زبیدہ ہارون پر حکومت کر رہی ہے۔ مگر خود رشید کو جو کچھ معلوم ہوتا وہ یہ تھا کہ زبیدہ میری مطیع فرمان ہے۔ اور کوئی بات میری مرضی کے خلاف نہیں کرتی۔

رشید کا محل منتخب روزگار پری جمالوں اور ہر قوم و ملک کی منتخب دلرباؤں سے بھرا ہوا تھا۔ اور روز نئی بھرتی ہوتی رہتی جن میں سے ہر ایک کا [illegible] اور نازک

اندام و دلربا ہوتی۔ مگر زبیدہ کی پیشانی پر کبھی بل نہ آیا۔ بلکہ شوہر کی آرزوئیں پر لانے میں وہ حتی الامکان اُسکی مددومعاون ثابت ہوئی۔ اور یہی وجہ تھی کہ عنفوان شباب کی رفاقت آخر عمر تک نبھ گئی۔ اور زبیدہ کا شباب ایسے عیش وعشرت مین کٹا جیسا کہ دنیا میں بہت کم ملکاؤن کو نصیب ہوا ہوگا۔ اُس کی شان ہمیشہ خاص محل کی رہی۔ ملک کی تمام خاتونوں مین نہایت ممتاز تھی۔ اور اُس کے محل مین کوئی عورت چاہے رشید کی کتنی ہی بڑی محبوبہ ہو اُس کے حکم اور اقتدار سے باہر نہ تھی۔ اُس نے محل کا ایسا اچھا انتظام کر رکھا تھا اور ہارون کے اخلاق وعادات کو ایسا درست کر دیا تھا کہ جاحظ جو عہد قدیم کے "امور علما مین ہین" لکھتے ہین " رشید کے فضائل مین یہ بھی ہے کہ اُسکی بیوی زبیدہ تھی"۔ بلحاظ نسب وہ خاص ہاشمیہ اور عباسیہ تھی جس فضیلت مین کوئی عورت اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔ اور نہ اُسکے پایے کو پہونچ سکتی۔ چنانچہ رشید کے پورے دور خلافت مین وہی سب سے زیادہ حسینہ و جمیلہ۔ وہی سب سے زیادہ فطینہ و جمیلہ۔ وہی سب سے بڑی منتظمہ و مدبرہ۔ وہی سب سے بڑھ کے شریف النسب۔ وہی سب سے اعلیٰ درجے کی معزز و محترم ملکہ۔ اور وہی ولیعہد سلطنت محمد امین کی ماں تھی۔ ان سب باتون کا نتیجہ یہ تھا کہ رشید اُس کی بے انتہا عزت کرتا اور اپنے مصارف کے لیے وہ جس قدر سرمایہ۔ جتنا وظیفہ، اور جتنی دولت مانگتی بیت المال بھیج دیتا۔

راویان اخبار نے سیکڑون ایسے واقعات اُس کی جانب منسوب کر کے قصون اور کہانیون کی شان سے بیان کیے ہین جو اُس کی شریف النفسی۔ پاکدامنی۔ اور متانت کے خلاف ہین۔ الف لیلہ ایسے متعدد قصون سے بھری پڑی ہے خصوصاً بعض واقعات تو بالکل اعتدال سے باہر ہو گئے ہین۔ مگر وہ سب اس نیک سیرت ملکۂ ہاشمیہ پر تہمتین ہین جن سے اُس کی پاک زندگی بالکل مبرا و بے داغ تھی۔

زبیدہ خلافت عباسیہ کے آغوش مین پلی اور خلافت اُس سے اس قدر وابستہ تھی کہ ابو العیناء نام ایک نامی بزرگ کہا کرتے "زبیدہ اگر اپنی زلفون کو بکھرا دے تو ہر لٹ جا کے کسی خلیفہ ہی پر پڑے گی۔ پہلا عباسی خلیفہ سفاح اُسکے دادا کا بھائی تھا۔ دوسرا خلیفہ ابو جعفر منصور اُس کا حقیقی دادا تھا۔ تیسرا [illegible]

مہدی اُس کا چچا اور سُسر تھا۔ چوتھا خلیفہ ہادی اُس کا دیور تھا۔ پانچوان خلیفہ ہارون رشید اُس کا نا زبردار شوہر تھا۔ چھٹا خلیفہ امین اُس کا لاڈلا فرزند تھا۔ اور ساتوین اور آٹھوین خلفاے عباسی مامون و معتصم اُسکے سوتیلے بیٹے تھے۔

شادی کے چار سال بعد تقریبًا ڈیڑھ سال کا زمانہ اُسے پریشانی اور افکار و ترددات مین البتہ گذرا ہوگا جبکہ اُس کا دیور ہادی تخت خلافت پر قابض اور چھوٹے بھائی رشید کے نام سے بیزار تھا۔ اس لیے کہ اُن کی ولیعہدی اُسے بجبر و اکراہ منظور کرنی پڑی تھی۔ مگر ہادی کی جوان مرگی نے ڈیڑھ ہی سال کے اندر وہ سب فکرین دور کر دین۔ اور اُسے ایسا بامراد اور قسمت ور بنا دیا کہ شاید اُسوقت دنیا بھر مین ایسا نصیبہ ور کوئی اور نہ ہوگا۔

مگر اسکے بعد جب رشید چوبیس سال زبردست حکومت کر کے زبیدہ کو ہر قسم کا عیش کرا کے ۱۹۳ھ مین راہگراے آخرت ہوا۔ اور اُس کی بیوگی کا زمانہ شروع ہوا تو شاید وہ مصائب زمانہ سے دوچار ہو کے ملول و حزین ہو جاتی۔ مگر اب اُس کا بیٹا امین الرشید خلیفہ وقت تھا۔ اور زبیدہ کی عزت بجاے گھٹنے کے اور بڑھ گئی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ یورپ کے کسی فرمان روا کی ماں نہ تھی جو قوت و اثر سے محروم ہو کے دل شکستہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ ایک مسلمان تاجدار کی ماں تھی جسکی عزت و حکومت لازمی طور پر پہلے سے زیادہ بڑھ جایا کرتی ہے۔ اور صاحب تاج و تخت فرزند چاہے کیسا ہی باشوکت ہو ان کے آگے ہاتھ ہی جوڑتا رہتا ہے۔

لیکن اُسکے چار پانچ سال بعد جب امین اپنی بے عقلی و بے اعتدالی کے باعث مامون سے جھگڑ کے ۱۹۸ھ مین مارا گیا تب البتہ زبیدہ کو سرد مہری زمانہ سے سابقہ پڑا۔ خصوصًا اس لیے کہ مامون خراسان مین تھا۔ اور اُس کے سپہ سالار طاہر نے جس کے ہاتھ سے اُسے یہ فتح حاصل ہوئی۔ اور امین مارا گیا حریم خلافت کے ساتھ گستاخیان کین۔ اور زبیدہ کی عزت و حرمت کا ذرا بھی پاس و لحاظ نہ کیا۔ مامون اگرچہ سوتیلا بیٹا تھا مگر زبیدہ اُس کی نیک سرشت۔ اُس کے مزاج۔ اور اُس کے خصائل سے بخوبی واقف تھی۔ شکایت زمانہ مین چند اشعار موزون کر کے اُسکو لکھ بھیجے۔ جن کا مضمون یہ تھا:۔

"میں یہ تحریر لکھ رہی ہوں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہیں - طاہر کے ہاتھ نے (خدا اُسے غارت کرے) میری بڑی بے عزتی ہوئی - مجھے بے پردہ اور بے نقاب چادر باہر نکالا - میرا محل لوٹ لیا - میری ساری دولت برباد کی - اور میرے تمام قصر و ایوان اُجاڑ دیے - میری جو بے ناموسی ہوئی ہے - اور اس کانے کے ہاتھ سے (طاہر یک چشم تھا) مجھ پر جو کچھ گذری ہے وہ ہارون کو قبر میں چین سے لیٹنے نہ دیگی - لیکن یہ سب باتیں اگر تمھارے حکم سے ہوئی ہوں تو میں صبر کروں گی کہ قسمت میں یہی تھا" اس کے ساتھ اُس نے اپنے بیٹے امین کا ایک مرثیہ کہا - اور دونوں نظموں کو مامون کے پاس خراسان میں بھیجدیا -

یہ نظمیں ایسے سوز و گداز کے الفاظ میں لکھی گئی تھیں کہ مامون کے دل پر بڑا اثر ہوا - بے اختیار رو دیا - اور اُس کی زبان سے نکلا کہ "میں خود اپنے بھائی کے خون کا انتقام لوں گا" اسکے بعد وہ زبیدہ کے ساتھ بالکل اپنی ماں کی طرح پیش آیا - مہربانی اور ہمدردی میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا - قصر خلافت ہی کے اندر اُسے لاکے رکھا - اور اُس کا ایوان نہایت ہی اعلیٰ و ارفع تھا - اُسکی خدمت کے لیے بہت سی لونڈیاں اور غلام مقرر کیے - سالانہ وظیفے کے طور پر اُسکے نام ایک لاکھ نئی اشرفیاں اور دس لاکھ جدید الضرب درہم جاری کیے - اسی رقم میں سے سو اشرفیاں اور ہزار درہم ہر سال وہ ابوالعتاہیہ کو دیدیا کرتی تھی جو اُس زمانے کا سب سے زیادہ نامور اخلاقی شاعر تھا - اور زبیدہ کی سرکار سے وابستہ تھا -

ایک سال اتفاق سے وہ یہ رقم بھیجنا بھول گئی - اور گردوپیش والوں میں سے بھی کسی نے یاد نہ دلایا - ابوالعتاہیہ نے ایک پرزے پر دو شعر لکھ کے اندر بھجوا دیے - جن کا مضمون یہ تھا "ذرا مجھے بتا ناکہ امسال دارالضرب میں نئے سکے بنے ہیں یا نہیں؟ اس لیے کہ ہر سال کی طرح ابکی برس میں نے نہ نئی اشرفیاں دیکھی ہیں نہ نئے درہم دیکھے ہیں؟" ان اشعار کو پڑھتے ہی زبیدہ نے معمولی رقم بھجوا دی:

مامون ہمیشہ اُس کا خیال رکھتا - اور بہت ادب کرتا - جب مامون نے اپنے وزیر کی بیٹی بوران کے ساتھ دھوم دھام سے شادی کی ہے تو دولھن کے بننے والوں

مین سب سے پیش پیش زبیدہ ہی تھی - اتفاقاً ایک بار اُس کی کسی خواہش پر مامون سے سرد مہری ظاہر ہوئی - زبیدہ نے چند اشعار ابو العتاہیہ سے کہلا کے مامون کے پاس بھیج دیے - آخری شعر یہ تھا

اذا بقی المامون لی فالرشید لی ولی جعفر لم یفقدا و محمد

(جب مامون موجود ہے تو میرے لیے رشید (شوہر) جعفر (باپ) اور محمد (بیٹا) سب موجود ہیں) مامون یہ اشعار پڑھتے ہی بے اختیار دوڑ آیا - آتے ہی قدمون پر گر پڑا اور کہا "مین نے آپ کے معاملے مین بے پروائی نہین کی - بلکہ میرے کامون مین مصروف ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہوا - مگر یہ بھی میری نالائقی ہے - لہذا آپ میرا قصور معاف فرمائین" زبیدہ نے کہا "تو پھر مجھے کوئی شکایت نہین - ہزار مشغولیتین ہون دل صاف اور مہربان ہے تو اندیشہ نہین"

زبیدہ کی ذہانت و طباعی اور فراست و دانائی کے ساتھ اُس کی فیاضی - رحمدلی - اور نیک نفسی بھی ضرب المثل تھی - خدا نے اُسکے ساتھ حشمت و دولت بھی اس قدر دی تھی کہ ملوک و سلاطین بھی اُسکے آگے مفلس تھے - چنانچہ حریری اپنے مقامات مین ایک جگہ کہتا ہے "اگر شیرین اپنا حسن اور زبیدہ اپنی دولت تجھے دیدے" شیخ سعدی فرماتے ہین - ع - "نہ مثل زبیدست ہر بیوہ"

زبیدہ کی خدمت مین ایک پر جمال لونڈی تھی "نوار" اُس زمانے کا مشہور مغنی مخارق اُسکی صورت پر فریفتہ ہو گیا - مگر زبیدہ کے ڈر کے مارے چھپا پھرتا تھا - تاہم جب شوق دل بیتاب کرتا تو شوق دید مین ڈیوڑھی پر چلا آتا - اتفاقاً کسی نے زبیدہ سے چغلی کھائی - سنتے ہی زبیدہ بہت ناراض ہوئی اور حکم دیدیا کہ "خبردار مخارق میری ڈیوڑھی پر نہ آنے پائے - اور نہ ادھر سے ہو کے گذرا کرے" مخارق نے مجبوراً یہان کا آنا بھی چھوڑ دیا - ایک دن وہ مامون رشید کی محفل مین نغمہ سرائی کر کے دریا کے راستے سے واپس آ رہا تھا - جب اُس کی چھوٹی کشتی دجلے مین زبیدہ کے قصر کے سامنے سے گذری تو مخارق نے نہایت ہی سوز و گداز کے سُرون مین چند اشعار گائے - جن مین سب سے پہلے شعر کا یہ مطلب تھا "اگر وہ اپنے گھر کے پاس آنے سے مجھے منع کرتے ہین تو نہ سہی اُس گھر کو مین دوری سے دیکھ لیا کرون گا" اتفاقاً

زبیدہ اُسوقت کوٹھے پر بیٹھی دریا کی بہار دیکھ رہی تھی - یہ نغمہ اُس کے کان میں پہونچا تو چونک کے کہنے لگی "یہ تو خدا کی قسم مخارق کی آواز ہے - دَوڑ کے اس کی کشتی روکو - اور میرے پاس بُلا لاؤ" مخارق آیا تو زبیدہ نے کوٹھے پر اپنے پاس بُلا لیا - بیٹھنے کے لیے کرسی دی - نبیذ پلائی - خلعت سے سرفراز کیا - اپنی خوش گلو لونڈیون کا گانا سُنوایا - اور کہا "لے اب تم بھی کچھ گاؤ" حکم پاتے ہی مخارق نے چند شعر گائے - جن مین اپنے ذوق وشوق اور اپنی بیتابی و بیقراری کو جی بھر کے دکھا دیا - مخارق کی زبان سے یہ اشعار سُنتے ہی نہار بھی بربط لے کے بیٹھ گئی - جن مین بظاہر تو مخارق کی طرف سے نفرت و اختلاف ظاہر ہوتا تھا - مگر معناً اور پردے پردے مین اُسکی طرف اپنا میلان اور اُس کے عشق کے قبول کرنے کا اقرار و اعتراف تھا - نہار کی یہ حرکت اور دو رُخی بات سمجھ کے زبیدہ بہت ہنسی اور کہا "جو لطف مجھے تم دونون کے نغمے مین آج آیا کبھی نہ آیا تھا" اور اُسی وقت نہار کا ہاتھ پکڑ کے مخارق کے حوالے کر دیا"۔

زبیدہ کی رحمدلی اور نفع رسانی خلق یون تو مشہور ہی ہے مگر ایک دن اُس نے کمال کر دیا - اور سب لوگون کو اعتراف کر لینا پڑا کہ ایسا علم اور کسی شخص مین نہین ہو سکتا - ایک شاعر صاحب جنہین خدا نے لیاقت چاہے کتنی ہی دیدی ہو مگر عقل نہ دی تھی اُسکی شان مین قصیدہ لکھ کے لائے اور سُنانا شروع کیا - جیسکے ایک شعر کا مضمون یہ تھا "زبیدہ - تیری خدمت مین آنے والا بڑا ہی خوش نصیب ہے - کیونکہ اور لوگ ہاتھون سے فیاضی کرتے ہین تو تو پاؤن سے کرتی ہے" یہ شعر سُنتے ہی کُل حاضرین حرم کی رنگت اُڑ گئی - نقیب اور چوبدار دوڑے کہ اُسے مارین اور ایسے بدتمیز گستاخ کو اس محترم دربار سے نکال باہر کرین - مگر خود زبیدہ نے آواز دے کے سب کو روکا اور کہا "اسے مارتے کیون ہو؟ اس نے جو کچھ کہا ہے نیک نیتی سے کہا ہے - مگر بے عقلی سے ادب و تمیز داری کے اصول سمجھنے مین غلطی کر گیا - کسی شاعر کو کسی کی مدح مین اس نے یہ کہتے سُنا ہے کہ اور جو دوا اپنے ہاتھ سے کرتے ہین وہ تیرے بائین ہاتھ کا کام ہے - اسی مضمون سے اخذ کر کے اس نے یہ احمقانہ جدت طرازی کی - خیر اب جو ہوا سو ہوا - جانے دو - اور امید لگا کے آیا ہے

محروم نہ پھیرو۔ مگر سمجھا دو کہ پھر ایسی حماقت و بدتمیزی کی بات زبان سے نہ نکالے۔ یہ کہہ کے اُسے انعام و اکرام سے سرفراز کر کے رخصت کیا

زبیدہ خاتون میں دینی جوش ابتدا ہی سے بڑھا ہوا تھا مگر بیوگی میں اور زیادہ بڑھ گیا۔ چنانچہ مورخین کا بیان ہے کہ اُسکے محل میں سولہ لونڈیاں حافظ قرآن تھیں۔ جو روز خوش گلوئی اور اعلےٰ ترین قرأت کے ساتھ تلاوت قرآن کیا کرتیں۔ اُن میں سے ہر ایک کے ذمے فرض تھا کہ روز دس پارے پڑھے۔ اور تین دن میں قرآن مجید ختم کر دے۔ ان عورتوں کی تلاوت سے اُس کے محل کی طرف سے ہو کے جب گذریے شہد کی مکھیوں کی سی ایک گونج سُنی جاتی۔ اور انسان کے دل پر دینی عقیدت و پاکیزگی کا بڑا اثر پڑتا۔

لیکن جوش مذہبی اس حد سے بھی گذرا تو اُس نے بعد مامون رشید ۲۰۸ھ میں حج کا ارادہ کیا۔ مامون اس سے اس قدر مانوس ہو گیا تھا کہ امید نہ تھی خوشی سے ایسے دور و دراز سفر کی اجازت دیدے گا۔ اس لیے زبیدہ نے اُس کی محبوبہ دُلھن بُوران کی زبان سے کہلا کے اجازت حاصل کی۔ اور بہتر کے سفر کی تیاریاں کر دیں۔ چونکہ نہایت ہی دولتمند تھی اور رشید اور مامون دونوں نے اُس کے گھر کو دولت و حشمت سے مالا مال کر دیا تھا۔ اس لیے وہ حج کو چلی تو پہلے ہی سے تہیہ کر لیا کہ دینی خدمات اور نفع رسانی خلق اللہ میں جی کھول کے حوصلہ نکالے گی۔

بڑے کر و فر سے روانہ ہوئی۔ اور بجائے اسکے کہ عراق سے سیدھی مکہ معظمہ کی جانب رخ کرے شام و ارض مقدس کی طرف سے پھیر کھاتی ہوئی گئی۔ اور سفر میں قدم رکھتے ہی فیاضیاں شروع کر دیں۔ کہتے ہیں کہ صرف اس سفر میں اُس نے تعمیر مساجد اور دیگر خیراتی کاموں میں سترہ لاکھ اشرفیاں صرف کیں۔

بیت المقدس کی زیارت کے وقت جب وہ کوہ لبنان کے دامن میں گذری تو دیکھا کہ پانی کی قلت ہے اور لوگ تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ ہمراہی انجنیروں کو حکم دیا کہ اس خطے میں کسی نہر کے لانے کی کوشش کریں۔ اُنھوں نے جستجو و پیمایش کے بعد عرض کیا کہ کوہ لبنان کے چشمۂ عوعا سے یہاں نہر آ سکتی ہے۔ زبیدہ نے

فوراً اُس کام کو چھیڑ دیا۔ اور بڑی خوبی کے ساتھ یہ نہر جاری کر دی گئی۔ اس نہر کو پہاڑ سے اُتار کے وہ شہر بیروت اور وادی مکلس میں لائی ہے۔ اُس وادی میں اُس کی فیاضی و علیمہ حوصلگی اور اُسکے انجنیروں اور مہندسوں کی صناعی سے درجہ بدرجہ بند اور پل تعمیر کیے گئے ہیں۔ جن کی مدد سے پانی بلندی پر چڑھ کے دوسری طرف نکل جاتا ہے۔ اور یہیں سے نہر کی ایک شاخ بیروت کو نکل گئی ہے۔ یہ پل آج تک "قناطر زبیدہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ اگرچہ اب اس زمانے میں یہ خیال پیدا کیا گیا ہے کہ اُن کی بانی شہر تدمر کی ملکہ زنوبیہ تھی۔ جس کے حالات ہم نے ایک جداگانہ رسالے میں قلمبند کیے ہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔ مگر زبیدہ کی فیاضیوں کی یہ بھی ایک بے نظیر خوبی ہی رہے گی کہ اوروں کی فیاضیاں بھی اُسی کی جانب منسوب کر دی جاتی ہیں۔

عراق۔ شام۔ اور عرب میں اُس کے اس قسم کے بہت سے خیراتی کام ہیں جو دنیا کو آج تک نفع پہونچاتے ہیں۔ اور فیاض ملکۂ عباسیہ کے لیے مایۂ ثواب آخرت ہیں۔ اُسکی وہ تمام یادگاریں "زبیدیہ" کہلاتی ہیں منجملہ اُنکے مکۂ معظمہ اور عقیق کے درمیان ایک تالاب ہے جہاں اُس کا ایک قصر اور مسجد بھی موجود ہے۔ جن چیزوں کو اُس نے اپنے روپے سے حاجیوں کی نفع رسانی کے لیے بنوایا تھا۔

مگر اُس کی سب سے بڑی حیرت انگیز یادگار جس نے اُسے قیامت تک کے لیے ایک رحمت الٰہی ثابت کر دیا مکۂ معظمہ کی نہر زبیدہ ہے۔ عوام میں مشہور ہے کہ یہ نہر دریا سے دجلہ سے کاٹ کے لائی گئی ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اور نہ ایسا کام قوت انسانی کے اقتدار میں ہے۔ دراصل زبیدہ نے مکۂ معظمہ سے دس پندرہ میل کی مسافت پر کسی پہاڑ میں ایک چشمہ ڈھونڈھ نکالا۔ وہیں سے پہاڑوں کو کاٹ کے اور بڑی بڑی چٹانوں کو توڑ کے اِس نہر کو وہ مکے میں لائی ہے۔ اور اس شان سے لائی کہ پانی مکۂ معظمہ میں جوش مارنے لگا۔ ریگزار عرب میں چند گز تک پانی کا لانا بھی قوت بشری سے باہر معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ کیسا ہی چشمہ ہو پیاسی بالو چند ہی قدم پر اُسے پی جاتی ہے اور انسان کے لیے ایک قطرہ بھی نہیں چھوڑتی۔ پھر جس سرزمین میں لُو کے جھونکوں کے ساتھ بالو کے پہاڑ ایک جگہ سے اُڑ کے دوسری

جگہ قائم ہوتے رہتے ہوں وہاں کسی نہر کا ایک دن جاری رہنا بھی غیر ممکن ہے۔ چند ہفتے بھی نہ گذرنے پائیں کہ بالو اُسے پاٹ کے برابر کردے۔ ان دونوں قدرتی دشمنوں کی دست بُرد سے بچا کے ایک نہر کا دس پندرہ میل تک بہا لانا امکان سے باہر نظر آتا ہے۔ مگر زبیدہ کی فیاضی نے اُسے ممکن کرہی کے چھوڑا۔ اُس نے نہر کے ظرف کو جس میں سے ہو کے وہ گذرتی ہے خدا جانے کس طرح اور کس قدر پختہ بنایا ہے کہ پانی زمین میں جذب نہیں ہونے پاتا۔ اور ریگ رواں کی سیل سے بچانے کے لیے نہر کو اول سے آخر تک اوپر سے پاٹ دیا ہے۔ جس کی وجہ سے اوپر چاہے کچھ ہو نہر کی روانی میں فرق نہیں آنے پاتا۔ صرف مکۂ معظمہ اور بعض آباد مقاموں میں جا بجا کنووں کی طرح اوپر سے کھول دی گئی ہے جہاں سے لوگ پانی لے لیا کرتے ہیں۔

وہ مقام ہے جہاں حضرت اسماعیل کے سیر کرنے کے لیے خداوند جل وعلا نے معجزنما طریقے سے زمزم کا سوتا جاری کیا تھا۔ جس سے پہلے یہاں زندگی غیر ممکن تھی اور کسی ذی روح مخلوق کا کوسوں پتہ نہ تھا۔ اُسی زمین میں حسن تدبیر سے ایسی ایک نہر کا جاری کردینا فرہاد کے جوئے شیر لانے سے زیادہ دشوار کام تھا۔ مگر نیک نیت ملکۂ زبیدہ کے ہاتھ سے خدا نے اُسے انجام دلا دیا۔ علامۂ ابن جوزی فرماتے ہیں "اُس نے اہل مکہ کو اُس وقت پانی سے سیراب کردیا جبکہ ایک کوزۂ آب کی قیمت ایک دینار (اشرفی) کو پہونچ گئی تھی"۔

اسی سلسلے میں زبیدہ نے مکہ میں مقام عقبہ کے بنجر خطے کو ایک نزہت بخش باغ بنا دیا۔ اُسکے داروغہ نے ادب سے عرض کیا "حضور اس کام میں بڑا صرف پڑے گا"۔ اُس نے جوش واستقلال کے ساتھ جواب دیا "جتنا صرف پڑے گا میں برداشت کروں گی۔ چاہے پھاوڑے اور کدال کی ہر ہر ضرب کی مزدوری ایک ایک اشرفی پڑے میں دوں گی مگر اس کام کو پورا کرکے رہوں گی"۔ چنانچہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوئی۔ اور اُس خطے کو ایک گلزار پر بہار بنا دیا۔ مکۂ معظمہ میں اُس نے غربا اور حجاج کے قیام کے لیے دو مکان بھی تعمیر کرائے تھے۔ ایک جانب شامی میں یعنی کعبۂ شریف کے شمالی جانب تھا اور دوسرا جانب یمانی میں

یعنی جنوب کی طرف۔

ایسے شاندار اور ہمیشہ یاد رہنے والے حج کے بعد زبیدہ بغداد میں واپس گئی تو خاموشی کے ساتھ عبادت و تقوی میں مصروف ہو گئی۔ اور واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اپنے شوہر کے زمانے میں وہ انتظامات ملکی اور پالٹکس میں دخل نہ دیتی تھی اپنے فرزندوں کے زمانے میں بھی کبھی اُس نے اس کا خیال نہ کیا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر فیاضی اور خدمات مخلوق کا سلسلہ اب بھی اُسی طرح جاری تھا۔ بغداد میں بہت سے قصر و ایوان اُس کی جانب منسوب تھے۔ اور اب بھی اُسکے نام کے مختلف محلے ہیں۔ اور جا بجا اُس کی یادگاریں باقی ہیں۔

حج کے آٹھ سال بعد ۲۱۶ھ میں زبیدہ نے تقریباً ستر برس کی عمر میں سفر آخرت کیا۔ مگر اپنے نام اور اپنے کاموں کو ابدالآباد تک باقی رہنے کے لیے زندہ چھوڑ گئی۔

ماریہ رولان فلپون

یہ ایک قابل و ممتاز فرانسیسی خاتون تھی جس نے محض اپنے حسن و جمال اور فضل و کمال کی وجہ سے عروج حاصل کیا۔ ناموری کے اعلیٰ ترین شہ نشین پہ پہونچی۔ اور ناعاقبت اندیش قوم کی غیر معتدل آزادیوں پر قربان ہوئی۔

وہ فلپون نام پیرس کے ایک ہنرکن کی بیٹی تھی جو اپنے فن میں تو صاحب کمال تھا مگر غربت و افلاس کے ہاتھوں ہمیشہ پریشان رہا۔ اُسی کے یہاں ۱۷۔ مارچ ۱۷۵۴ء کو ماریہ پیدا ہوئی۔ ماں باپ کے مزاج میں بڑا فرق تھا۔ ماں نیک نفس۔ نرم دل۔ ستودہ اخلاق۔ اور صابر و قانع تھی۔ برخلاف اسکے باپ حریص و طماع۔ بدنفس و بداخلاق۔ حاسد و کینہ ور۔ اور شریف و نیک نفس لوگوں کا دشمن تھا۔ اُسے یہی مالیخولیا تھا کہ میری ساری نکبت و فلاکت شرفا و امرائے وطن کی وجہ سے ہے۔ اور بدنصیبی سے ملک فرانس کی عوام الناس کو اُن دنوں علی العموم یہی خبط ہو رہا تھا۔ ان خیالات کی وجہ سے فلپون کو جب دیکھیے معززین و شرفائے شہر کو گالیاں دیتا۔ اور کہتا "یہی لوگ ہم سب کو لوٹے کھاتے ہیں"۔

ماریہ اگرچہ ان کے تمام صفات کی وارث تھی مگر ممکن نہ تھا کہ اُس کے دل کے پاک و صاف آئینے میں باپ کے خیالات کی جھلک نہ نظر آئے۔ کیونکہ باپ کے زیر تعلیم رہی تھی۔ وہ نہایت ہی ذکی و ذہین تھی۔ چار سال کی عمر کو پہونچنے سے پہلے ہی لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ اور مطالعۂ کتب کا اُسے اس درجہ شوق ہو گیا کہ اُس کے شوق و حوصلے کے مطابق کتابیں خریدنا یا اُنھیں فراہم کرنا باپ کے امکان سے باہر تھا۔ اپنی یہ بے مائگی دیکھ کے قلیون نے بیٹی کو تعلیم کے لیے ایک زنانی خانقاہ میں بھیجدیا جہاں ننین لڑکیون کو تعلیم دیا کرتی تھین۔ اس خانقاہ مین ماریہ نے ایسا ذوق علم اور تعلیم کا شوق ظاہر کیا کہ اُستانیان اُس پر ناز کرنے لگین۔ اور ساتھ والی لڑکیان اُس کی مطیع فرمان لونڈیان بن گئین۔

خانقاہ کے اس زنانے مدرسے مین ماریہ نے مصوری اور موسیقی مین نمایان ترقی کی۔ تاریخ و سیر۔ سفرنامون۔ نامور شعرا کے دیوانون۔ ادب و اخلاق۔ مطائبات و لطائف اور پالٹکس کی کتابون مین پوری بصیرت حاصل کی۔ ان سب علمون مین پورا توغل کرنے کے بعد اُس کے دل مین قدیم یونانیون اور رومیون کے حالات معلوم کرنے کا غیر معمولی ذوق پیدا ہو گیا۔ اور کوشش کرنے لگی کہ اپنے اخلاق و عادات اُنھین لوگون کے سے بنائے۔ اس کوشش مین اُسے یہان تک انہماک ہوا کہ ایک دن باپ نے دیکھا کہ اکیلی بیٹھی رو رہی ہے اور کچھ کُڑھی ہوئی سی ہے۔ بڑھ کے تسلی دی اور رونے کا سبب پوچھا تو بولی "مین اس بات پر روتی ہون کہ مین کسی رومی کے گھر مین کیون نہ پیدا ہوئی؟"

اکثر اوقات جب تنہا بیٹھتی تو یونانیون کی گذشتہ سطوت اور رومیون کی اگلی عظمت کی خیالی تصویرین خیال کی آنکھون کے سامنے قائم کرتی۔ پھر اُسکے مقابل جب وہ اپنے شہرون اور لوگون کی حالت پر غور کرتی تو دل بھر آتا۔ رونے اور سر دھنتے لگتی۔ اور دل مین کہتی "یہ لوگ کس قدر عیش پرست ہو گئے ہین؟ کیسی غلطیون اور بیہودگیون مین مبتلا ہین؟" اور یہ خیال آتے ہی وطن کے دولتمندون اور قوم کے سربرآوردہ لوگون کی طرف سے اُس کے دل مین سخت نفرت پیدا ہو جاتی۔ ارکان سلطنت کو ذلت کی نظر سے دیکھتی اور ایک ٹھنڈی آہ کے ساتھ کہتی "خداوندا!

سچائی کو فتح ہو۔ عدالت و انصاف کا قانون ملک پر حکومت کرے۔ اور قوم اس تباہی سے چھوٹے"۔

دراصل یہ اُس کے باپ کے خیالات تھے۔ جنھون نے اعلیٰ تعلیم مین سمو جانے کے بعد یہ صورت پیدا کرلی تھی۔ باپ نے بچپن ہی مین اُسے وطن کے امیرون کے بُرے خصائل و عادات اور اخلاق و اطوار سُنا سُنا کے سب کی طرف سے بد ظن کر دیا تھا۔ جب وہ ننھی بچی تھی تو باپ اکثر اُسے اُنگلی پکڑ کے باہر لے جاتا۔ پیرس کی سڑکون پر پھیراتا۔ دولتمندون کا کروفر۔ امیرزادون کا سیر و تفریح کے لیے نکلنا۔ اور گلگشت مین محو ہونا۔ اُن کی سواریون کا ٹھاٹھ اور اُنکے جلو مین خدم و حشم کا ہونا۔ باہم لغو و بیہودہ مذاق کرنا۔ اُنکے گھوڑون کا غریبون کو ٹھوکر دے کے نکل جانا اور اُن کا غریب ابنائے وطن کو حقارت و ذلت کی نگاہون سے دیکھنا۔ پھر اسکے بعد اُنکی زرنگار گاڑیان۔ اُنکے شاندار گھوڑے۔ اُنکا اعلیٰ درجے کا بیش بہا ساز و یراق۔ اور اُنکے سر بفلک قصر و ایوان دکھاتا اور کہتا "بیٹی دیکھو اور بتاؤ کہ عدل و انصاف کہان ہے؟ اور کہان ہین وہ خدا کے نیک بندے جو انسانیت کی مدد و دستگیری کو اُٹھین؟ اور ان وحشی و جاہل سنگدلون کے دست ستم سے اُسے بچائین؟ دیکھتی ہو کہ حریر و دیبا کے گدیون پر بیٹھے اور کمخواب کے تکیے لگاتے ہین۔ عیش و عشرت مین زندگی تلف کرتے ہین؟ اور جن کی محنت سے ملک آباد ہے وہ فاقے کر رہے ہین؟" یہ باتین بھلا بے اثر کیے ہوے رہ سکتی تھین؟ اُس کے دل مین جم گئین۔ اور وہ اُس گھڑی کا انتظار کرنے لگی جب خدا ان کو اس خواب غفلت کی سزا دے گا۔

۱۶ برس کے سن مین وہ اپنی تعلیم پوری کرکے مدرسے سے نکلی۔ نکلتے ہی ماں نے گھر کے کامون مین لگالیا۔ اور کوئی لڑکی ہوتی تو علم حاصل کرنے کے بعد چولھے چکی کو اپنی شان سے ادنیٰ خیال کرتی۔ مگر ماریہ کو خدا نے علم و فضل کے ساتھ سچا مذاق دیا تھا۔ دل مین خیال کیا کہ عورت کے سب سے اہم فرائض یہی ہین۔ بڑے ذوق و شوق سے ماں کا ہاتھ بٹالیا۔ دوڑ دوڑ کے کام کاج کرنے لگی۔ گھر کا سودا سُلف خود ہی جا کے لے آتی۔ اور چونکہ بڑے سلیقے اور دانشمندی سے بات چیت

کرتی اس لیے بازار کے تمام دوکاندار اُس کے گرویدہ ہوگئے۔ سب اُس کی عزت کرتے اور اُسے سب سے اچھا سودا مل جاتا۔

اب اُسکی شادی کا سِن ہوا۔ اور ہر طرف سے پیام آنے لگے۔ ان پیامون کی جب کثرت ہوئی اور اُس نے دیکھا کہ ماں باپ چاہتے ہین کہ ان مین سے کسی کو منظور کرلین تو اُس نے اُنھین جلد بازی سے روکا۔ اور کہا "فطرت اور قانون دونون اسپر متفق ہین کہ مرد کو عورت پر فضیلت و فوقیت ہے۔ اگر مین نے جلدی مین کسی ایسے کو پسند کرلیا جو مجھ پر حکومت کرنے اور اُس درجۂ عالی کے نباہنے کے قابل نہ ہو تو مجھے انجام مین نادم ہونا پڑے گا۔ اور میری زندگی خراب ہو جائے گی" یہ سُن کے ماں باپ کو خاموش ہو جانا پڑا۔

ایک دن اتفاق سے ایک بڑا دولتمند امیر کبیر اُس کے باپ کے کارخانے مین آیا۔ اُس نے قلیتون کی صنعتون اور کاریگریون کے سلسلے مین ماریہ کے ہاتھ کی چند تحریرین دیکھین تو حیران و ششدر رہ گیا۔ اُس کا پاکیزہ خط۔ اُس کی خوبصورت عبارت جس چیز کو خیال کرتا بے عدیل و نظیر پاتا۔ ماریہ کی لیاقت کی اُس نے بیحد تعریف کی۔ اور اُس سے خود ہی سبقت کرکے خواہش کی کہ "تم مجھ سے خط و کتابت کیا کرو۔ تاکہ تمھارے طرز تحریر سے مین فائدہ اُٹھاؤن" اسکے بعد گھر جاتے ہی اُس نے ماریہ کو ایک خط لکھا۔ جس مین توجہ دلائی کہ "تم تصنیف و تالیف کا شوق کرو۔ مجھے یقین ہے کہ پبلک تمھارے لٹریچر کی بڑی قدر کرے گی" ماریہ نے اس خط کا جواب نظم مین دیا۔ اور ایسے پاکیزہ اشعار موزون کرکے اُسے لکھ بھیجے کہ اُسے اور زیادہ حیرت ہوئی۔ اس منظوم خط مین ماریہ نے یہ لکھا تھا کہ "علم و فضل مین عورت مردون کا مقابلہ نہین کرسکتی۔ اور عورت کو وہ اعلیٰ علمی درجہ نہین نصیب ہو سکتا جو مردون کو حاصل ہے" پھر اسکے مدلل وجوہ و اسباب بتائے تھے۔

اب اسوقت سے ماریہ قلیتون اور اُن رئیس مین سلسلۂ مراسلت جاری ہوگیا۔ اور وہ انکے وہان جانے آنے بھی لگی۔ ان دولتمند امیر کا ایک جاہل بیٹا تھا جو نہایت ہی غصہ ور اور مزاج کا جھلّا تھا۔ اُنھون نے چاہا کہ ماریہ کو اپنے اُس نالائق فرزند کے ساتھ بیاہ لائین۔ کیونکہ اُنھین یقین تھا کہ ماریہ کی صحبت سے اُس لڑکے کی اصلاح

ہو جائے گی۔ اور قابل بی بی جب راہ پر لگائے گی تو وہ سُدھر جائے گا۔ مگر اُس کی اصلاح کی اُمید موہوم پر ماریہ اپنی زندگی کیون خراب کرتی؟ قطعًا انکار کر دیا۔

اُس امیر سے آمد و پیام ہونے اور اُس کے گھر پر آنے جانے کے باعث ماریہ سے شہر کے اور کئی اُمرا سے شناسائی ہو گئی۔ اور اُنکے حالات کے معلوم کرنے کا بھی اچھا موقع مل گیا۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ بچپن سے یونانیون اور رومیون کے اخلاق و عادات کا مطالعہ کرتے کرتے اُسے عادت ہو گئی تھی کہ جس کسی سے سابقہ پڑتا دل ہی دل مین اُس کے عادات و اطوار اُسکے خصائل و کردار اور اُس کے مذاقِ طبیعت کا اندازہ کر لیتی۔ لیکن خوبی اور تعریف کی یہ بات تھی کہ کبھی یہ نہ ہوا کہ دولتمند اُمرا مین سے کسی کی کوئی خصلت اُس نے اختیار کی ہو۔ بلکہ امرا کے خصائل پر غور کرنے کا یہ نتیجہ تھا کہ روز بروز اُن سے اور متنفر ہوتی جاتی۔ اس لیے کہ امرا کو یا تو گانے بجانے اور عیش و نشاط سے واسطہ تھا۔ یا خود نمائی۔ فضول تبختر۔ اور کبر و نخوت سے اور ان باتون کو ماریہ حقیر و ذلیل جانتی تھی۔

اب اُس کی عمر پچیس برس کی تھی اور بدستور لوگون کی جانچ پڑتال کرتی رہتی تھی کہ مسیو رولان نام ایک سن رسیدہ شخص سے ملاقات ہو گئی جو عمر مین اُس سے بائیس سال بڑا تھا۔ اور علاقۂ لیون کے تمام کارخانون کا انسپکٹر تھا۔ مسیو رولان نے چند ہی روز کی شناسائی کے بعد اُسے شادی کا پیام دیا۔ اور اُس نے اپنے مذاق مین اُس کے عادات و خصائل کو اس قدر پسند کیا تھا کہ اُس کا پیام فورًا منظور کر لیا۔ یہ شخص معزز و ممتاز تھا۔ صاحب علم و فضل تھا۔ ادب و قابلیت مین مشہور تھا۔ اور اُسکے کئی تصانیف ملک مین شائع ہو چکے تھے۔ ان تمام صفات کے ساتھ وہ مزاج کا بھی بہت اچھا تھا۔ غرض ۴۔ فروری ۱۷۸۰ء کو دونون کی باہم شادی ہو گئی۔ اور ماریہ فلپون میڈم رولان بن گئی۔

شادی کے بعد چند روز تک تو دونون پیرس مین رہے۔ پھر شہر امیان مین چلے گئے۔ اور اُسکے بعد شہر لیون مین جا کے مقیم ہوے۔ جہان مسیو رولان تو کارخانون کے معائنے مین مصروف رہتے۔ مگر بی بی نے اپنی میان کی زندگی سے ایک کامل ترین خاتون کی زندگی کا نمونہ دکھا دیا۔ گھر کو خوب سجا اور آراستہ کیا۔ پھر اُسکی انتظامی حالت

سدھاری - اور اپنی زندگی کے بہترین دن یہین بسر کیے - یہان ایک لڑکی پیدا ہوئی - اور
ماریہ رولان اُس کی تعلیم و تربیت مین ہمہ تن مصروف ہو گئی -
مسیو رولان کا یہ معمول تھا کہ ایک چھوٹے گانؤن مین جا کے گرمیون کا موسم بسر
کیا کرتے - ماریہ رولان وہان اُنکے ساتھ جا کے یہین رہتی - اور معمول تھا کہ ہر روز
تھوڑا وقت گانؤن کے مریضون اور محتاجون کی خبرگیری مین صرف کرتی - اور چونکہ
کوئی طبیب موجود نہ تھا خود ہی اُن کا علاج کرتی - اور اپنے پاس سے دوائین دیتی
اور تسلی دیتی رہتی - وہ لوگ اُس کے حد سے زیادہ گرویدہ ہو گئے اور سارے
گانؤن مین اُس کی خوبیون کی دھوم ہو گئی -
مگر اُس کا زیادہ وقت شوہر کے علمی کامون کی مدد مین صرف ہوتا - اور مشہور
ہو گیا تھا کہ مسیو رولان مین جتنی خوبیان نظر آ رہی ہین یہ سب دراصل اُنکی بیوی کی
خوبیان ہین - چنانچہ خاص اُنکے ایک ملنے والے کا بیان ہے "مسیو رولان کی نسبت
خیال کیا جاتا ہے کہ وہ قوانین دولت روم سے خوب واقف ہین - لیکن سچ پوچھیے
تو اُن کا یہ علم دراصل اُن کی بی بی کا علم ہے - اپنے تمام کمالات مین وہ اپنی انیس
زندگی منکوحہ کے زیر بار احسان ہین - اُن کی بی بی انکی تمام معاملات مین مدد و معاون
رہتی ہین - اُن کا کل کام وہی کرتی ہین - جن کتابون کو وہ تصنیف کرتے ہین وہی
اُنھین درست کرتی ہین - اور اپنے زور قلم اور اپنی ادبی قابلیت سے شوہر کی تحریرون
کو نہایت ہی مدلل اور موجہ بنا دیتی ہین - اور اصل حقیقت یہ ہے کہ بی بی ہی کے طفیل
مین وہ اعلیٰ درجے کے انشا پرداز اور ادیب مشہور ہو گئے ہین"
اسی اثنا مین یکایک فرانس مین انقلابات و بغاوت کا ہنگامہ برپا ہوا جو
تاریخ عالم مین ایک عجیب واقعہ ہے - رعایا سلطنت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی اور
شاہی خاندان اور اُس کے طرفدارون کو دنیا تنگ نظر آنے لگی - ماریہ رولان
کو جب اس جوش و برہمی کا حال معلوم ہوا تو فوراً اُس کی اعانت کے لیے تیار ہو گئی
لوگون کا جوش بڑھانا شروع کیا - اور بغاوت و سرکشی کی آگ اور بھڑکا دی
بچپن سے امارت کے خلاف اور رعایا کی طرفدار تھی - یہ ہنگامہ شروع ہوا تو دل
مین سمجھی کہ ملک و قوم کی اصلاح کی اس سے بہتر کوئی تدبیر نہین ہے - لہذا جی

روز کے اندر اپنے شوہر اور دوستوں کو ایسا جوش دلایا کہ وہ بھی فتنۂ و فساد کے حامی بن گئے۔ اور مادام رولان نے اپنے علاقۂ لیون مین پوری بغاوت کرا دی۔ یہان تک کہ وہان کے عوام کا شعار یہ ہو گیا کہ "مسیو رولان اور اُن کی بیوی ہی ہمین شاہی مظالم اور بے انصافی کی آفت سے نجات دلائین گے"

اس کی خبر فرانس کے اُمرا اور بادشاہ کے طرفدارون کو ہو گئی۔ اُنھون نے خفیہ جاسوس پیچھے لگا دیے جو دونون میان بیویون کے ساتھ لگے رہتے۔ اور اُن کے اوضاع و اطوار اور حرکات و سکنات کی گھڑی گھڑی کی خبرین پہونچاتے رہتے۔ اس کا علم ہو جانے پر بھی مادام رولان اپنے ارادے اور طرز عمل سے باز نہ آئی۔ بلکہ لوگون کو اور زیادہ مخالفت پر آمادہ کر دیا۔ آخران میان بیویون کی طرف لوگون کی گرویدگی اس درجہ بڑھی کہ شاہ فرانس لوئی شانزدہم نے آغاز بغاوت مین مجلس نوابین قائم کی تو اہل لیون نے مسیو رولان ہی کو اپنا نواب (آجکل کے اخبارون کی زبان مین نمایندہ) منتخب کر کے اُسے مجلس نوابین مین بھیجا۔ یون لیون کے نائب مقرر ہو کے دونون میان بیوی ۲۰- فروری ۱۷۹۱ء کو پیرس مین پہونچے اور مادام رولان نے اس زمانے کے حالات پر اپنے قلم سے ایک رسالہ لکھ کے شایع کیا جس نے رعایا پر بے انتہا اثر کیا۔

رعایا کو ان میان بیویون کے ہاتھ مین دیکھ کے بادشاہ اس قدر خائف ہوا کہ انکی استمالت و دلجوئی کرنے لگا۔ یہان تک کہ مارچ ۱۷۹۲ء مین مسیو رولان کو اپنا وزیر داخلیہ مقرر کر لیا اور اُنھین رہنے کو اپنا ایک سجا سجایا قصر دے دیا جس مین شاہانہ تکلفات کا سامان اور اعلیٰ درجے کا فرنیچر تھا۔ مادام رولان بڑے کر و فر شان و شوکت کے ساتھ خوشی خوشی اُٹھ کے اُس قصر مین گئی اور شاہی ساز و سامان کا لطف اُٹھانے لگی۔۔ اور رعایا نے بادشاہ کے اس انتخاب پر بڑے جوش و خروش سے اظہار اطمینان و مسرت کیا۔

اسکے چند روز بعد جب بادشاہ نے چاہا کہ آزادی و سرکشی کے سرگروہون کو دبا دے تو مسیو رولان سے خواہش کی کہ آپ باغیون اور مخالفین تاج و تخت کے مقابلے مین اعلان جنگ کا مشورہ دین۔ وہ متردد تھے اور دل کمزوری دکھاتے

لگا تھا کہ مادام رولان نے شوہر کی طرف سے ایک ایسی چٹھی بادشاہ کو لکھ بھیجی جو اس تجویز کے خلاف اور ایسی مدلل و موجہ اور زوردار الفاظ میں تھی کہ بادشاہ کو اس کی اور اسکے شوہر کی طرف سے یاس ہو گئی۔ اور کل اہل دربار گھبرا گئے۔ اور جب مسیو رولان نے وہ چٹھی دیکھی تو اپنی بی بی کی اس جرأت اور زور قلم پر انھیں حیرت ہو گئی۔

اس چٹھی کے دباؤ سے بادشاہ کو بظاہر تو مجبور ہو جانا پڑا مگر دربار میں یہ راے قرار پا گئی کہ مسیو رولان کو سلطنت کے عہدون سے نکال دینا چاہیے۔ چنانچہ چند ہی روز بعد وہ عہدۂ وزارت سے علٰحدہ کر دیے گئے۔ بادشاہ کی یہ بے رخی دیکھ کے مادام رولان نے میان سے کہا "تم اس کا کچھ اندیشہ نہ کرو اور میری وہ تحریر جو دربار مین بھیجی گئی تھی قوم کے سامنے شایع کر دو۔ سب کو معلوم تو ہو جائے کہ کس قصور پر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا گیا ہے۔ مسیو رولان نے جو بالکل بی بی کے اختیار مین تھے اُس تحریر کو شائع کر دیا۔ اور اُس کا عجیب و غریب اثر ہوا۔ ادیبون اور انشا پردازون اور آزاد خیال پالیٹشنون نے بے انتہا داد دی۔ رعایا مین ناراضی کا جوش پیدا ہوا۔ اور اُس کا ایسا دباو پڑا کہ بادشاہ نے گھبرا کے مسیو رولان کو پھر خلعت وزارت سے سرفراز کر دیا۔ اور مادام رولان نے شوہر پر ثابت کر دیا کہ "اگر مین نے تمھین موقوف کرایا تھا تو مین ہی نے تمھین پھر مقرر بھی کرا دیا"!

اِس کے چند روز بعد وہ زمانہ آیا جب سارا شاہی خاندان مع بادشاہ کے قیدخانے مین تھا۔ اور تخت شاہی عوام کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔ جن سرکش عوام کا زور تھا اُن کی کئی پارٹیان تھین اُنھین مین سے ایک گروہ نے مادام رولان کو یہ تہمت لگائی کہ وہ شاہی خاندان سے سازش رکھتی ہین۔ مکر و فریب سے کوشش کر رہی ہین کہ بادشاہ کو قیدخانے سے نکال کے پھر تخت پر بٹھا دین"! اور لوگون کو اُبھارنا شروع کیا کہ مادام رولان سے اس بیوفائی و مخالفت کا انتقام لین۔ خصوصاً ایک بدمعاش نے جسے مادام رولان نے اپنے پاس سے نکال دیا تھا یہ کہنا شروع کیا کہ "وہ فرانس کے مہاجنون سے مراسلت کر رہی تھین کہ اُن سے روپیہ لے کے بادشاہ کے آزاد کرانے مین صرف کرین"! فرنچ قوم نے اکثر اپنے محسنون کے ساتھ بیوفائی کی ہے۔ یہی قوم تھی جس نے جون آف آرک کی ایسی فرشتہ رحمت دوشیزہ سے

دغا بازی کی تھی - وہی رنگ اب مارینہ رولان کے معاملے میں پھر نمایاں ہوا - اور جو خاتون انکے حقوق دلوانے میں سب سے زیادہ ساعی تھی اُسی کے دشمن ہو گئے -
اس انقلاب کے وقت ان کے شوہر مسیو رولان زمانے کا رنگ بدلا دیکھ کے بھاگ کھڑے ہوئے - اور جاتے وقت اُنھوں نے لاکھ چاہا کہ بی بی کو بھی ساتھ لیتے جائیں مگر بہادر مارینہ نے نہ مانا اور کہا "میں بہادری اور جوانمردی سے ان فتنوں کا مقابلہ کروں گی"۔ شوہر کے چلے جانے کے بعد اُس طوفان بے تمیزی میں جب میڈم رولان پر یہ تہمتیں لگائی گئیں تو بغیر اسکے کہ اُن کی اُن کارگزاریوں کا لحاظ کیا جائے جو آزادی کی طرفداری میں اُنھوں نے کی تھیں وہ قید کر لی گئیں اور چند ہفتے اسیر رہنے کے بعد جوابدہی کے لیے اُس عدالت کے سامنے طلب کی گئیں جو عوام کی طرف سے مخالفوں کی سزادہی کے لیے قائم کی گئی تھی۔ جس وقت یہ قابل اور نیک خاتون ملزموں کے کٹہرے میں لا کے کھڑی کی گئی ایسا انبوہ خلائق تھا کہ معلوم ہوتا کہ ایک خدائی اُمڈی چلی آتی ہے - دشمن غصے میں بھرے تھے اور بڑے طیش سے جھنجلا جھنجلا کے الزام لگاتے تھے کہ میڈم رولان نے جوابدہی میں جادو بیانی شروع کی - فوراً ہر طرف سناٹا ہو گیا - اور کسی نغمۂ دلکش نے کبھی وہ اثر نہ دکھایا ہوگا جو اسوقت اس شیریں زبان و سحر بیان خاتون کے الفاظ دکھا رہے تھے - اپنی اور اپنی ساتھیوں کی براءت میں اُس نے ایسی پُرزور اور فصیح و بلیغ تقریر کی کہ سب کی زبان بند ہو گئی - پیروی مقدمہ کرنے والے وکیل سے کچھ کہتے نہ بنی - تمام حاضرین کے دلوں پر اُس کی بیگناہی نقش ہو گئی - اور حاکم نے جوری سے رائے طلب کی - جوری نے بلا تامل بَری ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا - اور مارینہ رولان کو آزادی دیگئی۔
مگر اس فیصلے نے دشمنوں کے سینوں میں انتقام کی آگ اور بھڑکا دی خصوصاً روبس پیر نام ایک شخص تو اس نیک اور فخر قوم خاتون کے خون ہی کا پیاسا تھا - چند روز پیشتر لوگ اُس شخص کے قتل کے درپے تھے - بھاگا بھاگا پھرتا تھا اور کہیں پناہ نہ ملتی تھی - اُس نازک زمانے میں میڈم رولان اور اُنکے شوہر نے اسے اپنے گھر میں پناہ دے کے بچا لیا تھا - اُس احسان کے بدلے میں وہی کافر نعمت شخص

آج اُن کی جان کا خواہاں ہے - ان مخالفتوں نے کچھ ایسی سازش کی اور ستے الزامات تصنیف کرکے اس طرح پیروی کی کہ میڈم رولان بُری ہو کے گھر تک نہیں پہونچنے پائی تھیں کہ راستے ہی سے گرفتار کرکے پھر قید خانے مین بند کردی گئین۔
اب کی بار وہ کئی مہینے قید خانے مین رہین - مگر قید کی زندگی اُنھون نے عجب غیر معمولی اطمینان و صلاحیت سے بسر کی - افکار و ترددات اور خطرون و اندیشون کی اُنھین جیسے پروا ہی نہ تھی - اپنے اوقات تقسیم کیے - دو ایک گھنٹے انگریزی زبان سیکھنے مین صرف کرتین - کچھ گھنٹے مصوری و نقاشی مین گذرتے - ایک معتدبہ زمانہ مطالعۂ کتب و تمدنی کتابون کی تصنیف مین بسر ہوتا - مگر سب سے زیادہ وقت وہ اپنے ہم الم قیدیون کی خبرگیری - اُن کی تسلی و تشفی اور دلدہی و حوصلہ افزائی مین صرف کرتین - اُنکے پاس جا جا کے اُنھین ہمت دلاتین - جہان تک بنتا روپے پیسے سے اُن کی کفالت کرتین - اور یہ معلوم ہوتا کہ وہ قیدی نہین بلکہ ستم رسیدہ قیدیون کے حق مین ایک رحمت الٰہی ہین - اس زمانے اور قید مین اُنھون نے اپنی بے نظیر و دلکش کتاب "اپیل ٹو پاسٹرٹی" (آنے والی نسل سے اپیل) لکھی جس مین خود اپنے تاریخی حالات اور خیالات اور واقعات قلمبند کیے ہین -
لیکن اُنکے ان نیک کامون کے مقابل دشمنون کا سوا اس کے اور کوئی مشغلہ نہ تھا کہ تمام لوگون کو سازش کرکے اُنکے خلاف کردین - اور جس طرح بنے اُنکے ساتھ دشمنی کرین - آخر اکتوبر ۱۷۹۳ء مین یک بیک وہ پھر عدالت مین بُلائی گئین - اب کی وہ زیادہ سنگین جرائم کے مجرمون کی وضع سے لائی گئین - اور بغیر اسکے کہ اُن کو کچھ بھی کہنے سننے کا موقع دیا جائے عدالت نے سزاے موت تجویز کی - اور حکم ہوا کہ "گلوٹین" سے گلا کاٹ کے اُن کی جان لی جائے - اس حکم کو مادام رولان نے بڑے استقلال - تحمل - بُردباری - اور جوانمردی کے ساتھ سُنا - اور خاموش ہوگئین - مگر چہرے پر جیسے اس حکم سے اور زیادہ بشاشت آگئی خصوصاً جب مشکین باندھ کے قتل گاہ کی طرف روانہ کی گئین تو پیشانی سچائی کے نور سے چمک رہی تھی - رخسارون پر جوش دل کی وجہ سے خون کی سرخی نمایان تھی -

اور گویا اپنی اس بیگناہی کی موت پر خوش تھین۔

راستے مین اتفاق سے "آزادی" کی اُس فرضی مورت کا سامنا ہو گیا جو فرانسیسیون نے پیرس مین بنا کے سر راہ قائم کر رکھی ہے۔ اُس پر جو نظر پڑی تو مادام رولان بے اختیار اُس کی طرف توجہ کر کے بولین "او آزادی! تیرا نام لے لے کے لوگ کیسے کیسے جرائم کے مرتکب ہو رہے ہین! اور تیرے نام کی کیسی تضحیک ہوتی ہے!" کہتے ہین کہ جب قتلگاہ مین پہونچ گیئن تو اُنھون نے قلم دوات کاغذ مانگا تاکہ اُسوقت جو خیالات اُن کے دل مین گذر رہے تھے اُن کو قلمبند کر دین۔ مگر اس سے انکار کیا گیا۔ اور بغیر کچھ کہے سُنے اُن کا گلا کاٹ دیا گیا۔ اور افسوس کہ اپنے وہ قیمتی خیالات وہ اپنے ساتھ ہی لے گیئن۔

قتل کے وقت اُنکی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ اُن کے مارے جانے کی خبر مفرور شوہر کو ہوئی تو کچھ ایسا دل ٹوٹ گیا کہ چند ہی روز بعد وہ بھی مر گئے۔ اور مرنے کے بعد اُن کی جیب مین لوگون کو ایک کاغذ ملا جس مین لکھا تھا "اپنی بی بی کے مرنے کے بعد مجھ مین اتنا صبر نہین کہ اس پُرفتن اور گناہون سے بھری دنیا مین زندہ رہون۔"

عفرا بنت مہاصر

یون تو "عشق انسان کے آب و گل مین ہے"۔ اور کوئی سرزمین نہین جہان حُسن و عشق نے طرح طرح کے کرشمے نہ دکھائے ہون مگر جتنے نامی گرامی عشاق اور اُنھین کے مذاق کی پاکباز و نیک سیرت معشوقائین سرزمین عرب نے پیدا کی ہین۔ غالباً کوئی اور ملک نہ پیدا کر سکا ہو گا۔ اور عرب مین بھی بنی عذرہ کا زندہ دل قبیلہ جس کے مردون کا عشق اور عورتون کا حُسن و جمال صدیون تک دُنیا سے اسلام کا ادبی مشغلہ رہا ہے۔ اور آج تک ضرب المثل ہے۔ اسی مقدس سرزمین اور اسی صاحبدل قبیلے کی ایک عدیم المثال معشوقہ "عفراء" تھی جس کے عشق کی حسرت آلود داستان ہم آج اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہین۔ یہ عفراء بنی عذرہ کی ایک پرورش ناز نین تھی جو حُسن و جمال۔ ادب و کمال۔ اور نیز فصاحت و بلاغت مین

انتخاب۔ اور شعر گوئی و ناز کخیالی کے ساتھ عصمت و پاکدامنی میں اعجوبۂ روزگار تھی۔ اس ماہوش نازنین کے باپ تین بھائی تھے۔ اول تو خود اُس کا والد جن کا نام مہاصر تھا۔ دوسرا حزام۔ اور تیسرا سعید۔ عفرا دو ہی تین سال کی بچی تھی کہ اُسکے چچا حزام نے سفر آخرت کیا۔ اور چار پانچ برس کے ایک یتیم بچے عروہ کو چھوڑ گیا جسے بھائی کے مرنے پر عفراء کے والد مہاصر نے اپنے آغوش شفقت میں لے لیا۔ اور اپنے گھر میں رکھ کے پالا پرورش کیا۔ اُسی زمانے میں اُس کے دوسرے چچا سعید غالباً اپنے سسرالی تعلقات کی وجہ سے شمالی عرب کے مشہور شہر بلقا میں جا کے اقامت گزین ہو گئے۔ اور اُن کا ایک نوعمر لڑکا اثال بھی اُنکے ساتھ گیا۔ غرض بنی عذرہ کے سرزمین میں اکیلا مہاصر رہ گیا جو اپنی بیٹی عفراء کے ساتھ یتیم بچے عروہ کو بھی پال رہا تھا۔

یہ زمانہ خود حضرت سرور کائنات علیہ السلام کا تھا جبکہ اکثر قبائل عرب دین اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور صحابۂ کرام کا عہد ہونے ہی کی وجہ سے عفراء کے واقعات اس بات کا آئینہ ہیں کہ اُس خیر القرون کا عشق بھی کس قدر سچا۔ کتنا گہرا۔ اور کیسا پاکبازی و پاکدامنی کا تھا۔ اسی آغاز اسلام کے آغوش میں عفراء اور عروہ ایک گھر میں رہتے۔ ساتھ اُٹھتے بیٹھتے۔ اور کھیلتے کودتے تھے۔ بچپن ہی کے اُنس نے دونوں کے دلوں میں محبت کی شمع روشن کر دی۔ اور اُسکی لَو اندر ہی اندر اس قدر بڑھی کہ بلوغ کے ساتھ ہی وہ بچپن کی سادی اور بے غرض محبت بھی دنیا کا ایک یادگار عشق بن گئی۔ لیکن چونکہ دونوں ساتھ رہتے اور دولت وصال سے شادکام تھے اس لیے ابھی تک دونوں سادے دلوں میں سے ایک بھی فراق کی سختیوں سے آشنا نہ تھا۔ اور آگاہ نہ تھے کہ عشق میں کیا ہوتا ہے۔

جوش محبت نے جب زیادہ بیتاب کیا تو عروہ نے عرب کے سادے مذاق و رواج کے مطابق چچا مہاصر کے پاس جا کے سعادتمندی کے آداب اور شرم کے لہجے میں کہا "آپ عفراء کی شادی میرے ساتھ کر دیتے تو بڑی عنایت ہوتی"۔ چچا نے خوش ہو کے جواب دیا "ہاں بیٹا۔ عفراء تمہاری ہی دولھن ہو گی۔ تمہارے سوا اور کس کی ہو سکتی ہے؟" اس وعدے نے عروہ کے دل میں خدا جانے کیسی کیسی

آرزوئیں پیدا کر دیں - وفور مسرت ضبط کے درجے سے گذر گیا - جا کے عفراء کو خبر کی - وہ بھی سُن کے بہت خوش ہوئی - اس لیے کہ اُس کے دل میں بھی اگر کوئی تمنا تھی تو اسی بات کی - اب نوخیز علیب و محبوبہ کی صحبتیں پہلے سے زیادہ بامزہ تھیں - اور معمار خیال سامنے کی فضا میں روز ایک نیا عالیشان قصر تعمیر کرتا - اور دوسرے دن بگاڑ کے اُس سے زیادہ شاندار عمارت بنا کے کھڑی کر دیتا تھا -

یہی عالم استغراق تھا - یہی نامرادیاں تھیں - یہی شادکامیاں تھیں کہ عرب کا ایک تاجرانہ قافلہ شام کی طرف چلا جس کے ساتھ مہاصر نے کچھ مال تجارت دیکے عروہ کو بھی روانہ کر دیا - چچا کا حکم تھا - اور وہ چچا جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی کی ساری آرزوئیں تھیں - عروہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا - اور وصل عفراء کے خواب دیکھتا ہوا ارض شام کی طرف چلا -

اتفاقاً مہاصر کے دوسرے بھائی سعید کا بیٹا اُثالہ اس سال ارض بلقاء سے بعزم حج حجاز میں آیا تھا - واپسی کے وقت ہی عذرہ میں آ کے چچا کا مہمان ہوا - مہاصر نے اُسے پدرانہ شفقت سے گلے لگایا - عزت کے ساتھ اُتارا - اور جہاں تک بنا اُس کی خاطرداری میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی -

اُثالہ ایک دن چچا کے خیموں کے سامنے صحن میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفراء کسی کام کے لیے اپنے خیمے سے نکلی اور لپک کے دوسرے خیمے میں ہو رہی - سبز ریشمی ساڑی[1] باندھے تھی - ہاتھ میں گھی کی میٹا تھی - اور عنفوان شباب کے البیلے پن سے معلوم ہوتا تھا کہ عورت نہیں بلکہ ایک مست خرام ہرنی تھی کہ اپنی چھب دکھا کے سامنے سے نکل گئی -

عفراء کی اُس وقت کی وضع و حالت - نازنینی و نازآفرینی - اُٹھتی جوانی - آغاز شباب کی رعنائی اور پھرتی اُثالہ کے دل پر کچھ ایسا اثر کر گئی کہ بے اختیار دل ہاتھ سے نکل گیا - اور اُسی دن شام کو اُس کے لیے چچا کو پیغام نکاح دیدیا - مہاصر اگرچہ عروہ سے وعدہ کر چکا تھا مگر پھر بھی بے باپ کا بیٹا غریب عروہ اُس کا دست نگر -

[1] ازار عرب میں مرد و عورت دونوں کا لباس تھی - جناب مولوی صاحب معاف فرمائیں یہاں تہمت کے عوض میں ساڑی کا لفظ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے -

اور مفلوک الحال تھا۔ اور اُثالہ کی حالت بظاہر درست تھی۔ دولتمند معلوم ہوتا تھا اور زیادہ مہر دینے کو تیار تھا۔ اُثالہ کی دولتمندی کے مقابل اُسے عروہ کی محبت بالکل بھول گئی۔ اُس غریب کی دلشکنی کا کچھ خیال نہ کیا اور فوراً اُثالہ کی درخواست قبول کر لی۔

عفراء بے زبان لڑکی۔ اگرچہ دل و جان سے عروہ پر شیدا تھی مگر باپ کے حکم میں کیا چون و چرا کر سکتی تھی؟ راضی برضا ہو کے اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر دیا اور جب باپ نے اُثالہ کے ساتھ عقد کیا تو بے عذر ہونکاری بھر دی۔ اُثالہ نے فوراً مہر ادا کیا۔ عفراء کو اُسکے گھر اور قبیلے سے رخصت کرا کے اپنی اعلیٰ درجے کی سبک خرام سرخ سانڈنی پر محمل میں بٹھایا۔ اور اپنے گھر لیچلا۔

ادھر سے یہ برات اور محمل عفراء جا رہی تھی اور اُدھر سے عروہ کا قافلہ آ رہا تھا۔ چچا زاد بھائی اور سامان عروسی کو دیکھ کے دل دھک سے ہو گیا۔ بدحواسی سے محمل کی طرف دیکھ رہا تھا کہ کسی دوست نے جو ناقۂ عفراء کے ساتھ تھا پاس آ کے کہا "دیکھتے کیا ہو؟ اُثالہ کے ساتھ عفراء کی شادی ہو گئی۔ اور وہ اُسے رخصت کرا کے اپنے گھر لیے جاتا ہے۔" یہ آواز نہ تھی ایک بم کا گولہ تھا جو محبت بھرے سینے پر آ کے گرا اور شیشۂ دل جس میں محبت کا گلاب بھرا ہوا تھا چکنا چور ہو گیا۔ گھبرا کے اونٹ سے کودا۔ محمل عفراء کی طرف دوڑا۔ اور قریب پہونچتے ہی بے اختیار زبان سے نکلا "آئیں! عفراء تم جاتی ہو؟" عفراء نے محمل سے جھانک کے دیکھا۔ دونوں حسرتناک آنکھیں چار ہوئیں! مایوس نگاہیں دوڑ کے تپاک سے ملیں ملتے ہی الگ ہوئیں۔ اور ایک دوسرے کو عجب یاس و ناامیدی سے دیکھ رہے تھے۔ زبانیں خاموش تھیں مگر نگاہیں سرگوشیاں کر رہی تھیں۔ ادھر سے یہ سوال تھا کہ "یہ بے مروتی!" اُدھر سے جواب تھا "کیا کریں بے بس ہیں!" اتنے میں محمل آگے بڑھ گئی۔ اور مایوس و دل شکستہ عروہ میں اتنی بھی قوت نہ تھی کہ ناقۂ جانان کا دو قدم ساتھ دے۔

اب عروہ مایوس و نامراد۔ بیتاب و بیقرار گھر میں آیا۔ خاموش تھا اور مغموم۔ بے آس تھا اور ملول۔ غذا ترک ہو گئی۔ نیند اُڑ گئی۔ اور دوسرے ہی

وہ ان شدت سے بیمار پڑھ آیا۔ چند روز مین پوست و استخوان رہ گیا۔ ماں تیمارداری کرتی اور قسمین دلا دلا کے کہتی کہ کچھ کھا لو" مگر یہان مفتی عشق نے غذا حرام کر دی تھی کھاتا تو کیونکر؟ آخر یہ حالت ہوئی کہ جینے کے لالے پڑ گئے - اور سب کو یقین ہو گیا کہ چند ہی روز کا مہمان ہے۔ یہ حالت دیکھ کے چچا مہاصر اور اہل قبیلہ سوچنے لگے کہ کہاں لے جائین؟ اور کس کا علاج کرین؟

مگر اس بیقراری کے ساتھ عروہ مین ضبط بھی اس بلا کا تھا کہ دنیا مین بہت ہی کم دیکھا گیا ہے۔ آج تک کسی کو اپنے درد دل کی خبر نہ کی تھی۔ کوئی جانتا ہی نہ تھا کہ یہ مرض کیسا ہے؟ اور یہ اُلجھن اور بیقراری کس بات کی ہے۔ اُدھر کسی کا وہم و گمان بھی نہ تھا کہ عفراء کے فراق کا آزار ہے یا یہ عشق کا مرض ہے۔ چچا نے دوا درمان مین بہت کوشش کی۔ مگر "مرض بڑھتا گیا جو جو دوا کی"۔ افاقے کی کوئی صورت نہ نظر آتی تھی اور زندگی سے یاس ہوتی جاتی تھی - آخر سب کی راے قرار پائی کہ یہ مرض نہین۔ یا تو سایہ ہے۔ اور یا کسی نے جادو کر دیا ہے۔ ان چیزون کے علاج مین اُن دنون بنی فلیکہ کے ایک غلام ابو کحلاء رباح بن راشد کی بڑی شہرت تھی جو ارض یمامہ مین رہتا تھا۔ اہل قبیلہ نے کہا "اب سوا اُسکے پاس لے جانے کے کوئی چارہ نہین ہے"۔

اس تجویز کے مطابق لوگ اُسے یمامہ مین لے گئے۔ ابو کحلاء نے دیکھ کر بہت کچھ غور کیا۔ تشخیص مرض مین گول گول سی رائے ظاہر کی۔ اور جھاڑنے پھونکنے کے ساتھ مختلف تدبیرین کرنے لگا۔ مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ تب اُس نے جادو اور بھوت پریت اُتارنے کا سب سے آخری اور زبردست عمل کیا جو اہل عرب مین "صدب" کے نام سے مشہور تھا۔ اور جس کا اُن دنون بہت رواج تھا۔ اس تدبیر کا عملدرآمد یون ہوا کہ عروہ کے سر پر ایک تھالی رکھی گئی۔ اُس مین پانی بھرا گیا۔ اور تھوڑا سا سیسہ آگ مین پگھلا کے اُس مین بجھا دیا گیا۔ پھر اسکے بعد وہ پانی اور وہ سیسے کا چھپکا کہین دُور لیجا کے دفن کر دیا گیا۔ یہ تدبیر ایک نہین کئی بار کی گئی۔ مگر عروہ پر مطلق اثر نہ ہوا۔ جو حالت تھی اُس سے بدتر ہو گئی۔ آخر ابو کحلاء نے عاجز ہو کے کہا "مین نے پہلے بھی یہی خیال کیا تھا اور اب تو تجربے سے قطعی یقین

ہو گیا کہ اس لڑکے کو نہ سایہ ہے۔ نہ اس پر کوئی جن یا بھوت ہے۔ نہ کسی نے جادو کیا ہے اور نہ یہ کسی جسمانی مرض میں مبتلا ہے۔ میرے نزدیک تو یہ کسی پر عاشق ہے۔ عشق کے سوا اور کسی مرض میں یہ بے حسی نہیں ہوتی کہ لاکھ تدبیریں کرو کارگر نہیں ہوتیں۔

یہاں سے بھی جواب مل گیا تو لوگ مایوس ہو کے گھر لے آئے۔ اب مرض کی شدت پہلے سے بدرجہا زیادہ تھی۔ بکتا جھکتا۔ دیوانوں کی طرح اُٹھ کے بھاگتا۔ مجنونوں کی سی حرکتیں کرتا۔ لیکن ضبط کی تعریف کرنا چاہیے کہ مجال کیا جو کبھی بھولے سے بھی کسی کے سامنے زبان پر عفراء کا نام آ گیا ہو۔ آخر ایک دن ایک عجیب طریقہ سے افشائے راز ہو گیا۔ عروہ حاجت ضروری کو قبیلے کے خیموں سے نکل کے ذرا فاصلے پر گیا۔ وہاں قبیلے کے کسی شخص نے اپنے بیٹے سے پوچھا "تم آج کس اونٹنی پر پانی لائے؟" اُس نے کہا "عفراء پر" (جس اونٹنی کا رنگ زرد مٹی کا سا ہوتا ہے اُسے عفراء کہتے ہیں) عفراء کا نام سنتے ہی عروہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کے گر پڑا۔ اس بیہوشی نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ دو ایک دوستوں کو جو دیکھ رہے تھے پتہ لگ گیا۔ اور قبیلے بھر میں شہرت ہو گئی کہ عروہ اپنے چچا کی بیٹی عفراء پر عاشق ہے۔ پھر اسکی تصدیق اس سے اور زیادہ ہو گئی کہ جو جو مرض بڑھتا اور جنون کا جوش ہوتا اُسکی طباعی و خیال آفرینی بڑھتی جاتی۔ خوب خوب فراقیہ نظمیں تصنیف کرتا۔ اور انھیں بڑے ہی جوش سے گا گا کے اور جھوم جھوم کے احباب کو سناتا۔ جن میں ایک نامعلوم محبوبہ پر عشق کا اظہار ہوتا۔

آخر جب زندگی سے بہت عاجز ہوا۔ اور اپنی ماں کے ساتھ تمام ہمدردوں اور تیمارداروں کو بہت ہی پریشان دیکھا تو ایک دن کہنے لگا "یہ جتنی تدبیریں آپ کرتے ہیں سب بے سود ہیں۔ ان سے کچھ نہ ہوگا۔ مجھے اگر نفع ہوگا تو تبدیل آب و ہوا سے۔ میری تندرستی چاہتے ہو تو مجھے شہر بلقاء میں لے چلو۔ وہاں کی آب و ہوا انشاء اللہ مجھے موافق آئے گی۔" سب نے کہا "اچھا یہ بھی کر کے دیکھ لو۔" اور دو چار آدمی اُسے لے کے اُدھر روانہ ہوئے۔ بلقاء کی طرف جو جو بڑھتا مرض کو سکون ہوتا جاتا۔ یہاں تک کہ جب بلقاء کی آبادی میں داخل ہوا تو صرف ضعف باقی

تھا اور کوئی شکایت نہ تھی۔ وہاں ایک مکان جو اثالہ کے مکان سے قریب اور سر راہ تھا اُسے کرایے پر لے کے ٹھہر گیا۔ دن بھر دروازے میں چھپا اور تاک لگائے بیٹھا رہتا۔ اور جب عفراء کام کاج کے لیے گھر سے نکلتی تو اُسکی صورت دیکھ کے دل کو تسلی دے لیتا۔ اثالہ یا عفراء کو اُسکے یہاں آنے کی مطلق خبر نہ تھی اور وہ روز عفراء کے دیدار سے اپنے دردِ دل کا علاج کیا کرتا۔ اب طاقت بھی آگئی۔ خوب توانا و تندرست ہو گیا۔ اور اُسکے ساتھ والے تعجب کر رہے تھے کہ کس قدر جلدی اچھا ہوا ہے؟

ایک دن اتفاقاً گھر سے باہر نکلا۔ راہ میں ایک بد طینت عذری شخص یعنے اپنے قبیلے والے سے ملاقات ہو گئی جو اُس کے حالات اور عشق عفراء سے واقف تھا۔ عروہ سے چند باتیں کرکے وہ سیدھا اثالہ کے پاس گیا۔ اور کہا "یہ کمبخت بدمعاش عروہ یہاں کب آیا؟ میں تو آج اُسے یہاں دیکھ کے حیران ہو گیا۔ یہ ہمارے قبیلے کو بدنام کرتا ہے۔ آپ کی بی بی کا عاشق بنا ہے۔ اور اُن پر اپنے اشعار میں اظہارِ عشق کرتا ہے"! اثالہ اپنی ذات سے نہایت ہی نیک نفس۔ خلیق۔ اور شریف مزاج نوجوان تھا۔ یہ سُن کے اُس شخص کو تو یہ جواب دیا کہ "میں نے عروہ کے آنے کا حال آج تمھیں سے سُنا ہے۔ جانتا بھی نہیں کہ کہاں ہے اور کب آیا؟ اور یہ جو سخت درشت الفاظ تم نے اُس کی نسبت استعمال کیے ہیں سچ تو یہ ہے کہ اُس سے زیادہ وہ تمھیں پر صادق آتے ہیں۔ کیوں ایک بیگناہ کو بدنام کرتے ہو؟"

وہ عذری شخص تو اس جواب پر نادم ہو کے چلا گیا۔ اور اثالہ نے گھر میں یہ واقعہ اپنی بی بی عفراء سے بیان کیا۔ اس کے بعد ہی وہ عروہ کی تلاش میں نکلا۔ بڑی جستجو سے پتہ لگایا۔ فوراً جا کے ملا۔ اور بڑے اخلاق سے کہا "مجھے آپ سے شکایت ہے کہ یہاں آئے اور بجائے اس کے کہ میرے مہمان ہوتے دوسری جگہ ٹھہرے؟" عروہ سے اس کا کچھ جواب نہ بن پڑا۔ اور اثالہ نے اصرار شروع کیا کہ اسی وقت میرے یہاں اسباب اُٹھا لے چلیے"! اور عروہ نے ہزار عذر کیا ایک نہ سُنی۔ آخر جب عروہ نے دیکھا کہ اثالہ اصرار ہی کیے جاتا ہے اور کسی طرح نہیں مانتا تو کہا "اچھا آپ چلیے میں تھوڑی دیر میں اُٹھ آؤں گا"۔ اثالہ نے اُس کا

شکریہ ادا کیا۔ اور مضبوط وعدہ لے کے اپنے گھر واپس گیا۔

اُس کے جانے کے بعد عروہ نے دل میں کہا "افسوس! عفراء کا دیدار بھی قسمت میں نہیں۔ اُثالہ کے گھر میں کس منہ سے جاؤں؟ اور اب عفراء سے ملنے کا مجھے کیا حق ہے؟ تقدیر نے مجھے اس قابل ہی نہیں رکھا کہ اُس سے ملوں یا اُس کے گھر میں جا کے ٹھہروں۔ مجبور ہو کے میں نے اُثالہ سے وعدہ تو کر لیا۔ مگر میں وہاں جانے کے لائق نہیں۔ بس اب کوسے جانان کو وداع کہنا ہی ٹھیک ہے" یہ سوچ کے اُٹھتے ہی اسباب اُٹھا اونٹ کسا۔ اور بے کسی کو خبر کیے گھر کی راہ لی۔

شہر بلقاء کو چھوڑتے ہی پھر بیمار ہو گیا۔ اور جو جو آگے بڑھتا تھا مرض کی شدت بڑھتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ راستے ہی میں ایسی غیر حالت ہوئی کہ سفر دشوار ہو گیا۔ وطن ابھی کئی منزل آگے تھا۔ مگر سفر کرنا غیر ممکن تھا۔ شام کو "وادی القرے" میں مجبوراً ٹھہر گیا۔ اور دو ہی چار روز میں فراق کے مسموم خنجر کا گھائل ہو کے مر گیا۔ ساتھ والوں نے اُس غریب الوطن کی حسرتناک موت پر دو آنسو بہا کے آغوش لحد کے سپرد کیا۔ اور گھر جا کے اُس کی اس بد نصیبی کی داستان لوگوں سے بیان کی۔ جہاں سے یہ واقعہ تمام قبائل میں پھیلتے پھیلتے ارض بلقاء میں پہونچا۔ اور عفراء کے گوشگذار ہوا۔

اُس شکستہ خاطر نازنین نے جیسے ہی یہ واقعہ سُنا دل چاک چاک ہو گیا۔ اگرچہ خوبصورت چہرے پر معصومانہ متانت اور برگ گل کے سے نازک لبوں پر ابدی کی مہر خاموشی ویسی ہی قائم تھی۔ مگر دل کی بیتابی ضبط پر غالب آنے لگی۔ گھبرا کے شوہر سے کہا "عروہ جیسا میرا عزیز تھا ویسا ہی آپ کا بھی تھا۔ لیکن بچپن میں مدتوں میرا اُس کا ساتھ رہا اور ہم دونوں میں بڑی محبت تھی جس سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اور اندازہ کر سکتے ہیں کہ مجھے اُسکے مرنے کا کتنا بڑا صدمہ ہوا ہو گا۔ آپ کا بڑا احسان ہو گا۔ مجھے اتنی اجازت دیجیے کہ وادی القری میں اُس کی قبر پر دو آنسو بہا کے فاتحہ پڑھ آؤں" شوہر نے کہا "شوق سے جاؤ۔ اور میں تمھیں خوشی سے اجازت دیتا ہوں"

اجازت پاتے ہی عفرا اپنی محمل مین سوار ہوئی - اور وادی القریٰ کا راستہ لیا - وہان پہونچ کے عروہ کی قبر پر گئی - محمل سے نکل کے اور ناقے کی پیٹھ سے اُتر کے روتی پیٹتی قبر پر گری اور لوٹنے لگی - پھر اُٹھ کے بین اور مرثیے کے وہ اشعار رو رو کے پڑھے جو اُس کے غم مین کہے تھے - جب اُنھین بار بار پڑھ کے تھکی تو پھر دیر تک روتی - آہ و فغان و زاری کھینچتی اور بین کرتی رہی - یہان تک کہ پھر بیتابی کا جوش ہوا - دوبارہ قبر پر گری - اُس سے خوب لپٹ لپٹ کے روئی - اور روتے روتے تڑپ کے جان دیدی - جو لوگ ساتھ آئے تھے دیکھ کے حیران رہ گئے - اُنھین بڑا ہی صدمہ ہوا - مگر کیا کرتے ؟ قبر کھودی - عاشق جانباز کے پہلو مین اُسے بھی لٹایا - اور اوپر سے مٹی برابر کر کے گھر واپس گئے -

اس واقعے کی تمام قبائل مین شہرت ہوئی - اور دُور دُور سے لوگ ان قبرون کی زیارت کے لیے آنے لگے - چند مہینون کے بعد کیا دیکھتے ہین کہ دونون قبرون سے دو نئی قسم کے درخت نکلے ہین جنکی نسبت کوئی نہین کہہ سکتا تھا کہ کس چیز کے درخت ہین - پھر بڑھتے بڑھتے وہ قد آدم بلندی کو پہونچے - اور اس کے بعد اُنکی شاخین دونون طرف سے جھک کے ایک دوسرے سے مل گئین - بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ دو عاشق صادق ایک دوسرے سے بغلگیر ہین - ان درختون کی لوگون مین بڑی شہرت ہوئی - ہزارون خلقت نے آ آ کے دیکھا - اور بہت سے شعرا نے اُنکی اس عاشقانہ ہم آغوشی پر طبع آزمائیان کین اور خوب خوب اشعار کہے جو آج تک ادب کی کتابون مین موجود ہین -

ان دونون سچے عاشقون کی وفات ۳۲ھ مین ہوئی جبکہ حضرت عثمان رضؓ ذی النورین کی خلافت کا آغاز تھا - اور اسی سال آپ نے قرآن مجید کی تدوین و ترتیب کا کام شروع فرمایا تھا - عفرا ۱۰ - شوال کو دنیا سے رخصت ہوئی - اور عروہ چند روز پہلے سفر آخرت کر چکا تھا -

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے کے بعد یہی پہلے عاشق عرب ہین جنھون نے اُس عہد کی تمام ترقیون - اُولوالعزمیون - اور دولتمندیون کو اپنے عشق پر قربان کر دیا -

ماءالسماء

زبان عرب میں اس کے معنی مینھ کے پانی کے ہیں جو آسمان سے برسا کرتا ہے مگر جس "ماءالسماء" سے ہم بحث کرنا چاہتے ہیں وہ جاہلیت عرب کی ایک حسین و صاحب جمال خاتون تھی۔ اہل عرب کی لطافت و خوبی مذاق اور شگفتگی فطرت کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ ایک حسین و نازآفرین باعفت و عصمت نازنین اور اچھوتی عورت کو "مینھ کے پانی" کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ یہ پانی لطیف و پاکیزہ شیریں و خالص۔ اور پاک و صاف ہوتا ہے۔ اور چونکہ نیا نیا آسمان سے آتا ہے اس لیے اسکو ابھی تک کارگر قدرت کے سوا کسی مخلوق کا ہاتھ نہیں لگا ہوتا ہے۔ ایک پاکدامن حسینہ کی اس سے اچھی کیا تعریف ہو سکتی ہے؟

شاہان عراق جو "نعمان" کہلاتے تھے اور جن کی سطوت و دولت کے افسانے ہر عرب زادہ مسلمان بچے کی زبان پر تھے جن کی مدح سرائی میں نامور شعرائے عرب رطب اللسان رہا کرتے تھے۔ سب اس خاتون کی نسل سے تھے۔ اور اسی وجہ سے جاہلیت عرب کی تاریخ میں اس خاتون کا نام بار بار آیا کرتا ہے۔ اور عرب اُس کی ذات کو اپنے قدیم الایام کے مفاخر میں سمجھتے ہیں۔

سب تسلیم کرتے ہیں کہ اُس سے زیادہ صاحب حسن و جمال۔ فصیح و بلیغ۔ اور خوش بیان و خوش نہاد کوئی خاتون جاہلیت عرب میں نہیں گذری تھی۔ یہاں تک کہ کہتے ہیں اس کے صفات حسنہ کی کوئی حد و نہایت نہ تھی۔ اور کوئی انسانی خوبی نہیں جو اُس کی ذات میں موجود نہ ہو۔

اسی قدر نہیں۔ ساسانی دربار عجم میں بھی اُس کی بڑی قدر و منزلت کی جاتی تھی۔ خسروان ایران اُس کی اتنی عزت کرتے تھے کہ دربار میں کسی کی اس قدر عزت و آبرو نہ تھی۔ شاہزادان آل ساسان کے حرم میں وہ بڑی حرمت و عزت کے ساتھ بلائی جاتی۔ اور حرم سرائے خسروان فارس میں کوئی عورت نہ تھی جو اُس کی دلدادہ اور گرویدہ نہ ہو۔ خسروان عجم کی نگاہیں اُس کے پاس اعلیٰ درجے کے تحفے اور ہدیے بھیجا کرتی تھیں۔ کبھی قیمتی جواہرات اور زیور بھیجے ہیں۔ کبھی کوئی سونے کا مرصع و مکلل تاج

بھیجتی تھین۔ جس سے مشرقی و شمالی عرب کی عام عورتون کا خیال تھا کہ اپنی اس عدیم
المثال خاتون پر ہمین کو ناز نہین بلکہ ایران کی مہذب و شایستہ بیگون اور ساسانی
گھرانے کی تربیت یافتہ ملکاؤن کو بھی فخر ہے۔ اور اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتی ہین۔ اگرچہ
تمدن اور تہذیب کی نفاستون اور ادبی و معاشرتی خوبیون مین وہ اپنے سامنے کسی
قوم کی عورتون کی کچھ بھی وقعت نہ سمجھتی تھین۔

عراق کی عربی سلطنت کی بنیاد اسی سے پڑی تھی۔ اور اپنی حکمت عملی سے اُسنے عرب کے بڑے بڑے سرکشون کو مغلوب کر کے اپنے قدمون پر گرا لیا۔ ایران کی ساسانی سلطنت سے تعلقات بڑھا کے اپنی سلطنت کی بنیاد مضبوط کی۔ اور خود مسر شاہنشاہان عجم سے کچھ ایسی حکمت عملی کا برتاؤ رکھا کہ اُنکو اپنا دوست بھی رکھا۔ اور وقتاً فوقتاً اُن پر اپنا دباؤ ڈال کے یہ بھی باور کرا دیا کہ دولتِ ساسانی کو اُسکے راضی رکھنے کی جس قدر ضرورت ہے اُس قدر ضرورت اُسے تاجداران عجم کے راضی رکھنے کی نہین ہے۔

اسکے ساتھ اُس نے اپنے فرزندون کو ایسی تعلیم دی کہ اُن مین عربی شجاعت کے برقرار رہنے کے ساتھ عجمی آداب اور تہذیب پیدا ہو جائین۔ صحرائے عرب مین گشت لگاتے وقت وہ شیر بیشہ ہون تو فارس کے مرغزارون مین بلبل نغمہ سنج کے ہم داستان۔ اُن مین ایک اعلیٰ معاشرت کی خوبو پیدا ہو۔ اور مہذب ترین دربارون اور محفلون سے آشنا ہو جائین۔ غرض "ماء السماء" کی تعلیم ہی تھی جس نے ارض عراق مین ایک ایسا عربی شاہی دربار قائم کیا۔ جو ایک طرف تو قبائل عرب کو اپنے زیر اثر رکھتا تھا اور دوسری طرف دربار عجم سے تمدنی و معاشرتی علائق برقرار رکھتا۔ اس خاندان کے تاجدار اپنی بانیہ کی برکتون سے بہادران عرب کے مقابلے مین بہادر و جوانمرد تھے۔ اور معززین عجم کی محفل طرب مین اعلیٰ درجے کے بذلہ سنج و خوش مذاق۔ اور فنون لطیفہ کے ماہر و قدردان۔ ایک طرف قبائل عرب مین تک جاکے اُن کی تعریف کے قصیدے گاتے اور اُن کی شوکت و حشمت کے افسانے بیان کرتے۔ اور دوسری طرف دربار عجم اُنکو اپنا قوتِ بازو۔ ہر پولیٹکل دشواری مین اپنا شریک حال اور اپنا ممد و معاون سمجھتا۔

دربار حیرہ کی ناموری دراصل اُسی پالیسی کی کامیابی تھی جسے ہی ملکہ "ماء السماء"

قائم کرکے اپنے فرزندوں کو اُس پر عمل کرنے کی ہدایت کر گئی تھی۔ "اسماء" کی یہ برکت و کرامت ظہور اسلام کے وقت تک اپنی پوری قوت کے ساتھ موجود تھی۔ یہاں تک کہ اسلام نے نمودار ہو کے ساری سرزمین عرب کے نشیب و فراز برابر کرکے کل قبائل و اشخاص کو یکسان کر دیا۔ اور ایک ایسی جمہوری سلطنت قائم کی جسکو نہ قوموں سے تعلق تھا نہ اشخاص سے۔

اُم جعفر بنت عبداللہ بن عرفطہ

مدینۂ طیبہ کے نامور قبائل اوس و خزرج تھے۔ جنھین دستگیری رسالت کے صلے مین انصار کا واجب الاحترام لقب ملا۔ انھین دونون مین سے اول الذکر قبیلۂ اوس کی ناموری اور قابل فخر یادگار یہ پاکدامن خاتون تھی جو تابعین کے زمانے مین نہایت ہی عزت و حرمت کی نظر سے دیکھی جاتی۔ اُس کی فراست و دانائی۔ ذہانت و طباعی۔ خوش سلیقگی و تمیز داری اور عصمت و آبرو کا سکہ تمام سرزمین عرب کے دلون پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اسی شہرت و نمود کی بدولت یہ ناگوار نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس عہد کا نامور شاعر عرب احوص اُسکے روے زیبا کا عاشق و دیوانہ بن کے اپنے اشعار مین اُس پر اظہار عشق کرنے لگا۔

شعراے عرب ہمارے اُردو کے شاعرون کی طرح کسی گمنام اور خیالی و وہمی معشوق کے دلدادہ نہین ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی مہ جبین پر عاشق ہو جاتے اور اسی کے عشق مین اپنی بیتابیان اور بیقراریان اپنے اشعار مین ظاہر کیا کرتے۔ چنانچہ اسی سنت شاعری کے بجا لانے کے لیے میان احوص اس باعصمت خاتون کے شیدا بن گئے۔ اور اس مضمون کے اشعار کہہ کہہ کے لوگون مین پھیلانے لگے کہ اُم جعفر فلان مقام پر مجھ سے ملی۔ اُس نے یہ کہا۔ اور مین نے یہ جواب دیا۔ اُس نے یہ دلستان ادا سے ناز دکھائی اور مین نے اس انداز سے اظہار شیفتگی کیا۔

یہ اشعار عوام و خواص مین پھیلے۔ اور سب کو روز بروز یقین ہوتا جاتا کہ اُم جعفر اور احوص مین کوئی اندرونی تعلق ضرور ہے۔ اُم جعفر ان اشعار کو سُن سُن کے اپنی بوٹیان نوچتی۔ رسوائی و بدنامی پر اشک خون بہاتی۔ مگر احوص کو

ذرہ برابر پروا نہ تھی۔ کوئی بدنام ہو۔ رسوا ہو۔ اُن کی بلا سے۔ اُنھین اپنی شاعری اور طبع آزمائی سے مطلب تھا۔ آخر اُم جعفر کے بھائی ایمن کو طیش آ گیا۔ جن کی یکدائی وراستبازی کے ساتھ اُس کی مجبوری و بے بسی اور مفت کی رسوائی و بدنامی نہ دیکھی گئی۔ احوص کو ڈرایا دھمکایا۔ اس بیہودگی پر تہدید کی۔ اور کہا "اگر ابکی تم نے اپنے اشعار مین اُم جعفر کا نام لیا تو مین زبان شمشیر سے جواب دون گا۔" احوص جو شاعری کی بدولت بڑے بڑے دربارون مین ہو پہنچتا اور صاحب اثر معززین و امرا سے ملتا تھا ایسی دھمکی کو بھلا کیا خطرے مین لاتا؟ ایمن کے چڑھانے کو عشق بازی و شاعری مین اور زیادہ جوش دکھانے لگا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ مدینۂ طیبہ کے حاکم کو جس کی حکومت مین دونون حریف رہتے تھے اطلاع ہوئی۔ اُس نے رفع فساد کے خیال سے ایمن اور احوص دونون کو بلا کے سمجھایا اور کوشش کی کہ کسی طرح یہ جھگڑا موقوف ہو جائے۔ مگر کسی نے سماعت نہ کی۔ تب اُس نے مذاق کے طریقے سے یہ حرکت کی کہ ایک لمبی سی رسی منگوا کے اُس کا ایک سرا ایمن کی کمر مین باندھا اور دوسرا احوص کی کمر مین۔ پھر دونون کے ہاتھون مین ایک ایک کوڑا دیا اور کہا "دونون اس کوڑے سے خوب جی بھر کے لڑو۔ دیکھون کون غالب آتا ہے۔ جو غالب آئے گا مین اُسی کا طرفدار ہون۔" اس حکم کے مطابق دونون نے ایکدوسرے پر خوب خوب کوڑے پھٹکارے آخر احوص ایمن کے کوڑون کی تاب نہ لا کے بھاگا۔ اور ایمن اُسی رسی مین بندھا ہوا اُس کے پیچھے دوڑا۔ برابر ڈانٹتا ڈپٹتا۔ رگیدتا اور کھدیڑتا جاتا تھا۔ اور کوڑے پر کوڑا رسید کرتا تھا۔ احوص پر جب زیادہ مار پڑی۔ اور کسی طرح ایمن کے کوڑون سے چھٹکارا نہ ہوا تو رسی تڑا کے بدحواس بھاگا اور غائب ہو گیا۔

اہل عرب مین بزدلی بہت بڑا عیب ہے۔ خصوصًا شاعرون کے لیے جو رجز خوانی مین اپنی بہادری کے بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے۔ اس واقعے نے احوص کو نہایت ہی بدنام کر دیا۔ جدھر جاتا لوگ توہین و تحقیر کرتے۔ بعض حریف شاعرون نے اسی بنا پر ہجوین کہ ڈالین۔ سائب بن عمرو شاعر نے اس بھاگنے پر اپنے اشعار مین اُسے سخت نفرین کی اور بے انتہا ذلیل کیا۔ احوص نے غصے اور ناکامی مین انتقام لینے کے طرز پر غریب اُم جعفر کو اور زیادہ بدنام کرنا شروع کیا۔ اور اُس کے عشق مین پہلے سے زیادہ

بیقراریان ظاہر کرنے لگا۔ اسی قسم کے اشعار کہتا اور دشمن کے خوف سے بھاگا بھاگا پھرتا۔ یہان تک کہ اپنی تھک کے بیٹھ رہا۔ اور عفت پناہ ام جعفر اور زیادہ ستائی اور دھڑنے سے بدنام کی جانے لگی۔ غریب گھر مین پڑی پڑی روتی۔ اور آبرو بچانے کی کوئی تدبیر ذہن مین آتی۔

اس کو چند روز گذر گئے۔ اور احوص کو اطمینان تھا کہ اب میرا کوئی کچھ نہین بگاڑ سکتا۔ اسی اثنا مین ایک دن وہ سر راہ بہت سے دوستون اور شرفا و معززین کی محفل عام مین بیٹھا تھا کہ ایک برقع پوش عورت آئی۔ اور لوگون سے پوچھا "یہان احوص ہین؟" لوگون نے احوص کی طرف اشارہ کر کے بتایا "یہ کیا بیٹھے ہین۔ جو کہنا ہو کہو۔" یہ سُن کر عورت نے احوص کی طرف متوجہ ہو کے کہا "آپ کو وہ بکری لیے مدت ہو گئی۔ مگر دام آج تک نہین دیے۔ آخر کب دیجیے گا؟"

احوص: "بکری کیسی؟ نہ مین نے کسی سے کوئی بکری لی۔ اور نہ میرے ذمے کسی کا کچھ باقی ہے۔"

عورت: "خوب! یہ امید نہ تھی کہ آپ مُکر جائین گے۔ غنیمت ہوا کہ مین نے لکھوا لیا تھا۔ لیجیے وہ تحریر بھی موجود ہے جو آپ نے بکری لیتے وقت دی تھی۔" یہ کہہ کے اپنے ایک کاغذ برقع مین سے نکال کے اُسکے ہاتھ مین دیا۔ اور بولی "اب بھی آپ انکار کیجیے گا؟"

احوص (کاغذ پر غور کر کے) "یہ تحریر بھی میری نہین ہے۔ تمھین کسی اور کا دھوکا ہوا ہے۔"

عورت: "دھوکا! اسے آپ نے بکری لی۔ یہ کاغذ لکھ دیا۔ اور آج اس بیباکی سے مکرے جاتے ہین کہ مجھے تعجب معلوم ہوتا ہے۔"

احوص (بگڑ کے) "خدا جانے کس سے یہ کاغذ لکھوا لائی ہے۔ اور خواہ مخواہ مجھ کو لیے مرتی ہے۔ مین کچھ نہین جانتا۔ ایک ٹکا بھی نہ دون گا۔ مین ایسے فقرون مین نہین آتا۔"

عورت۔ (پیشانی پر ہاتھ مار کے) "ہاے میری قسمت۔ مفلس و نادار ہون اور کوڑی کوڑی کو محتاج۔ امید تھی کہ ان سے بکری کے دام ملین گے اور دو چار روز کٹ جائین گے۔ مگر انھون نے یہ بھی جواب دیدیا۔ گر میری یہ تھوڑی سی رقم مار لینے سے آپ کا بھلا ہو جائیگا

یہ کہہ کے زار و قطار رونے اور سر پیٹنے لگی - اور دیگر حاضرین کی طرف خطاب کرکے کہا "لوگو تمھیں انھیں سمجھاؤ - کہ مجھ دکھیا کو نہ ستائیں"۔ پھوٹ پھوٹ کے روتی اور ایک ایک کی خوشامد کرتی تھی کہ "آپ ہی کہہ سن کے دلوا دیجیے"۔

ایک جوان اور خوبصورت مصیبت زدہ کے رونے پر سب کو ترس آ گیا - اور سب احوص کو سمجھانے لگے کہ "بکری لی ہے تو دام دے دیجیے - غریب کے ستانے سے کیا فائدہ؟"

احوص (بہت بگڑ کے) "آپ لوگ خواہ مخواہ بیچ میں پڑتے ہیں - یہ اس کے فیل ہیں - میں خدا کی قسم جانتا بھی نہیں کہ یہ کون بلا ہے"۔

اب اس عورت کے شور و ہنگامے - حریفان صحبت کے سمجھانے سمجھانے اور احوص کے بار بار انکار کرنے کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راہگیر بھی بھیڑ لگا کے کھڑے ہو گئے - اور اچھا خاصہ مجمع ہو گیا - ہجوم خلائق کو دیکھ کے عورت نے اور چلانا شروع کیا - اور ایک ایک کے سامنے رو رو کے فریاد کرنے لگی - پھر احوص سے کہا "اب تمھیں میری جان پہچان سے بھی انکار ہے؟ اچھا قسم کھاؤ کہ تم مجھے نہیں جانتے؟"

احوص: "خدا کی قسم میں تجھے نہیں جانتا - کبھی دیکھا ہو تو پہچانوں"۔

عورت - (نقاب الٹ کے اور چاند سے چہرے پر سے برقع کی بدلی ہٹا کے) "اب پہچانا - یا اب بھی یہی کہے جاؤ گے کہ نہیں پہچانتے؟"

احوص "ہاں نہیں پہچانتا - خدا کی قسم نہیں پہچانتا - اور میں نے زندگی بھر کبھی تیری صورت نہیں دیکھی"۔

بعض حاضرین: "اچھی طرح غور کرکے دیکھیے - قسم کھانے میں جلدی نہ کرنا چاہیے"۔

احوص "یاد رہنا کیا؟ میں نے کبھی اس عورت کو دیکھا ہی نہیں - آپ لوگ جس کی قسم کہیں کھانے کو تیار ہوں"۔ بھلا یہ ممکن تھا کہ اس سے ملتا - اسکی بکری لیتا - دام باقی ہوتے - اور پھر ایسا بھول جاتا کہ صورت دیکھنے پر بھی نہ پہچان سکوں؟"

عورت (تمام حاضرین اور تماشائیوں سے) "اچھا میں جان پہچان کا اس سے بھی زیادہ قطعی ثبوت دیتی ہوں - مگر آپ سب صاحب گواہ رہیں کہ یہ قسم کھا چکا ہے کہ مجھے نہیں پہچانتا - ایسا نہ ہو کہ اس ثبوت کے بعد بھی مکر جائے - مگر اب بھلا کیا کر سکتا ہے؟"

(احوص سے) "او سُن جھوٹے سُن ۔ میں اُم جعفر بنت عبد اللہ اوسیہ ہوں ۔ جس پر تو اپنے شعروں میں عشق ظاہر کرتا ہے ۔ اور صدہا شعروں میں تو نے اقرار کیا کہ مجھ سے ملا ۔ اور باتیں کیں ۔ تو نے یہ کہا اور میں نے یہ کہا ۔ اب بتا کہ تیرے وہ شعر جھوٹے ہیں یا اس وقت کا انکار؟" یہ سنتے ہی احوص کی یہ حالت ہوئی کہ جیسے کوئی سانپ سونگھ گیا ہے ۔ آنکھیں نیچی تھیں ۔ سر جھکا ہوا تھا ۔ اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی ۔

اب اُم جعفر نے اپنے عالم آشوب چہرے پر پھر نقاب ڈال لی ۔ اور تمام حاضرین کی طرف متوجہ ہو کے کہا "صاحبو ۔ یہ کمبخت بجا سچ کہہ رہا ہے کہ اس نے نہ کبھی مجھ سے کوئی بکری لی ۔ نہ اس کا وعدہ کیا ۔ اور نہ کبھی میری صورت دیکھی ہے ۔ لیکن اسے اسکے منہ پر تھوکیے کہ کس منہ سے اسے ایسی دریدہ دہنی کی جرأت ہوئی کہ بے ملے ۔ بے دیکھے بغیر کسی راہ و رسم اور شناسائی کے یہ اپنے شعروں میں دعوے کرتا ہے کہ میں اس سے ملی ۔ اس سے باتیں کیں ۔ اس سے طرح طرح کے وعدے کیے ۔ اور اسکے ذلیل رذیلانہ عشق کو قبول کیا ۔ یہ بدذات جھوٹا ہے ۔ بے ایمان ہے ۔ گنہگار ہے ۔ پاکدامن محصنہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں لگاتا ہے ۔ اور اس قابل ہے کہ کوڑوں سے اس کی کھال گرا دی جائے ۔ یہ ہرگز اس کا اہل نہیں کہ شریفوں کے پاس اُٹھے بیٹھے ۔ یا کوئی معزز شخص اسے منہ لگائے۔" یہ کہتے ہی اُم جعفر نے بڑھ کے احوص کے منہ پر تھوک دیا ۔ اور پلٹ کے اپنے گھر چلی گئی ۔

اب میاں احوص کی یہ حالت تھی کہ سر اُٹھانے کے قابل نہ تھے ۔ اور جو تھا ہر طرف سے لعنت ملامت کر رہا تھا ۔ اسی گالیوں اور لعنتوں کی بوچھار میں وہ اس صحبت سے اُٹھ کے بھاگا ۔ اور پھر اس قابل نہ تھا کہ کسی کو منہ دکھائے ۔ آفرین کی مار کھا کے تو اُس کا جوش بڑھ گیا تھا اور شاعری کا بہرہ خوب کھل گیا تھا ۔ مگر اُم جعفر نے ایسا موثر سبق دیا کہ پھر کبھی اُس عشقیہ کا نام لینے کی جرأت نہ ہوئی ۔ اور زندگی بھر مجال نہ تھی کہ اُس کو کوئی تہمت لگا سکے

عاتکہ بنت معاویہؓ بن ابی سفیان

جناب معاویہؓ صحابیون مین ہین - اور جب حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اُنکے ہاتھ پر بیعت کر لی اور خلافت اسلامیہ کو اُنکے سپرد کرکے مدینۂ طیبہ مین عزلت گزین ہوگئے تو معاویہ ساری دنیاے اسلام کے حاکم و فرمان روا بن گئے - اور پہلے فرمانروایے اسلام ہین جنھون نے عرب کی سادی خلافت و حکومت مین قیصری و خسروی شان و شکوہ پیدا کی - مگر باوجود اس سطوت و جبروت کے اُن مین اس قدر غیر معمولی درجے کی برداشت اور بُردباری تھی کہ اُن کا حلم سارے عرب مین مشہور اور ضرب المثل ہوگیا تھا - اُسی حلم کا ایک نمونہ اِن واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے -

عاتکہ مذکورہ اُن کی صاحبزادی تھین - جو حسن و جمال مین اچھوتی روزگار تھین - اور علم و ادب مین تمام معاصر بیبیون مین ممتاز - اُنھین نغمے کا بھی شوق تھا جس کی اُنھون نے تعلیم پائی تھی - اور بعض اُنکی ایجاد کی ہوئی دُھنین مدتون عرب کی مغنیات عرب مین گائی جاتی رہین - اُن کی قدردانی کی وجہ سے ہر سال معمول تھا کہ مکے اور مدینے کی گانے والیان دمشق مین آکے اُن سے ملتین - اپنا گانا سناتین - اور بہت کچھ انعام و اکرام سے بہرہ یاب ہوکے واپس جاتین - اسی قدر نہین عاتکہ رخصت کرتے وقت اُن کو تاکید کر دیا کرتین کہ دیکھو نہین بھول جانا - پھر آنا -

ایک سال ایسا اتفاق ہوا کہ حجاز کی کوئی مغنیہ نہین آئی - آخر اُنھون نے اپنے والد سے سفر حج کی اجازت مانگی - جناب معاویہ نے اجازت دیدی - اور عاتکہ ایسے شاہانہ شان و شکوہ کے ساتھ ملک شام سے ارض مقدس حجاز کی طرف روانہ ہوئین - کہ اس سے پیشتر کسی نے ایسی اولوالعزمی سے سفر نہین کیا تھا - اُن کا جلوس بذات خود ایک قافلہ بن گیا تھا جس مین اعلیٰ درجے کی تیز رو اور سُبک خرام سانڈنیون پر پُرتکلف محملین تھین - جن پر منقش اور خوشرنگ پردے پڑے ہوے تھے - اور عاتکہ شاہزادیون کی وضع سے اپنی لونڈیون اور سہیلیون کے ساتھ بادیۂ عرب کو پھر ایکبار ملکۂ سبا بلقیس کا سفر یاد دلا رہی تھین - مکۂ معظمہ مین پہونچ کے وہ مقام ذی طویٰ مین اُترین -

اُسی جگہ ایک دن دوپہر کو جبکہ دھوپ شدت پر تھی - اور گرمی سے سب

پریشان تھے۔ عاتکہ نے اپنی کنیزون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے اُٹھا دین۔ ناگہان وہب جمحی کا اُدھر سے گذر ہوا جو اَبی وہبل کے لقب سے مشہور تھا۔ اور اُس زمانے کا مشہور و معروف اور مقبول و پسندیدہ شاعر قریش تھا۔ خوش فکر ہونے کے علاوہ وہ خوش جمال اور نوعمر بھی تھا۔ یکایک عاتکہ کے رخ زیبا پر جو نظر جا پڑی تو دیکھتے ہی دل ہاتھ سے کھو بیٹھا۔ اُسی جگہ ٹھہر گیا۔ دل مین آتش شوق شعلہ زن ہو گئی۔ بار بار نظر اُٹھا کے عاتکہ کی صورت کو کن انکھیون سے دیکھتا اور پھر نظر نیچی کر لیتا۔ عاتکہ سمجھ گئین۔ لونڈیون کو حکم دیا کہ محمل کے پردے چھوڑ دو۔ ساتھ ہی اس بیباکی پر ابو وہبل کو برا بھلا کہا۔ اور سخت لعنت ملامت کی۔

نوجوان شاعر نے گھر واپس آ کے پانچ پُرسوز و گداز شعر کہے۔ جن مین اُسوقت کی حالت اور اُس منظر کی تصویر شاعرانہ نازک خیالی کے ساتھ دکھائی۔ اور ظاہر کیا کہ "کیسی عالی مرتبہ اور صاحب جاہ دلکش محبوبہ نے میرا دل چھین لیا ہے"۔ وہ شعر عام لوگون کو اس قدر پسند آئے کہ سارے کے مین اور اُس کے بعد کل قبائل عرب مین ایک ایک کی زبان پر جاری ہو گئے۔ مغنیون اور مغنیہ عورتون نے اُنکو دلکش دُھنون مین گانا شروع کیا۔ یہان تک کہ خود عاتکہ نے ابھی کے ہی مین تھین کہ ان اشعار کو بعض گانے والیون کے گلے سے سُنا۔ بہت ہی پسند کیا۔ بے انتہا داد سخن دی خوش ہو ہو کے بار بار اُن کو گوایا۔ اور نوبت یہان تک پہونچی کہ اُنھین اشعار کی قدردانی کے بہانے عاتکہ نے ابو دہبل سے مراسلت کی۔ اور اُسے بہت کچھ انعام و اکرام اور قیمتی ہدیون سے سرفراز کیا۔

اس مراسلت اور موافقت نے دونون مین محبت والفت پیدا کر دی۔ اور عاتکہ بار بار ابو دہبل کے پاس تحفے اور ہدیے بھیجتین اور لطف و کرم سے پیش آتین۔ نتیجہ یہ ہوا کہ عاتکہ جب حج سے فارغ ہو کے دمشق مین واپس گئین تو ابو دہبل بھی گرد کاروان بن کے وارد شام ہوا۔ مکے مین تو بار ہا اُسکو عاتکہ کی قدردانی و نوازش سے باریاب ہونے اور دلکش سیکنے کا موقع ملتا رہا تھا مگر دمشق مین جہان عاتکہ کے باپ بھائی موجود تھے اور ایک عالم پر حکومت کر رہے تھے یہ کیونکر ممکن تھا کہ عرب کا ایک غریب الوطن شاعر ایک عالی مرتبہ شاہزادی کے قصر کے پاس بھی پھٹک سکے

ابو وہبل کو دیدار جاناں سے یاس ہوئی تو بیمار پڑ گیا۔ اور مرض نے طول کھینچا۔ اب اظہار شوق اور اپنی نازک حالت عیان کرنے کی غرض سے اُس نے ایک اور نظم کہی جس مین اپنی اور عاتکہ کی حالت ظاہر کی ہے۔ عاتکہ کے حسن و جمال۔ اُسکی عالی خاندانی۔ اور اُس کی خوبیون کو بڑے جوش کے لہجے مین ادا کیا ہے۔ اپنے دیدۂ بیدار کی شکایت مین کہا ہے "نہیں معلوم میری نیند عشق سے اُڑ گئی یا خدا نے میری پلکین ہی چھوٹی بنائی ہین"۔ یعنی اُنکے چھوٹے ہونے سے آنکھین بند نہین ہوتین۔ درمیان مین یہ بھی کہا کہ "مین سبز خیمے مین اُس سے ملا" جیسے خیالات و واقعات منظوم کرنا عشق مشرب شعرائے عرب کا معمول تھا۔

یہ اشعار جناب معاویہ کے گوش مبارک تک پہونچ گئے۔ ناگوار ضرور ہوے۔ مگر اُن کا مشہور حلم غصے پر غالب آیا۔ خاموش ہو رہے اور ایک لفظ زبان سے نہ نکالا۔ اب اُسکے بعد جمعہ آیا تو لوگ حسب معمول اُنکے دربار مین آکے اور سلام کر کرکے رخصت ہونے لگے۔ اُس مجمع مین وہب بھی آیا اور سلام کر کے واپس چلا تو جناب معاویہ نے اُسے روک لیا۔ اور جب سب لوگ چلے گئے تو اُس سے کہا "میرے نزدیک قریش مین اب کوئی تم سے اچھا شاعر نہین ہے۔ تم نے اپنے دیدۂ بیدار کے متعلق جو کچھ کہا ہے بہت اچھا کہا ہے۔ اور عاتکہ کی عالی خاندانی کی جو تعریف کی ہے وہ بھی بالکل بجا ہے۔ جس لڑکی کا باپ معاویہ۔ دادا ابو سفیان۔ اور دادی ہند بنت عتبہ ہو اُس کی یہی صفت ہے جو تم نے بیان کی۔ لیکن اسی نظم مین تم نے جو سبز خیمے مین اُس سے ملنا ظاہر کیا ہے یہ بہت بُرا کیا"۔ وہب نے قسم کھا کے کہا "یہ نظم مین نے نہین کہی بلکہ دشمنون نے کہکے میرے سر تھوپ دی ہے"۔ جناب معاویہ نے جواب دیا "خیر جو کچھ ہو مگر یاد رکھو کہ تمھین مجھ سے ڈرنے کی تو کوئی ضرورت نہین۔ اس لیے کہ مجھے اپنی بیٹی کی پاکدامنی کا پورا پورا یقین ہے۔ اور نوجوان شاعرون کے لیے یہ معاف بھی ہے کہ جس لڑکی کے ساتھ چاہین تشبیب کرین۔ یعنی اپنے کلام مین اُن پر اظہار عشق کرین۔ لیکن میرے نزدیک تمھارا اُسی شہر مین رہنا جس مین کہ عاتکہ کا بھائی یزید رہتا ہو۔ اچھا نہین۔ وہ جوان ہے اور جوش شباب کے ساتھ اُس مین شاہانہ تمکنت بھی ہے"۔

حضرت معاویہ کا یہ مشورہ سُن کے وہب دل مین ڈرا۔ اور دمشق چھوڑ کے مکۂ معظمہ

مین چلا گیا - اس کو چند روز گذر گئے - اور وضاح کی کوئی شکایت یا اُس کی کوئی نظم نہین سنی گئی - ایک دن جناب معاویہ اپنے دربار کے کمرے مین بیٹھے ہوے تھے کہ ایک خواجہ سرا سامنے آ کے اطلاع دی" امیرالمومنین - آج عاتکہ کے پاس ایک خط آیا - جسے پڑھ کے وہ رونے لگین - اور اُس کا اُن کے دل پر اس درجہ اثر ہوا کہ اس گھڑی تک ملول و حزین ہین" معاویہ نے کہا" اُس خط کو کسی حکمت سے اُڑا لاؤ - اور مجھے دکھاؤ" خواجہ سرا خط کو لے آیا - اور اُنھون نے دیکھا تو وہ وضاح کا نامۂ شوق تھا - آٹھ شعر تھے - جن مین اپنی بیتابی کا اظہار تھا - غم عشق مین رونا تھا - اور یہ تھا کہ تمھارے خط کے انتظار مین ہر وقت راہ تکتا رہتا ہون - تم اپنے عاشق پر جس قدر زیادہ سنگدل ہوتی جاتی ہو اُسی قدر اُس کا عشق بھی بڑھتا جاتا ہے"

یہ اشعار جناب معاویہ کو نہایت ناگوار ہوے - فوراً یزید کو بلوا بھیجا - اُس نے باپ کو پریشان و متفکر دیکھ کے حزن و ملال کا سبب پوچھا - کہا" ایک ناگوار اور تکلیف دہ واقعہ ہے - اس قریشی نژاد فاسق نے تمھاری بہن کو یہ شعر لکھ کے بھیجے ہین - جن کو پڑھ کے عاتکہ نے رونا شروع کیا تو اس گھڑی تک آنسو نہین تھمے ہین" یزید نے کہا" اس بارے مین کہنا سننا بیکار ہے - بس یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی غلام اُس شخص کی تاک مین رہے - اور جس دن موقع پائے اُسے قتل کر ڈالے" یہ سن کے جناب معاویہ بولے" یزید اگر تو ایک قریشی شاعر کو قتل کر ڈالے گا تو لوگون کو یقین آ جائے گا کہ اُس نے عاتکہ کے ساتھ جو تعلقات ظاہر کیے ہین وہ بالکل سچے ہین" یزید بولا" یہ تو صحیح ہے - لیکن اس کا کیا علاج کہ وہ اسی قسم کے اشعار تصنیف کر کر کے لوگون مین پھیلا رہا ہے - جو اہل مکہ مین مشہور اور جوانان قریش کی زبانون پر جاری ہو جاتے ہین - یہان تک کہ شہرت کے پرون سے اُڑتے ہوے بعض اشعار یہان تک آ پہونچے - اور میرے گوشگذار ہوے - مجھے اُن کو سن کے نہایت ملال ہوا - اور مین نے یہی ارادہ کر لیا ہے جو آپ سے عرض کیا - یعنی اُس کو کسی اپنے غلام کے ہاتھ سے مروا ڈالون گا"

جناب معاویہ نے تعجب کے لہجے مین پوچھا" اور شعر بھی ہین ؟ یاد ہون تو سناؤ" یزید نے وضاح کے پانچ نئے شعر سنائے - جن مین فراق کی شکایت تھی - اور یہ خیالات

ظاہر کیے تھے کہ "بادشاہ جابر اُسے مجھ سے ملنے نہیں دیتا۔ جس محبت میں بخت یا دشمن کا اندیشہ ہو اُس میں بھلائی نہیں۔ اور جس معشوقہ کا وصال نہ نصیب ہو اُس کا چاہنا ہی کیا؟ ہائے افسوس! میں عشق میں بدنام تو ہو گیا۔ مگر ایک گھڑی کے لیے بھی کبھی ملنا نہ نصیب ہوا۔"

یہ اشعار سُن کے معاویہ نے فرمایا "اب میں مطلب سمجھ گیا۔ یہ شخص صرف فراق کا شاکی ہے۔ اور اس کا انسداد آسانی سے ہو جائے گا۔ تم اُسکی جان لینے کا ارادہ نہ کرنا۔" پھر اُسی سال اُنھوں نے سفر حج کیا۔ اور مکہ معظمہ میں حج سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن تمام شرفائے قریش اور اُن کے شعرا کو سامنے بلوایا۔ سب سے ملے۔ بہ لطف و کرم پیش آئے۔ اور سب کو حسب حیثیت انعام و اکرام دے کے رخصت کیا۔ انھیں لوگوں میں وہب ابوہبیل بھی تھا۔ جب وہ واپس جانے لگا تو حضرت معاویہ نے پوچھا "وہب یہ کیا ماجرا ہے کہ میں نے یزید کو تم سے ناراض پایا ہوں؟ تمھارے اشعار جو لوگوں سے سنے جاتے ہیں اُنھیں کو سُن سُن کے وہ برافروختہ ہو رہا ہے۔" وہب نے عذر خواہی میں زبان کھولی۔ اور کہا "میں نے وہ شعر نہیں کہے بلکہ لوگوں نے میری جانب منسوب کر دیے ہیں۔"

جناب معاویہ نے کہا "خیر مضائقہ نہیں۔ اور تم کوئی اندیشہ نہ کرو۔ لیکن اتنا بتا دو کہ اپنے قبیلے اور خاندان کی تمام لڑکیوں میں سے تمھیں کون اچھی معلوم ہوتی ہے؟" وہب نے ایک لڑکی کا نام لے کے کہا "وہ میری نظر میں سب سے اچھی ہے۔" فرمایا "تو میں دو ہزار دینار مہر پر اُس کے ساتھ تمھارا نکاح کیے دیتا ہوں۔" یہ کہہ کے خود ہی نکاح پڑھا دیا۔ مہر کی رقم اپنے پاس سے دی۔ اور ایک ہزار دینار اُسے بطریق انعام اُس کے علاوہ دیے۔ اور رخصت کیا۔

اس غیر معمولی سلوک کا وہب پر بڑا اثر ہوا۔ ندامت سے سر جھکا لیا۔ اور ادب کے ساتھ نہایت ہی التجا کے لہجے میں عرض کیا "امیر المومنین۔ اگر میرے گذشتہ اشعار اور میرے اظہار عشق کو آپ معاف فرما دیں اور اگلی لغزشوں سے درگذر کریں تو وعدہ کرتا ہوں کہ پھر کبھی آپ کی صاحبزادی عاتکہ کی نسبت کوئی شعر نہ کہوں گا۔ اور کہوں تو میرا خون آپ کے لیے حلال ہے۔ فوراً قتل کر ڈالیے گا۔ رہی یہ خطا تو ان

جس کے ساتھ آپ نے میرا عقد کر دیا ہے تو اگرچہ میں حسن و جمال میں اسکو سب پر ترجیح دیتا ہوں لیکن نہ مجھے اُس سے محبت ہے اور نہ اُسے مجھ سے۔ اس لیے آپکے سامنے اور آپ ہی کو گواہ کر کے میں اُسے طلاق بائن دیے دیتا ہوں۔ جس کسی کے ساتھ اُس کا جی چاہے عقد کر لے"۔ وہب کی یہ تقریر اور اُس کا اقرار سن کے حضرت معاویہ بہت خوش ہوے۔ اور وعدہ کیا کہ جو انعام میں نے تم کو دیا ہے وہ تمھیں ہر سال پہونچتا رہے گا"۔

بس اسی پر اس شورش کا خاتمہ ہو گیا۔ وہب نے پھر کبھی کوئی شعر عاتکہ کے عشق میں نہیں کہا۔ اور اپنی وضع اور اپنے عہد کو زندگی بھر نباہا۔ مگر کہتے ہیں کہ عاتکہ مرتے وقت تک اُس پر فریفتہ اور اُس کے شوق میں ملول رہیں۔

اڈلین

نامور مغنیۂ یورپ

اس کے تسلیم کرنے میں کسی واقف کار کو مشکل تامل ہو سکتا ہے کہ دمشق اور بغداد کی خلافتوں میں دربار خلافت نے بعض مغنیوں اور مغنیہ عورتوں کی جیسی قدر کی ویسی قدر اس لطیف فن کے ماہروں کی دُنیا کا کوئی دربار نہیں کر سکا ہے۔ مگر یورپ کی نامور مغنیہ اڈلین کو البتہ سلاطین یورپ نے جو عزت دی وہ شاید دنیا کی کسی گانے والی کو نہ نصیب ہو سکی ہوگی۔

اڈلین کا نشو و نما بچپن ہی سے کانسرٹوں (محفلہاے طرب) میں ہوا تھا۔ اس کے ساتھ اُس کے حسن و جمال اور اُسکی دل میں اُتر جانے والی آواز نے اُسکے اس کمال میں اور جان ڈال دی۔ چند ہی روز میں یہ حالت ہو گئی کہ ممالک یورپ میں کوئی شخص نہ تھا جو اُس کے گانے پر فریفتہ نہ ہو۔ پبلک کی عام قدردانی کا نتیجہ ہوا کہ اُس کی آمدنی روز بروز ترقی کرنے لگی۔ اور چند سال میں اُس کی سالانہ آمدنی دس لاکھ فرینک ہو گئی۔

مگر وہ خصوصیت جس نے اس سحر آفرین مغنیہ کو دُنیا بھر کی گانے والیوں سے ممتاز کر دیا یہ تھی کہ بڑے بڑے زبردست شہنشاہان یورپ اُسکے حد سے زیادہ گرویدہ

تھے - اور انتہا سے زیادہ اُس کی عزت کرتے تھے - ایڈلین نے اپنی وضع یہ رکھی تھی کہ جب نظر آتی اُس کے ہاتھ میں ایک قسم کی انوکھی پنکھیا ہوتی - جو اُسی کے ساتھ مخصوص تھی اور کسی اور خاتون کے ہاتھ میں نہیں دیکھی گئی تھی - شاہانِ ارض میں سے جس کسی نے اُسکی تعریف کرنی چاہی تو اُس نے اپنی وہی پنکھیا بڑھا دی کہ اس پر لکھ دیجیے - اور اس فرمان روا نے اُسپر اپنے جذبات دلی اپنے قلم سے لکھ دیے - چند روز میں پنکھیا تحریروں سے بھر گئی - اور کوئی تاجدار نہ تھا جس کے ہاتھ کا خط اُس عجیب و غریب پنکھیا پر موجود نہ ہو - جن میں سے چند اہم تحریروں کو ہم اپنے ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں - زار روس نے لکھا "کسی چیز سے وہ تسکین نہیں ہوتی جو تمھارے گانے سے ہوتی ہے" قیصر جرمنی نے اس مغنیہ کی جانب خطاب کرنے کی شان سے یہ الفاظ لکھ دیے تھے "تمام زمانوں کی طبیل کو میرا سلام" ملکۂ اسپین نے لکھا تھا "ایک ملکۂ عصر کو (دیکھیے) اس پر ناز ہوگا کہ تم اُسے اپنی رعایا میں شامل خیال کرو" ہماری نیک نفس اور ہر دلعزیز ملکۂ معظمہ وکٹوریہ نے اپنے دستخط سے اُس پنکھیا پر یہ الفاظ لکھے تھے "شاہ لبار کے یہ الفاظ کہ آواز شیریں خداداد ہے - اگر سچ ہیں تو اے پیاری ایڈلین تم ساری عورتوں سے بڑھی ہوئی مغنیہ ہو" ان فرمان روایانِ ارض کے علاوہ شہنشاہ آسٹریا اور ملکۂ ایزابلا کے ہاتھ کی تحریریں بھی اُس پنکھیا پر موجود تھیں - اسی طرح ملکۂ بلجیم نے بھی اپنے خیالات ظاہر کیے تھے - ایڈلین کی پنکھیا کے بیچ میں یہ الفاظ لکھے تھے "اے ملکۂ طرب میں تیری طرف اپنا شوق کا ہاتھ بڑھاتا ہوں" ان الفاظ کا لکھنے والا دولت جمہوریۂ فرانس کا پریسیڈنٹ ٹیئرس تھا -

ان تحریروں کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو عزت و حرمت اور جیسی ہردلعزیزی عامہ اس مغنیہ کو حاصل تھی دنیا کی کسی عورت کو شاید ہرگز نصیب ہوئی ہوگی - جن فرمان رواؤں اور تاجداروں کی حضوری حاصل ہونا بڑے بڑے امیروں اور قابل لوگوں کے لیے مایۂ افتخار تھا وہ سب اس خاتون سے ملنا - اُس سے ملاقات پیدا کرنا - اور اُس کو دوست بنانا اپنا سرمایۂ ناز تصور کرتے تھے -

ایڈلین کے زیادہ حالات نہیں معلوم ہو سکے - مگر مصر کی قابل مصنفہ عائشہ خانم

کے ذریعے سے ہمیں اسی قدر واقعات معلوم ہو سکے جو اُسکے حسن صورت نہیں تو حُسن صَوت کے کرشمے ظاہر کرنے کے لیے بخوبی کافی ہیں۔ لیکن ہم اُس کے ساتھ اتنا اور کہنا چاہتے ہیں کہ سلاطین یورپ کا یہ برتاؤ دراصل اُس عہد کی جمہوریت کی برکت ہے جس نے تاجداروں کو فقط اِس کام کا باقی رکھا ہے کہ حکمرانی کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کے فقط حُسن کی قدردانی کیا کریں۔

دکن کی کافر ماجرا حسین پتھال

(۱)

حُسن کی کرشمہ سازیوں کے سلسلے میں ہم نے ابھی تک ہندوستان کی طرف توجہ نہیں کی اور جو کچھ لکھا دوسرے ملکوں کی نامور جادونگاہوں کے متعلق لکھا۔ مگر ہمارے لیے خاص ہندوستان میں بھی بہت کافی ذخیرہ موجود ہے۔ بلکہ بقول علامۂ فیضی:

این فتنہ بہ ہند گرم خیز است　　　　اینجاست کہ آفتاب تیز است

یہاں مہ جبینوں کے حُسن کی کرشمہ سازیاں زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ ہندوستان میں فی الحال بڑی خرابی اور دشواری یہ ہے کہ ہر معاملہ مذہبی جنبہ داری اور تعصب پہ محمول کیا جاتا ہے۔ اور ہم مجبور ہیں کہ یہاں کے اگلے دَور کی کسی حسینہ کے حالات لکھتے وقت ایسے الزاموں کی طرف سے بے پروا ہو جائیں۔ تاہم مندرجہ ذیل واقعات درج ہیں جن میں ہم نے اپنی طرف سے کوئی اضافہ نہیں کیا۔ تاریخ فرشتہ میں جو کچھ مذکور ہے اُسے اپنے الفاظ میں ادا کیے دیتے ہیں۔

دکن میں جن دنوں بہمنیوں کی زبردست سلطنت قائم تھی اُنکے سب سے زبردست حریف راجگان بیجانگر تھے۔ اُن کا دارالسلطنت دکن کا نہایت ہی تاریخی شہر تھا۔ اور اُس کی شوکت و حشمت کے عجیب و غریب واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ دریائے تنگ بھدرا (جو فی الحال دولتِ آصفیۂ نظام ادام اللہ شوکتہا و دولتہا کی جنوبی سرحد پر رائچور کے قریب واقع ہے) بہمنیوں اور ہندو دولت بیجانگر کی قلمرو کے درمیان میں حد فاصل تھا۔ [illegible]ھ اور ۹۲۵ھ کے درمیان

جب تک بہمنہ رکے شمال مین سلطان فیروز شاہ بہمنی اور اُس کے جنوب مین راجہ دیو رائے حکومت کر رہے تھے۔ بیجانگر کا ایک عالم و فاضل۔ فن موسیقی کا صاحب کمال۔ اور عابد و مرتاض برہمن اپنے وطن سے کاشی کے تیرتھ کے لیے بنارس مین آیا۔ اور فرائض مذہبی ادا کر کے واپس گیا تو بہمنی علاقۂ مدگل کے ایک گانون مین ایک سُنار کے گھر پر اُترا کہ رات وہان بسر کرے اور صبح کو آگے کا راستہ لے۔ چونکہ وہ مذہبی مقتدا اور متبرک و مقدس شخص خیال کیا گیا اسلیے سُنار اور اُس کے تمام گھر والون نے حاضر ہو کے اُس کے قدم چومے۔ جہان تک بنا اُس کی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے برکت اور دعاے خیر کے طالب ہوے۔ برہمن نے سب کو دعا دی تو سُنار نے ادب سے عرض کیا "میری ایک بیٹی ہے پرتھال۔ حضور اُسکے حق مین بھی دعا فرمائین"۔ برہمن نے اُس کے لیے بھی دعاے خیر کی۔ اور اُسکے بعد پوچھا "تمھاری وہ لڑکی کہان ہے؟" عرض کیا "اُسکی عجیب حالت ہے۔ مسلمان عورتون کی طرح پردہ کرتی ہے۔ اور اپنے حسن و جمال پر اُسے اتنا بڑا ناز ہے کہ کسی کو صورت نہین دکھاتی۔ ہم نے اپنی ذات اور برادری مین اُس کی نسبت ٹھہرائی تھی مگر اُس نے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہا جس نے مجھے یہ دلربا صورت دی ہے وہی اس کا قدردان بھی پیدا کر دے گا۔ اُسے اس قدر بیباک اور شوخ دیدہ دیکھ کے ہم لوگ خاموش ہو رہے۔ اب آپ سے التجا کرتے ہین کہ ایسی دعا کیجیے کہ وہ شادی کرنے پر راضی ہو جائے"۔

یہ واقعات سُن کے برہمن کو تعجب کے ساتھ پرتھال کا چہرۂ زیبا دیکھنے کا شوق ہوا۔ اُس کے قریب گیا اور پکار کے کہا "بیٹی! تو مجھ سے پردہ کرتی ہے! مجھے اپنے باپ کی جگہ سمجھ۔ اور مین وعدہ کرتا ہون کہ اپنی حقیقی بیٹی سے زیادہ تجھ سے محبت کرون گا۔ اس لیے باہر آ کے اپنے خداداد حُسن سے میری آنکھون کو روشن کر"۔ یہ سُن کے پرتھال نے پردے سے نکل کے برہمن کے قدم چومے۔ اور اُسکے سامنے سرو قد کھڑی ہو گئی۔ برہمن نے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا۔ اور دیکھتے ہی دل مین کہا "دُنیا مین ایسا حُسن و جمال تو کسی نے نہ دیکھا ہوگا۔ یہ عورت نہین آسمان کی کوئی اپسرا یا دیوی ہے"۔ پھر محبت سے اُسے اپنے پاس بٹھا لیا۔ اور اُس سے

باتیں کیں۔ اُس کی نغمہ خیز اور جادو بھری آواز سُنی تو اور حیران ہوا کہ اس دنیای فانی میں ایسی حور طلعت پری جمالیں اور ایسی دلکش آواز والیاں بھی ہیں!

پھر اُس نے اُس نازنین کو اپنا گانا سنایا۔ بین بجا کے اُسے مانوس کیا۔ اور اس فن لطیف سے اُسے مانوس پا کے کہا "مین نے اس فن کو بڑی محنت سے حاصل کیا ہے۔ میرے پاس اور کیا رکھا ہے۔ اگر تجھے اسکے سیکھنے کا شوق ہو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تھوڑے ہی زمانے میں تجھے اس فن میں بے مثل و بے نظیر بنا دونگا۔ اگر تو نے محنت سے سیکھا تو جس طرح تیری صورت موہنی اور تیری آواز سُریلی ہے اسی طرح تیرا گانا بجانا بھی دنیا میں لاجواب ہو جائے گا۔ پرتھال نے اس فن کے سیکھنے کا بیحد شوق ظاہر کیا۔ برہمن اپنے وعدے کے مطابق وہیں ٹھہر کے اُسے گانا بجانا سکھانے لگا۔ اور ایک ہی سال میں کامل مغنیہ بنا کے کہا "اب تو اس قابل ہے کہ راجاؤں کے محل میں رہے۔ سوا کسی بڑے راجہ کے اور کسی کا حوصلہ نہیں ہو سکتا کہ تجھے اپنی دولھن بنائے۔" یہ کہ کے برہمن نے اس خاندان سے رخصت ہو کے اپنے گھر کی راہ لی۔

چند منزلیں قطع کر کے اپنے وطن بیجا نگر میں پہونچا۔ مگر پرتھال کی یاد کسی طرح نہ بھولتی تھی۔ جو ملنے آتا اُسے سب کے پہلے پرتھال کے حُسن و جمال اور اُسکی خوش گلوئی کی تعریف کرتا۔ اس کی زبان سے نکلتے ہی یہ خبر سارے بیجا نگر میں پھیل گئی۔ اور ہر صحبت میں اُس سنار کی بیٹی کی تعریفیں ہونے لگیں۔ ہوتے ہوتے یہ خبر راجہ دیو رائے کے کانوں تک پہونچی۔ اور وہ مصداق

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

اُس نازنین کے حسن و جمال کا تذکرہ سُنتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے عاشق ہو گیا۔ اُسی وقت اُس برہمن کو بُلا کے مہ جبین لڑکی کے حالات پوچھے۔ برہمن نے ایسے عنوان سے اور ایسے الفاظ میں اُس کا ذکر کیا کہ راجہ کے عشق میں بیتابی و بیقراری پیدا ہو گئی۔ اور برہمن سے خوشامد کرنے لگا کہ "اس سینے میں تم نے آگ لگائی ہے تو تمھیں اسکو بجھاؤ۔" بہت کچھ زر و جواہر دیا کہ اس کوشش میں صرف کرو۔ پھر ایک سونے کا مرصع گلوبند دیا کہ اُسے لیکے

فوراً اُدگل مین جاؤ۔ اُس کے ماں باپ کو میرا پیام دو۔ اور جس طرح بنے اُنھین راضی کر کے منگنی کے طریقے سے یہ گلوبند اُسکے گلے مین پہنا دو۔ اور یون نہ ملنے تو اُسے بیجانگر کے مندرون اور وہان کے تیرتھون کا شوق دلا کے کسی بہلانے یہان لے آؤ۔"

برہمن خوش خوش روانہ ہوا۔ پھر جا کے سُنار کے گھر مین اُترا اور دو تین روز بعد اچھے عنوان اور دلفریب الفاظ مین شادی کا پیام دیا۔ پرتھال کے ماں باپ بہت خوش ہوے۔ فوراً راضی ہوگئے۔ اور یہ سمجھ کے کہ اب پرتھال بھی ضرور راضی ہو جائے گی اُس سے تذکرہ کیا۔ لڑکی نے سُن کے ماں باپ سے کہا "کیا آپ کو بیجانگر کے رنواس کا حال نہین معلوم؟ اُس مین ہزارون عورتین بھری پڑی ہین۔ اور جو اُس مین گئی مر کے نکلی۔ اُس راجہ کی رانیان لونڈیون سے بدتر ہین۔ نہ ماں باپ سے مل سکتی ہین نہ کسی عزیز قریب کی صورت دیکھ سکتی ہین۔ ایسی زندگی بھر کی قید مجھ سے نہ برداشت ہو سکے گی۔ چاہے آپ کو میری محبت نہ رہی ہو یا میری طرف سے آپ کا لہو سفید ہو گیا ہو۔ مگر مین آپ کو نہین چھوڑ سکتی"۔ ماں باپ نے لاکھ سمجھایا مگر پرتھال نے کسی طرح منظور نہ کیا۔ آخر خود اُس برہمن نے آ کے اُسے سمجھانا شروع کیا۔ اور باتون باتون مین چاہا کہ گلوبند اُسکے گلے مین باندھ دے۔ مگر پرتھال نے سر ہٹا لیا۔ اور کہا "گو مین آپ کو باپ سے بڑھ کے مانتی اور آپکا ادب کرتی ہون مگر اس معاملے مین آپ اصرار نہ کرین۔ میرا معاملہ ایک راز ہے جسکو مین نہ بیان کر سکتی ہون۔ اور نہ اس بارے مین کسی کے مشورے پر عمل کر سکتی ہون"۔

یہ جواب سُن کے برہمن نے اصرار شروع کیا کہ "جو کچھ راز ہو بتاؤ۔ اور اگر اس راز کے معلوم ہونے کے بعد یہ شادی مناسب نہ معلوم ہوئی تو مین ہرگز یہ صلاح نہ دون گا کہ تم راجۂ بیجانگر کی رانی بنو۔ مگر مجھے بتا دو"۔

آخر برہمن کے مجبور کرنے سے پرتھال نے کہا "سُنیے مجھے مدت ہوئی ایک غیب کے فرشتے اور بڑے مہاتما نے خبر دی کہ تو مسلمان ہو کے ملکۂ جہان بنے گی۔ اور اپنے ہی ملک مین شان و شوکت سے رہ کے عیش کریگی۔ وہ بات میرے دل مین جم گئی۔ مجھے یقین ہے کہ یہ پیشین گوئی ضرور پوری ہوگی۔ اور مین صبر و تحمل کے ساتھ بیٹھ کے اُسکے پورے ہونے کا انتظار کرون گی۔ مجھ سے جھوٹا وعدہ نہین کیا گیا ہے۔ ہو کے

رہے گا۔ اور اُس کے ہوتے میں بیجا نگر کے محل میں جا کے اپنی زندگی نہ خراب کروں گی۔"

اب برہمن نے پرتھال کے والدین کو بیجا نگر کے درشنوں کا شوق دلانا شروع کیا۔ مگر پرتھال ہرگز راضی نہ ہوئی اور اپنی ہی ضد پر اڑی رہی۔ اس ملک میں مسلمانوں کی سلطنت تھی۔ اور فیروز شاہ بہمنی کے ایسے پُرسطوت و جبروت سلطان کا عہد۔ برہمن یا پرتھال کے ماں باپ کو اسکی جرأت نہ ہو سکی کہ اُسے جبراً بیجا نگر بھیجیں۔ آخر برہمن نے ناکام و شکستہ دل واپس جا کے راجہ سے سارا واقعہ بیان کر دیا اور کہا کہ افسوس اُس پر میرا کچھ زور نہ چل سکا۔

یہ ناکامی کا جواب سُن کے راجہ کی بیقراری و بیتابی نے جنون کی شان اختیار کر لی۔ اور یہ حالت ہو گئی کہ نہ گھر میں چین پڑتا تھا نہ وزراء کے دربار میں دل لگتا تھا۔ آخر جتنی فوج بیجا نگر میں موجود تھی اُسے ساتھ لے کے شکار کے بہانے کوچ کیا۔ اور سرحدی دریا تنگ بھدرا کے کنارے تک سفر کرتا ہوا چلا آیا۔ اب آگے دولت بہمنیہ کی قلمرو تھی اس لیے وہیں پڑاؤ ڈال دیا۔ اور بغیر اسکے کہ قدیم معاہدوں کا لحاظ کرے یا اپنی حالت و قوت کا اندازہ کرے ایک رات کو پانچ ہزار سوار دریا کے پار اُتار دیے۔ اور باوجودیکہ تمام وزرا اور مشیران سلطنت خلاف تھے اُن سواروں کو حکم دیا کہ تم دوڑا دوڑ گھوڑے بڑھاتے ہوے مضافات مُدگل کے اُس گاؤں تک چلے جاؤ جہاں میری مہ جبین پرتھال رہتی ہے۔ اُس کے گھر پر اچانک حملہ کر کے اُسے اپنی حراست میں کر لو۔ اسکے بعد فوراً پلٹ پڑو۔ اور اُسے لے کے ایسے اُڑو کہ تنگ بھدرا کے اِس پار دم لو۔" فوج والوں کو کیا عذر ہو سکتا تھا؟ بغیر اسکے کہ بہمنی سلطان کے عاملوں کو خبر ہونے پائے لگاتار منزلیں مارتے چلے گئے۔ اور مدگل کے علاقے میں پہونچ کے دم لیا۔

خدا کی قدرت! سواران بیجا نگر کی اس تاخت کی خبر اُن سے زیادہ تیز تگے اُڑتی چلی جاتی تھی۔ چنانچہ اُن کے پہونچنے سے ایک دن پہلے مدگل کے سارے جوار میں مشہور ہو گیا کہ بیجا نگر کے سوار لوٹتے مارتے چلے آتے ہیں۔ اور رعایا کے دل میں ایسی دہشت سمائی کہ سب لوگ گھر چھوڑ چھوڑ کے جنگلوں اور پہاڑوں میں بھاگ

بھاگ گئے۔ سب کے ساتھ پرتھال کا باپ سُنار بھی تمام گھر والون کو لے کے کہین
دُور پہاڑون مین چلا گیا۔ اور راجہ کی فوج نے جس کے ساتھ وہ برہمن بھی تھا بستی
کے تمام گھر ڈھونڈھ ڈالے مگر اُس گل رخسار اور اُس لعل بے بہا کا پتہ نہ لگا جس کے
شوق مین یہ ہڑدنگے کا کھیل کھیلا گیا تھا۔ مجبوراً سب کے سب ناکام و نامراد واپس
چلے۔ اور چونکہ ناکامی کا غصہ دلون مین بھرا ہوا تھا اس لیے واپسی مین راستے
کی بستیون کو لوٹتے مارتے اور کشت و خون کرتے ہوے تنگ بھدرا کے کنارے
پہونچے۔

اب اس بیباکانہ تاخت کی خبر مدگل کے حاکم فولاد خان کو ہوگئی جو سلطان
فیروز شاہ کی جانب سے اس علاقے کا عامل تھا۔ اُس نے فوراً تھوڑی سی آس
پاس کی فوج لے کے سواران بیجانگر کا تعاقب کیا۔ اور اُنھین رگیدتا ہوا دریاے
تنگ بھدرا تک چلا گیا۔ جہان تک پہونچتے پہونچتے دونون حریفون مین دو
لڑائیان ہوئین۔ پہلی لڑائی مین فولاد خان کو شکست کھا کے بھاگ جانا پڑا۔ مگر
دوسری لڑائی مین راجہ کی فوج کو شکست ہوئی۔ چنانچہ اپنی سرحد مین داخل
ہونے سے پہلے اُن کے بہت سے آدمی کٹ گئے۔ اور اپنی نامرادیون کا رونا
روتے ہوے وہ دریاے مذکور کے پار اُتر گئے۔

اب مخبرون نے اس ہنگامے کی خبر خود سلطان فیروز شاہ بہمنی کو پہونچائی۔
وہ سنتے ہی آگ بگولا ہو گیا۔ راجہ بیجانگر کی بدعہدی پر اُسے سخت غصہ آیا۔ اشتہارِ
جنگ دے دیا۔ اور فوراً ایک زبردست لشکر کے ساتھ کوچ کرکے تنگ بھدرا کے
پار ہوا۔ اور بیجانگر کی طرف لوٹتا مارتا ہوا چلا۔ راجہ کو مزاحمت کی جرأت نہ ہوئی۔
بیجانگر مین قلعہ بند ہو گیا۔ اور فیروز شاہ نے اُس کے دارالسلطنت کا محاصرہ کر لیا۔
بہمنی شہریار نے شہر پر پہونچتے ہی اتنا بڑا زبردست حملہ کیا کہ شہر کی پہلی فصیل مین
داخل ہو کے بیجانگر کے بعض محلون کو لوٹنے لگا۔ لیکن یکایک بیجانگر کے کرناٹکی
بہادرون نے اس طرح جان پر کھیل کے حملہ کیا کہ سلطان کی فوج کو ہٹا کے فصیل باہر
کر دیا۔ اور اُس کے بعد شہر پر قبضہ کرنا نہایت ہی دشوار ہو گیا۔

بیجانگر کوئی معمولی شہر نہ تھا۔ علاوہ راجہ کی جانبازانہ حمایت و مدافعت کے

قدرت نے اس کی مضبوطی یون کر رکھی تھی کہ چارون طرف بڑے بڑے پتھرون کی چٹانین تھین جنھون نے حریف کے لیے راستہ نہایت ہی خطرناک کر دیا تھا حریف جدھر سے یورش کرتا پتھر سد راہ ہوتے۔ فصیل پر سے تیرون اور پتھرون کی مار اُسے بالکل تباہ کر دیتی۔ راجہ نے نکل کے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اور ساتھ ہی بہمنی لشکر پر فصیل پر سے تیرون کی بوچھار ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان کا لشکر سخت نقصان اُٹھا کے پیچھے ہٹا۔ اور سنگستانی زمین سے ہٹ کے سب نے کھلے میدان مین پڑاو ڈالا۔ لیکن محاصرہ اُسی طرح قائم رکھا۔ اب راجہ اپنا لشکر لے کے میدان مین نہ آتا تھا۔ اور فیروز شاہ کے سپاہی فصیل کی طرف بڑھنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔

سلطان نے اب دوسری تدبیر شروع کی۔ اپنے امیر الامرا احمد خانخانان کو دس ہزار سوار دے کے حکم دیا کہ بیجانگر کے جنوبی علاقے پر تاخت کرے۔ اور امیر فضل اللہ انجو شیرازی کو برار کے لشکر کے ساتھ روانہ کیا کہ جا کے قلعہ بنکاپور کا محاصرہ کرے جو کرناٹک کا ایک زبردست قلعہ تھا۔ اور خود سلطان بیجانگر کا محاصرہ کیے پڑا رہا۔

راجہ دیورلے نے یہ حالت دیکھی تو بڑھ بڑھ کے سلطانی لشکر سے مقابلہ کرنا شروع کیا۔ چنانچہ چار مہینے مین آٹھ لڑائیاں ہوئین اور سب مین راجہ کو شکست کھا کے جانا پڑا۔ اُدھر امیر فضل اللہ نے اتنی مدت مین قلعۂ بنکاپور اور اُس کا سارا علاقہ فتح کر کے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور وہان سلطانی عامل چھوڑ کے واپس آیا۔ خانخانان نے اُس سے بھی بڑھ کے یہ کارروائی کی کہ کرناٹک کے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیا۔ اور ساٹھ ہزار لڑکون اور لڑکیون کو گرفتار کر لایا جو بیجانگر کے گرد سلطان کے سامنے پیش کیے گئے۔ اور ایک بہت ہی بڑا جشن سلطانی لشکرگاہ مین منایا گیا۔ اور خوشی کے نعرون کا غلغلہ اہل شہر کے کانون تک پہونچا۔

راجہ نے یہ حالت دیکھ کے اور فتح سے مایوس ہو کے گجرات۔ خاندیس اور مالوہ وغیرہ کو لکھا کہ اس نازک وقت مین میری کمک کرو۔ مگر کسی نے خبر نہ لی۔ اور سلطان نے جشن منانے کے بعد خانخانان کو راجہ کے مقابلے اور بیجانگر

کے محاصرے کے لئے یہین چھوڑ دیا - اور خود امیر فضل اللہ کو ساتھ لے کے قلعۂ اودنی کی طرف چلا جو اس سرزمین کا سب سے زبردست قلعہ تھا اور سارے کرناٹک کی آزادی و قوت کا دارومدار اسی قلعے پر تھا - یہ خبر راجہ کو پہونچی تو حد سے زیادہ پریشان ہوا - اس لئے کہ اودنی کا قلعہ اُسکی سلطنت کی ناک تھا - صاف نظر آ رہا تھا کہ اگر اُس قلعے کے بچانے کی پوری کوشش نہ کی گئی تو خود بیجانگر دشمنون کے قبضے مین ہو جائیگا - اور اگر بیجانگر کے محفوظ رکھنے کی تدبیرین کی جائین تو اودنی کو سلطان فیروز شاہ کا ایسا زبردست حملہ آور یقیناً فتح کر لے گا - آخر راجہ دیو رائے نے وزراء کو جمع کر کے مشورہ کیا - اور سب کی رائے یہ قرار پائی کہ اب فوراً صلح و اتحاد کی درخواست پیش کر دی جائے - جس پر عمل کیا گیا - اور قبل اسکے کہ خود سلطان فیروز شاہ قلعۂ اودنی کی طرف کوچ کرے راجہ دیو رائے کے معززین دربار ایلچی بن کے اُس کی خدمت مین حاضر ہوے - اور درخواست کی کہ اب مہاراج اپنی حرکت پر نادم ہو کے معافی چاہتے ہین - اور حضور کی طرف سے جو شرطین پیش ہون گی اُنکو قبول کرین گے -

(۲)

سلطان راجہ کی بے اعتدالی پر اس قدر برہم تھا کہ اُس کی درخواست کو کسی طرح قبول نہ کرتا تھا - ایلچیون نے بار بار التجا کی اور امیر فضل اللہ انجونے ہر مرتبہ زمین بوس ہو کے سفارش کی - آخر اپنے بہادر اور نامور سردار کی سفارش اُس نے قبول کی - اور ان شرطون پر راجہ کا قصور معاف کر دینے کا وعدہ کیا کہ (۱) دیو رائے اپنی بیٹی سلطان کی نذر کرے (۲) اُس کی سکھیاں کے ساتھ دس لاکھ ہن - پانچ من موتی - پچاس کوہ پیکر ہاتھی - دو ہزار لونڈی غلام جو لکھے پڑھے اور رقص و سرود کے فن مین باکمال ہون - پیشکش کیے جائین - (۳) قلعۂ بنکاپور کو کہ اُس پر سلطان ہی کا قبضہ ہے مگر وہ بھی راج کنور کے جہیز مین محسوب کر کے دولت بہمنیہ کی قلمرو مین شامل کر دیا جائے -

راجگان کرناٹک مین سے کسی نے اس وقت تک کسی غیر قوم حکمران خصوصاً ایک مسلمان سلطان کو اپنی بیٹی نہین دی تھی - مگر راجہ دیو رائے سلطان فیروز شاہ

بہمنی کا اس قدر دباؤ مان چکا تھا کہ اُسے طوعاً و کرہاً قبول ہی کرنا پڑا - اور جب بیٹی کا دینا اُس نے قبول کر لیا تو اور شرطوں کے منظور کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی تھی ؟ فوراً راج دُلاری کے رخصت کرنے کا سامان ہونے لگا - اور اُس کے لیے راجہ نے ایسا اہتمام کیا کہ ایسی بڑی دھوم دھام اس سے پہلے کبھی بیجا نگر میں نہیں دیکھی گئی تھی - سلطان کا خیمہ بیجا نگر کے پھاٹک سے سات فرسخ پر تھا لہذا سلطانی خیمے سے راج محل تک دو رویہ بازار لگ گیا - اور ایک عظیم الشان میلہ قائم ہو گیا - دُکانیں بڑے تکلف اور نہایت ہی زیب و زینت سے سجی گئیں جن کی آرائش میں ہندو مسلمان دونوں نے مل کے اپنے کمالات و ہنر اور اپنی نفاست مزاجی کا ثبوت دیا - یہ میلا مسلسل چالیس روز تک قائم رہا جس میں جا بجا پری جمال ماہ وشیں شب و روز رقص و سرود میں مصروف رہتیں - اور ایک خلقت انکے شمع رخسار کا پروانہ بنی رہتی - اکثر مقامات پر بازی گر اور مداری تماشا دکھاتے رہتے - رات بھر روشنی ہوتی رہتی - اور معلوم ہوتا کہ دونوں حریف قومیں رشتہ یگانگت قائم ہوتے ہی ساری تکرارں کو بھول کے عیش و عشرت میں منہمک ہو گئی ہیں -

سلطان کی طرف سے اُس کے بھائی احمد خان خانخانان اور امیر فضل اللہ انجو، بری کا جوڑا لے کے ایک باشان و شوکت شاہانہ جلوس اور برات کے ساتھ راج محل میں گئے - جو ایک ہفتہ تک ٹھہرائے گئے - اور نہایت ہی عظمت و شان سے اُن کی مہانداری کی گئی - ہفتہ گذرنے کے بعد شاہزادی رخصت کی گئی جس کی سکھپال پر سونے چاندی کے پھول لٹاتے ہوئے لشکر گاہ سلطانی میں لائے - سلطان کو بھی اپنی اس خوش نصیبی پر جوش آیا - دولھن کا ڈولا پہونچتے ہی اُس نے خزانے لٹا دیے - اور جس ایثار نفس - حسن و ادب - اور خلوص و اطاعت سے راجہ نے اس رسم کو ادا کیا تھا ویسی ہی فیاضی - گرمجوشی سے اُسکے عزیز ترین ہدیے کو قبول کیا - اور بے انتہا مسرور ہوا -

شادی ہو جانے کے بعد چوتھی کے طور پر راجہ نے سلطان کو اپنے محل میں بُلایا - فیروز شاہ نے اس کی درخواست قبول کی - لشکر گاہ کا انتظام خانخانان

کے ذمے چھوڑ کے دولھن شاہزادی کے ساتھ عظیم الشان جلوس اور اعلیٰ درجے کے کروفر سے بیجانگر میں گیا۔ راجہ نے بھی استقبال میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا پھاٹک سے راج محل تک تین فرسخ کی مسافت تھی۔ اس تمام راستے پر اطلس مشجر اور مخمل کا فرش بچھا ہوا تھا۔ اور ادھر ادھر طرح طرح کے قیمتی کپڑوں کے جوڑ لگا کے سارا راستہ گلزار سدا بہار بنا دیا گیا۔ خود راجہ پھاٹک تک استقبال کو آیا۔ اور داماد سے بغلگیر ہو کے اُسے اپنی شاہیت میں محل تک لے گیا۔ اس سارے راستے میں راجہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے جب تک سلطان گزرتا رہا دونوں جانب سے اُس پر پریجمال عورتیں اور نازک اندام خوبصورت لڑکے تھالیوں میں بھر بھر کے سونے چاندی کے پھول برساتے اور نچھاور کرتے رہے۔ راستے میں ایک مقام پر بیجانگر کے تمام اُمراو معززین نے جن میں مرد عورتیں سبھی تھے حاضر ہو کے حسب حیثیت روپے اور اشرفیاں نچھاور کیں۔ اور یوں ہی زر و جواہر لٹاتے ہوئے راج محل تک پاپیادہ اُس کے ہمراہ آئے۔

اس شان و شوکت اور اس دھوم دھام سے دونوں تاجدار راج محل کے دروازے پر پہونچ کے گھوڑوں سے اُترے۔ یہاں ایک مرصع و جواہرنگار سکھپال حاضر تھی۔ سلطان اُس میں سوار کرا کے حجلۂ عروسی میں پہونچایا گیا۔ جو خاص اُسی کے ورود کے لیے بنایا اور بڑے اہتمام سے آراستہ کیا گیا تھا۔ تمام امرا و اعزائے شاہی پاپیادہ سلطانی سکھپال کے جلو میں تھے۔ جن میں خود راجہ دیو رائے بھی تھا۔ سلطان کو یہاں تک پہونچا کے راجہ نے واپسی کی اجازت لی۔ اور تمام اعیان سلطنت کے ساتھ واپس گیا۔ سلطان اور اُس کی مہ جبین دولھن اپنے حجلۂ عیش میں مصروف عیش و عشرت رہے۔ اور تین دن اسی جشن طرب میں محو تھے۔ جس کے مزے کو سلطان شاید زندگی بھر نہ بھولا ہوگا۔

تیسرے دن سلطان نے واپسی کا ارادہ کیا تو راجہ نے حاضر ہو کے اسقدر سامان دولت اور اتنا ایک زر و جواہر نذر کیا جو اُس سے بدرجہا زیادہ تھا جو سلطان کی شرط کے مطابق شاہزادی کے ڈولے کے ساتھ بھیجا گیا تھا۔ اور اسی مناسبت سے اب جو شہنشاہ کی سواری اور شہنشاہ دولھن کی سکھپال راج محل سے روانہ ہوئی

تو اُس کی شان و شوکت اور اُس کا کر و فر پہلے سے بدرجہا زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ مشایعت کے لیے خود راجہ چار فرسخ تک سلطان کے جلو میں گیا۔ اور وہاں سے رخصت ہو کے اپنے شہر میں واپس آیا۔

لیکن باوجود استقبال کا اس قدر اہتمام کرنے کے راجہ کے دل میں اپنی بیعزتی و رسوائی کا ایسا گہرا زخم لگا تھا کہ ضبط کیے پر بھی کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا جس سے اُس کا دلی صدمہ ظاہر ہو جاتا۔ چھتری نسل کا ایک عظیم الشان راجہ تھا جسکے عظمت و جبروت کو سارا ہندوستان مانے ہوئے تھا۔ سلطان سے رخصت ہوتے وقت اُسے غیرت کا کچھ ایسا جوش آ گیا کہ چھتریوں کے اکڑپن کے لہجے میں چند ایسی باتیں کیں کہ سلطان کو اُس کے الفاظ اور اُس کا گستاخانہ لہجہ سخت ناگوار ہوا۔ اور راجہ کا سب کیا دھرا بگاڑ ہو گیا۔ چنانچہ راجہ کے واپس جاتے ہی سلطان نے امیر فضل اللہ انجو سے (جو ہمراہ رکاب تھا اور اُسی کی سفارش سے اُس نے یہ صلح قبول کی تھی) غصے کے لہجے میں کہا "شرط تو یہ تھی کہ دیو رائے ہمیں ہمارے خیمے تک پہونچائے گا۔ یہ راستے میں سے کیوں پلٹ گیا؟" اسکے بعد آپ ہی دل میں کچھ سوچ کے کہا "خیر مضائقہ نہیں۔ سمجھا جائے گا۔" سلطان کے یہ الفاظ راجہ دیو رائے کے گوش گذار ہوے تو طیش میں آ کے اور بگڑا۔ اور کچھ اور سخت و سست الفاظ زبان پر لایا۔ بہرحال انجام یہ ہوا کہ ایسی قرابت ہو جانے اور مہمان داری و دعوت میں ایسی فیاضی دکھانے پر بھی دونوں تاجداروں کے دل نہ صاف ہوے۔ مگر ملال صرف دلوں میں رہا اسوقت کوئی اور جھگڑا نہیں پیدا ہوا۔ صلح کے تمام شرائط پر عمل درآمد ہو گیا۔ اور سلطان نے اپنے خیل و حشم اور نئی دولھن کے ساتھ اپنے دارالسلطنت فیروزآباد کی راہ لی۔

چونکہ یہ سب واقعات پرتھال ہی کے حسن عالم آشوب کے کرشمے تھے اس لیے ہم نے ان کو تفصیل سے بیان کر دیا۔ خود ان کے بیان میں اس درجہ مصروف ہوے کہ پرتھال کا خیال ہی ذہن سے اُتر گیا۔ اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اس لیے کہ لڑائی کی شورش میں راجہ دیو رائے بھی اُسے بھولا ہوا ہے۔ مگر ہمیں افسوس تو اس بات کا ہے کہ اتنا سب ہوا۔ ہزارہا خلقت کٹ گئی۔ اور

راجہ دیوپالے کی راج دلاری تک سلطان فیروز شاہ کی دولھن بن گئی مگر دیوپالے کی آرزو نہ بر آئی۔ اُسے کسی طرح اُس مہ پارہ سنادن کا جلوہ دیکھنا نہ نصیب ہوا۔

سلطان کو اثنائے فوج کشی میں معلوم ہوگیا تھا کہ راجہ نے بھنی قلمرو میں ملک گیری کے خیال سے نہیں بلکہ پریچال پرتھال کے شوق وصال میں قدم رکھا تھا جس سے محروم رہا۔ گھر پہونچ کے اُسے شوق ہوا کہ مدگل کے سنار کی اُس خوبصورت لڑکی کو دیکھے۔ فوراً ایک سردار تھوڑی سی فوج کے ساتھ بھیجا گیا جو عزت اور قدر و منزلت کے ساتھ پرتھال اور اُس کے ماں باپ کو لے آیا۔ فیروز شاہ نے جو اس کا قرابۃ لڑکی کی صورت دیکھی اور اُس کا گانا سُنا تو غش غش کرگیا بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فتبارک اللہ احسن الخالقین"۔ اور دیر تک اُس کے حسن و جمال کی تعریف کرتا رہا۔ اسکے بعد کہا "میں اب بوڑھا ہوں۔ اس لیے اگر اپنے محل میں رکھوں تو اس پر اور اسکے عدیم المثال حسن و جمال پر ظلم ہوگا۔ اس لڑکی کا ابھی عنفوان شباب ہے اور اسی طرح میرے فرزند حسن خان کی رگوں میں بھی جو نہایت ہی خوش جمال ہے۔ آغاز جوانی کا پُر جوش خون دوڑ رہا ہے۔ لہذا میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کی شادی اُسی کے ساتھ کر دی جائے۔"

یہ تجویز کرتے ہی سلطان نے پرتھال کو اپنی بچی کے حوالے کیا کہ اسکی شادی کا اہتمام شاہانہ شان و شوکت سے کرے اور عقد کی تاریخ مقرر کرکے خود حسن خان کو بڑے کر و فر اور حشمت و شکوہ سے دولھا بناکے بچی کے گھر برات لے گیا۔ اور مہ جمال پرتھال کو سلطنت بھنیہ کی عالی مرتبہ بہو بنا کے بیاہ لایا۔ پرتھال کو معلوم ہوا کہ میرے خواب کی تعبیر تھی۔ اور آرزو مندی و مقصدوری کے ساتھ عالیمرتبہ مسلمان شاہزادیوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔ جس کی طرف اُس کے دل کو پہلے ہی سے رجحان تھا۔ اور خود ہی پردہ کرنے لگی تھی۔

شاید ایسی عدیم المثال اور بے نظیر دولھن کے ملنے ہی کا نتیجہ تھا کہ حسن خان کو بجز عیش و عشرت اور رقص و سرود کے دنیا و مافیہا سے کوئی سروکار نہ تھا۔ رات دن محبوبۂ مہ جبین کے آغوش میں بیٹھا رہتا اور اُس کے ناز و ادا کا لطف اُٹھایا کرتا۔ نہ سلطنت سے سروکار رکھتا نہ حکمرانی کی لیاقت اُس میں

پیدا ہو سکی - فیروز شاہ نے آخر زندگی میں بہت سر مارا اور اُسے اپنا ولیعہد بنا دیا
مگر سلطنت اس کی تقدیر میں نہ تھی - فیروز شاہ کا بھائی خانخاناں اُس کی زندگی
میں بادشاہ بن گیا - بیٹے کی محبت میں بادشاہ بھائی کا
دشمن ہو گیا - اور خود فوج لے کے اُس کے سامنے صف آرا
ہوا - فیروز شاہ اُن دنوں سخت بیمار تھا - اثنائے جنگ میں اتفاقاً اُسے
غش آیا - لشکر میں اُس کی موت کی خبر اُڑ گئی - اور خود اُس کی فوج والے -
اُس کا اور ولیعہد کا ساتھ چھوڑ چھوڑ کے خانخاناں سے جا ملے - ہوا کا رُخ
پلٹا دیکھ کے حسن خان اور دیگر سردار بادشاہ کے نیابے کو قریب کے ایک قلعے
میں اُٹھا لے گئے - اور خانخاناں نے بڑھ کے اُس قلعے کا محاصرہ کر لیا -

اب فیروز شاہ کو ہوش آیا - اور واقعات جنگ سُنے تو اپنی بے دست و
پائی پر متعجب ہوا - اور فرزند سے کہا "بیٹا - میں نے بہت کوشش کی - مگر اس کو
کیا کروں کہ سلطنت تمہاری قسمت میں نہیں ہے - اب بھائی سے لڑنا قسمت
سے لڑنا ہے - قلعے کے پھاٹک کھول دو - اور خانخاناں سے کہو کہ فاتحانہ شان
سے اندر آئے" اس حکم پر عمل کیا گیا - اور خانخاناں آ کے صاحب تاج و سریر
بھائی کے سرہانے کھڑا ہو گیا - بیمار و ناتوان بادشاہ سرکش بھائی کی صورت دیکھتے
ہی زار و قطار رونے لگا - اور کہا "تاج و تخت تمہیں مبارک - محبت پدری کے
تقاضے سے میں نے اپنے فرزند کے لیے ولیعہدی کی کوشش کی - مگر چونکہ خدا کو
منظور نہ تھا اس لیے ناکام و نامراد رہا - بس اب آج سے تم ہی صاحب تاج و
دیہیم ہو - اور میں اپنے فرزند حسن خان اور ساری رعایا کو تمہارے سپرد
کرتا ہوں"

بس اُسی دن یعنی ۵ - شوال ۸۲۵ھ کو خانخاناں نے تاج شاہی سر پر رکھا -
اور "احمد شاہ بہمنی" کے لقب سے حکومت کرنے لگا - دس دن بعد یعنی اُسی مہینے
کی ۱۵ تاریخ فیروز شاہ نے دنیا کو رخصت کیا - اور اُس کی وصیت کے مطابق نئے
فرمان روا احمد شاہ بہمنی نے سوچنا شروع کیا کہ بھتیجے یعنی حسن خان کے ساتھ کیا
سلوک کرے - بعض مشیروں نے رائے دی کہ اس شاہزادے سے مطمئن نہ رہنا

چاہیے - اُسے یا تو قتل کرنا چاہیے - یا اُس کی آنکھیں نکلوا ڈالی جائیں - مگر احمد شاہ نے اس صلاح کو نہ مانا - بلکہ بھتیجے کو پانصدی عزت سے سرفراز کیا - اُس کے ساتھ دریاے ستلج بھدرا کے کنارے قلعۂ فیروز آباد اُسے بطور جاگیر عطا کیا - اور کہا اُس خوش سواد قلعے میں جس کی فضا میں دریاے ستلج بھدرا نے جان ڈالدی ہے بیٹھ کے تم عیش کرو - اپنی محبوبہ کے حسن سے لطف اٹھاؤ - قلعے کے بُرجوں سے عالم کی بہار دیکھو - سیر و شکار کا شوق ہو تو گرداگرد دو فرسخ تک جا کے لطف شکار اٹھا سکتے ہو - اور اس سے زیادہ دُور جانے کو جی چاہے تو مجھ سے اجازت لے لینا -

حسن خان بھی دل سے یہی چاہتا تھا - اس خلوت کدۂ عیش میں بیٹھا تو پھر مر کے وہاں سے نکلا - اور ہمیں نہیں معلوم کہ اسکے بعد اُس کا اور اُسکی مہ جبین محبوبہ پر تھال کا کیا حال ہوا -

دیدون (ملکۂ سور)

ہم میں بہت کم لوگ ہیں جنھوں نے "سریانی" زبان کا نام نہ سنا ہو - مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ زبان کہاں کی اور کس قوم کی تھی - ارض شام کے ساحلی شہروں میں "طائر" نام ایک شہر ہے جو اگلے دنون "سُور" کے نام سے مشہور تھا - یہاں قدیم الایام میں ایک قوم آباد تھی جو "فینیقی" لوگ کہلاتے تھے - انھیں لوگوں کا دارالسلطنت یہ قدیم شہر سُور تھا - یہ لوگ بنی اسرائیل کے رقیب اور اُن سے پیشتر سے یہاں آباد تھے - دنیا میں سب سے پہلے اسی قوم نے تجارت کے ذریعے سے زبردست سلطنت پیدا کی - اور جہازرانی میں کمال حاصل کیا - اسی قوم اور اسی شہر سُور کی قدیم زبان سُریانی تھی اور یہیں کی ملکہ دیدون تھی جس کا زمانہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ۱۴۹۲ برس پیشتر تھا -

دیدون سُوریہ یعنی علاقۂ سُوریا کے بادشاہ بقلوس کی بیٹی اور مقام ہرقلیس کے دولتمند کاہن سقیہ کی جورو تھی - حسن و جمال میں ملکوں ملکوں اُس کا شہرہ تھا - اور مروت و اخلاق میں اپنی ساری قوم کی سرتاج تھی - دیدون کے بھائی بگالیون نے جاہ و دولت کی ہوس میں اُس کے شوہر کو مار ڈالا - شوہر کے ماتم میں سوگوار تھی کہ خواب میں

دیکھا آنجہانی شوہر آکے کہہ رہا ہے "تم صُور چھوڑ کے کہیں اور چلی جاؤ"۔ محبت والی جورو کے لیے اتنا اشارہ کافی تھا۔ پہلے پوشیدہ اپنا تمام قیمتی مال و اسباب اور اپنی ساری دولت کرناتام ایک مقام میں پہونچادی جو سورا اور صیدا کے درمیان واقع تھا۔ پھر اپنے دوستوں اور طرفداروں کو لے کے جہاز پر سوار ہوئی۔ لنگر اُٹھا دیا۔ اور شمالی فنیقیہ کا رخ کیا۔

اثنائے سفر میں جزیرۂ صقلیہ پر گذر ہوا۔ وہاں ایک عید کا دن تھا۔ ساحل پر میلا لگا تھا۔ اور شہر کی حسین و نازنین لڑکیاں کھیل کود رہی تھیں کہ ناگہاں مردوں نے بری چالوں کے جھرمٹ پر نرغہ کر دیا۔ اور جسے جو لڑکی پسند آئی اسکو بے تکلف پکڑ لے گیا۔ یہ تماشا دیکھ کے ویدون نے یہاں سے بھی کوچ کیا۔ اور آگے کی راہ لی۔

اب اُس کے جہاز جزیرۂ صقلیہ کے محاذی ساحل زوجیتا میں پہونچے جو اُن دنوں افریقیہ کا ایک ساحلی علاقہ تھا۔ یہاں کا فرمان روا ایارباس نام ایک بیدار مغز بادشاہ تھا۔ ویدون نے اُس کی قلمرو میں لنگر انداز ہو کے اُس سے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی اجازت مانگی۔ ایارباس نے باج گذار بن کے رہنے کا وعدہ لے کے اجازت دیدی۔ اور ویدون نے بصرہ نام ایک قلعہ تعمیر کیا۔ سُریانی قلعہ کو بصرہ کہتے تھے مگر یونانیوں نے چند روز بعد بصرہ کو اُلٹ کے برسہ بنا دیا۔ جسکے معنی اُن کی زبان میں بیل کے چمڑے کے ہیں۔

چند روز بعد ویدون نے ساحل موریطانیہ (مراکو) پر وہاں کے بادشاہ سے ایک قطعۂ زمین مول لے کے اُس پر مشہور تاریخی شہر قرطاجنہ آباد کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ویدون قرطاجنہ (کارتھیج) ہی نہیں کارتھیج کی زبردست سلطنت کی بھی بانی ہوئی۔

اسی زمانے میں شاہ ایارباس اُس کا عاشق شیدا ہو گیا۔ بہ رضا و رغبت یا بہ جبر و اکراہ اُس سے شادی کرنے پر آمادہ ہوا۔ اور بار بار پیام دینے لگا۔ اس شاہی پیام کی وجہ سے ویدون عجب مشکل میں پڑ گئی۔ ایک طرف تو اُس نے اپنے آنجہانی شوہر سے قسم کھا کے وعدہ کیا تھا کہ تمھارے بعد میں کسی اور کی نہ ہوں گی۔

دوسری طرف بادشاہ وقت پیچھے پڑا ہوا تھا کہ جس طرح ہوسکے میری ملکہ ہو۔ جب اس تحریک میں اصرار ہوا تو اُس نے مجبوراً نکاح کا وعدہ کرلیا۔ مگر تقریب شادی کا سامان کرنے کے لیے تین مہینے کی مہلت مانگی۔ شاہ آیارباس نے یہ مہلت منظور کی۔ اور دیدون جشن لگانے اور شادی کا سامان کرنے لگی۔ یہان تک کہ تین مہینے گذر گئے۔ رعایا کو دھوم کے جلسے دیکھنے اور بادشاہ کو وصال محبوبہ سے شاد کام ہونے کا وقت آیا تو مدت معہودہ کے آخری دن دیدون ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گئی۔ اور اُس کی چوٹی پر کھڑی ہو کے اپنے کلیجے میں خنجر بھونک لیا۔ اور شہر قرطاجنہ کے ساتھ عورتون کی وفاداری کا ایک بے نظیر نمونہ اپنی یادگار چھوڑ گئی۔

دیدون کے حالات بتا رہے ہین کہ وہ کوئی معمولی عورت نہ تھی۔ وہی تھی جس نے سواحل شام سے جا کے شمالی افریقہ مین وہ زبردست سلطنت قائم کی جو مدت دراز تک رومی عظمت و جبروت کی حریف مقابل رہی۔ ہنی بال کے کارنامے اصل پوچھیے تو اسی دیدون کے حسن و جمال اور زلف گرہگیر کے آخری نمونے تھے دنیا کو اُس مکاری کے تمدن سے بچانا چاہتے تھے جو رومیون کی ترقی سے پیدا ہوا۔ اور جس نے کامیاب ہو کے ساری دنیا کے اخلاق کو خراب اور غارت کر ڈالا۔

ارشد امیہ

(یونان کی ایک بہادر خاتون)

حضرت سرور کائنات علیہ السلام سے ساڑھے آٹھ سو برس پیشتر یونان کا آخری اور زوال پذیری کا زمانہ تھا۔ اُن دنون رومی جزیرہ نمائے اٹالیہ میں اپنی قوت بڑھا رہے تھے۔ اور یونان کی تہذیب و شجاعت کی تاریخ ختم ہو چکی تھی۔ اُسی زمانے مین ایپا برس مین پیرہوس نام ایک جنگ طلب فرمان روا تھا۔ جس کا عہد سلطنت ۲۶۶ قبل محمد سے شروع ہوا۔ وہ محض اس لیے کہ اسکے آبا و اجداد سکندر اعظم کی ماں کے ہم نسب تھے۔ چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو دوسرا سکندر ثابت کرے! مگر حوصلہ ہی حوصلہ تھا۔ سکندر کا سا استقلال اور اُس کی سی دانائی و فراست

کہاں سے لاتا؟ ممالک غیر پر حملہ کرنا درکنار یونان کے قدیم نامی شہروں پر بھی قبضہ نہ پا سکا۔

یونان اِس زمانے میں مٹ چکا تھا۔ نہ ایتھنز میں وہ اگلا علم وفضل تھا اور نہ اسپارٹا میں وہ اگلی شجاعت۔ مگر اسپارٹا پر حملہ کیا تو وہاں کے لوگ اپنی گذشتہ عظمت کو یاد کرکے فرشتے اور مرنے مارنے پر تیار ہوگئے اور انھوں نے قطعی ارادہ کرلیا کہ اپنی تمام عورتوں کو محفوظ رکھنے اور حریف کی دست برد سے بچانے کے لیے جزیرۂ اقریطش (کریٹ) میں بھیجدیں اور خود وطن کی حمایت میں جان پر کھیل جائیں۔

اسی نازک زمانے میں یہ مذکورہ یونانی خاتون اسپارٹا میں تھی اور اپنے شہر کی اُن گذشتہ ناموریوں سے واقف تھی جو لوح زمانہ پر ثبت تھیں۔ اسپارٹا کی سینٹ یعنی مجلس حکمرانی نے جیسے ہی یہ فیصلہ کیا کہ ساری عورتیں حفاظت کے لیے کریٹ میں بھیجدی جائیں۔ آرشدامیہ کو طیش آگیا۔ جوش کے ساتھ ایک تلوار اُٹھالی۔ اُسے کھینچے ہوے قصر حکومت میں گھس پڑی۔ اور ارکان مجلس سے جوش وخروش کے لہجے میں کہا "اسپارٹا کی عورتیں اپنے ملک کی تباہی کے بعد زندہ نہیں رہنا چاہتیں۔ بلکہ وہ بھی مردوں کی طرح وطن کی حمایت میں لڑیں گی۔ اور کامیاب نہ ہوئیں تو لڑکے مرجائیں گی"۔

اُس کی ہیئت کذائی۔ اُس کے جوش وخروش۔ اُس کی شعلہ بار آنکھوں۔ اُسکے تمتاتے ہوے سرخ گالوں کو دیکھ کے تمام ارکان مجلس سناٹے میں آگئے۔ دیر تک خاموشی رہی۔ پھر ارکان حکومت نے اُس کو اِس ارادے سے روکنا چاہا اور سمجھایا۔ مگر جو جو سمجھاتے ارشدامیہ کا جوش بڑھتا جاتا۔ اور آخر نظر آیا کہ اُس کا جوش شجاعت ایک برقی لہر کی طرح اسپارٹا کی تمام عورتوں میں دَوڑ گیا ہے۔ اور سب اُس کی ہم خیال وہم آہنگ ہیں۔ اب بھلا کیونکر ممکن تھا کہ ایسی فدائے وطن عورت اور اُس کی جانباز ساتھ والیاں ایسے نازک وقت پر اپنی مرضی کے خلاف اپنے محبوب وطن سے جدا کی جائیں؟ چنانچہ وہی سینٹ جس نے ابھی ابھی یہ قانون پاس کیا تھا کہ عورتیں کریٹ میں بھیجی جائیں اُسی نے اپنی اس تجویز کو منسوخ کیا۔ اور کہا گیا کہ "عورتیں چاہتی ہیں تو اُنھیں لڑنے دو"۔

اس حکم کو منسوخ کرانے کے بعد ارشدامیہ نے اسپارٹا کی بہادر و جانباز اور سرفروش و سرکف عورتوں کو جمع کرکے اُن کا ایک لشکر مرتب کیا۔ اُنھین دو ہی چار روز مین لڑنے کے قابل بنا لیا۔ اور جب پیرہوس کا لشکر اسپارٹا پر آیا ہے۔ اور اسپارٹا چارون طرف سے محصور ہو گیا ہے تو وہان کے دلیر و شجاع مردون کے دوش بدوش یہ عورتین بھی جوہر شجاعت دکھا رہی تھین۔ یا تو اس زبردست حملہ آور کی دہشت سے اسپارٹا والون کا یہ حال تھا کہ عورتون اور بچون کو ایک دوسرے جزیرے مین بھیجے دیتے تھے اور یا عورتون کی مدد سے اُنھون نے دشمنون کو متواتر شکستین دین۔ اور اس قدر پریشان کیا کہ آخر پیرہوس عاجز آ کے ناکام و نامراد واپس گیا۔ اور اہل شہر کو تسلیم کر لینا پڑا کہ اس موقع پر حمایت وطن کا نہایت ہی اعلیٰ جوہر ارشدامیہ اور اُس کی زنانی فوج سے ظاہر ہوا۔

اسپارٹا سے نامراد واپس جانے کے بعد ۲۷۲ قبل محمد مین پیرہوس نے یونان کے شہر ارگوس پر حملہ کیا۔ اس مہم مین وہ نہایت ہی شجاعت سے حملہ کرکے شہر کے اندر گھس پڑا۔ اور سڑکون پر لڑائی ہو رہی تھی کہ ایک مقام پر پیرہوس کو دلیری سے شمشیر زنی کرتے دیکھ کے ایک عورت نے کوٹھے پر سے ایک بڑا سا کھپرا اُسکو کھینچ مارا۔ جس نے آہن پوش پیرہوس کے ساتھ وہی کام کیا جو حضرت داؤدؑ کی گوپھن کے پتھر نے زبردست فلسطینی پہلوان جالوت کے ساتھ کیا تھا۔ یہ کھپرا پڑتے ہی پیرہوس گرا اور وہین ڈھیر ہو گیا۔

غالباً یہ کھپرا بھی اُسی برقی لہر کا ایک کرشمہ تھا جو ارشدامیہ کی تحریک سے تمام یونانی عورتون کے دلون مین دوڑ گئی تھی۔ خلاصہ یہ کہ عورتون ہی کی مستعدی نے پیرہوس کے حملے کو ناکام و مسترد کیا۔ اور آخر اُنھین کے ہاتھ سے وہ مارا گیا۔

مہ جبین رُوم لُقریطیہ

لُقریطیہ رومۃ الکبریٰ کے عہد قدیم کی ایک نامور حسینہ و عفیفہ تھی۔ حاکم روم لُقریطیوس کی بیٹی اور قلاطینوس نامی ایک رومی سردار کی بیوی تھی۔ اُن دنون روم پر ایک بیرونی قوم و نسل کے بادشاہ طارکوئین کا قبضہ تھا جس نے رومیون کو اپنا

غلام بنا کے نہایت ہی ذلیل و خوار کر رکھا تھا۔ گر لقریطیہ کے شوہر قلاطینوس سے شاہ طارکوئن سے قرابت تھی جس کے باعث دونوں میاں بیوی نہایت معزز سمجھے جاتے۔ اور شاہزادوں اور شاہزادیوں کے ہم مرتبہ تھے۔

اتفاقاً طارکوئن کے حکم سے قلعۂ آردیہ کا محاصرہ کیا گیا جو روما سے ایک منزل سے زیادہ مسافت پر نہ تھا۔ وہاں طارکوئن کے تین بیٹے اور لقریطیہ کا جوان سال شوہر قلاطینوس محاصرہ کیے پڑے تھے کہ ایک رات کو کھانے پر چاروں میں اپنی اپنی بیویوں کی دانائی و قابلیت پر بحث ہوئی۔ ہر ایک اپنی بیوی کی خوبیاں بڑھا بڑھا کے بتاتا۔ اور اُسے سب کی بیبیوں پر ترجیح دیتا۔ آخر یہ طے قرار پائی کہ علی الصباح چاروں گھوڑوں پر سوار ہو کے روما میں جائیں اور دیکھیں کہ اُنکی بیویاں اپنے گھروں میں کیا کر رہی ہیں اور کن کاموں میں مشغول ہیں؟

دوسرے دن چاروں روما میں جا پہنچے۔ اور چاروں نوجوانوں نے دیکھا تو شاہ طارکوئن کی تینوں بہوئیں تو اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتی اور لہو ولعب میں مصروف ملیں مگر لقریطیہ کو دیکھا کہ اپنی ہم سن سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی ایک سادگی و نازنینی کی ادا سے اُون کات رہی ہے۔ اس امتحان کے نتیجے میں سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ چاروں عورتوں میں اچھی اور قابل قدر لقریطیہ ہے۔ اور اُس کی خوبی کا اعتراف کر کے چاروں نوجوان پھر قلعۂ آردیہ کے گرد اپنے پڑاؤ میں چلے گئے۔

لیکن اس دلگی کے مناظرے اور جوروؤں کے مقابلے میں ایک نیا فتنہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ یہ کہ جھگڑے کے فیصلے کے لیے چاروں نوجوانوں نے ایکدوسرے کی جوروؤں کو دیکھا تو طارکوئن کا بڑا بیٹا سکسٹوس جو ایک ضدی نفس پرست۔ اور خواہشات نفسانی کا بندہ تھا۔ لقریطیہ کا جمال جہان آرا دیکھتے ہی ایک جان چھوڑ ہزار جان سے اُسیر فریفتہ ہو گیا۔ اور دل میں ٹھان لی کہ چاہے آبرو جائے یا رہے۔ بدنامی ہو یا نیکنامی۔ اور اصول اخلاق کے موافق ہو یا مخالف میں اس بے نظیر پری وش کے حسن کا مزہ ضرور لوٹوں گا۔

چنانچہ دو چار روز بعد بہلا وا دے کے ایک دن چپکے سے محاصرے کے پڑاؤ

سے روم میں آیا۔ اور سیدھا لُقریطیہ کے پاس جا کے اُس کا مہمان ہوا۔ لُقریطیہ شہزادہ سمجھ کے اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ نہایت ہی خاطر و تواضع سے پیش آئی اور اُس کے ٹھہرانے کے لیے بہت تکلف کا سامان کیا۔ رات کو کھانا اُسکے ساتھ کھایا۔ اور جب سونے کا وقت آیا تو اُسے اُس کمرے میں پہونچا کے جو اُس کے لیے آراستہ کیا گیا تھا اپنی خواب گاہ کے کمرے میں گئی۔

جب آدھی رات سے زیادہ گذر گئی اور سکسطوس کو یقین ہوا کہ سب گھر والے سو گئے ہیں شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوے اپنے کمرے سے نکلا۔ اور دبے پاؤں جا کے لُقریطیہ کے کمرے میں گھس پڑا۔ آہستہ سے اُسے جگایا۔ اور اظہارِ عشق و فریفتگی کر کے اُسے بہلانے پھسلانے لگا۔ مگر صاحب عفت لُقریطیہ نے صاف انکار کیا۔ اور پہلے تہذیب و ادب سے پھر ناراضی و ناگواری سے اُسے سمجھانے لگی کہ اس ارادے سے باز آ۔ مگر ضدی سکسطوس پر کیا اثر ہو سکتا تھا؟ جب لُقریطیہ کو یوں راضی نہ پایا تو ڈرانے دھمکانے لگا۔ مگر دھمکی بھی کارگر نہ ہوئی۔ اودھر سے جس قدر اصرار ہوتا تھا اُسی قدر اُدھر سے ضد اور نفرت بڑھتی جاتی تھی۔ آخر سکسطوس نے طیش کے لہجے میں کہا "تم نے میرا کہنا نہ مانا تو تمھیں اسی وقت مار ڈالوں گا۔" لُقریطیہ نے غیر معمولی استقلال سے اس کا یہ جواب دیا کہ "مار ڈالو۔ میں جان دوں گی مگر آبرو نہ دوں گی۔" سکسطوس اب اور برافروختہ ہوا اور بولا "اچھا میں تمھاری جان بھی لوں گا اور آبرو بھی۔ پہلے تم کو قتل کروں گا۔ پھر تمھارے حبشی غلام کو جو دوسرے کمرے میں موجود ہے مار دوں گا۔ اور اُس کی لاش کو تمھاری لاش کے برابر لٹا کے غل مچا دوں گا کہ میں نے تم کو اپنے سیہ فام غلام کے ساتھ ہم آغوش دیکھا۔ اور مارے غیرت کے دونوں کو مار ڈالا۔ انجام یہ ہو گا کہ میری سب میں تعریف ہو گی۔ اور تم پر سارے شہر میں تھڑی تھڑی ہو گی۔ اپنے شوق اور اپنی آرزو میں نامراد البتہ رہوں گا۔ مگر تمھارے دس خوبصورت چہرے میں بھی قیامت تک کے لیے بے عصمتی و رسوائی کی کالک لگا دوں گا۔"

یہ اس بلا کی دھمکی تھی کہ لُقریطیہ کانپ گئی۔ چنانچہ اس موقع پر اُس کی اخلاقی شجاعت نے کمزوری دکھائی۔ اور اُس کے پائے استقلال کو لغزش

ہو گئی۔ ہاتھ پاؤں ڈال دئے۔ اور مجبور ہو کے بد اخلاق دشمن عصمت کو اپنی خواہش پوری کرنے کا موقع دیدیا۔ غرض سکسٹوس اپنی ضد پوری کر کے اپنے گھر سے بہن گیا۔ اور صبح ہوتے ہی خوش خوش اپنی کامیابی پر ناز کرتا ہوا کیمپ میں واپس لیا۔

اُسی صبح کو لُقریشیہ نے آدمی بھیج کے اپنے سُسرے اور شوہر کو بلا بھیجا اور جیسے ہی آئے اُن کے سامنے رات کی سرگذشت بلا کم و کاست بیان کر دی دونوں کو شدید صدمہ ہوا۔ سکسٹوس سے انتقام لینے کا وعدہ کیا اور اُس کے شکستہ دل کو تسلی دینے لگے۔ مگر دیکھا تو اُس کی وحشت کسی طرح کم ہونے کو نہین آتی۔ آخر کمال یاس کے لہجے مین بولی "تم بےشک انتقام لے لو گی۔ مگر تمہارے انتقام لینے سے مجھے اپنی کھوئی ہوئی آبرو نہین مل سکتی"۔ یہ کہتے ہی جوش کے ساتھ خنجر کھینچ لیا۔ جسے پہلو مین چھپائے ہوے تھی۔ اور ایک ہی ہاتھ مین سینہ اور دل چاک کر کے گری اور تڑپ کے مر گئی۔

اس واقعے نے لُقریشیہ کے شوہر اور سسرے کو ایسا جوش دلایا کہ اُسی وقت انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوے۔ تمام رومی رعایا نے اُن کا ساتھ دیا۔ اور طارکوئین کے لیے یہ ایسا بدنام کرنے والا واقعہ تھا کہ خود اُس کا سگا بھتیجا بروٹس بھی لُقریشیہ کے خون کا انتقام لینے والوں مین آکے شریک ہو گیا۔ آخر شاہ طارکوئین کے خلاف لوگوں مین ایسا جوش و خروش پیدا ہوا کہ اُس سے اور اُسکے تمام خاندان والوں سے سوا بھاگ کھڑے ہونے کے کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اُس کے جاتے ہی رومیوں مین جمہوری سلطنت قائم ہو گئی۔ اور وہ بادشاہوں کی غلامی کرنے سے آزاد ہو گئے۔ جو دراصل اُسی لُقریشیہ کی عصمت و شرافت کی برکت تھی۔

۵۱۰ قبل مسیح مین لُقریشیہ نے جان دی تھی اور ۵۰۹ قبل مسیح مین خاندان طارکوئین کا کہین پتہ نہ تھا۔ اور رومی قوم جمہوریت کے آغوش مین پرورش پا رہی تھی۔

نینون لانکلون

یعنی لانکلون والی "نینون" یہ ایک عجیب مذاق اور عجیب و غریب قابلیت کی

نامور فرانسیسی خاتون تھی - جو آج سے تین سو برس پیشتر ۱۶۱۶ء مین خاص دار السلطنۂ
فرانس پیرس مین پیدا ہوئی تھی - بچپن ہی مین ایسی حسینہ وجمیلہ اور پری جمال وحور
تمثال تھی کہ دیکھنے والے غش غش کر جاتے - اسکے ساتھ ایسی شوخ چلبلی اور عشوہ
ساز تھی کہ جو دیکھتا بیساختہ زبان سے نکل جاتا ع اب تو فتنہ ہے کوئی دن
مین قیامت ہوگی -

ماں چاہتی تھی کہ کسی خانقاہ رہبان کی تعلیم گاہ مین داخل کر کے اُسے
مذہبی زندگی کی تعلیم دلائے - مگر باپ عیاش طبع رنگین مزاج اور ریاکار پادریون
کے خلاف تھا - بیٹی کے لیے ثقاہت کی راہبانہ زندگی نہ پسند کی - اور اس کی
تعلیم کے لیے دوسرے ذرائع اختیار کیے - لیکن پندرہ ہی سال کی تھی کہ سر پر سے
ماں باپ دونون کا سایہ اُٹھ گیا - اور اپنی دنیوی زندگی کے لیے اُسے بغیر کسی رہبر
کے خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑا -

بلوغ کے بعد ہی اُس کا حُسن وجمال یک بیک ایسا نکھر آیا اور اُسکے نازو
انداز مین ایسی دلربائیان پیدا ہوگئین کہ اُس کی چشم فتان کا تیر جس پر پڑ جاتا کلیجے
کے پار ہوتا - یک بیک سارے فرانس مین اُسکی کافرماجرائی کا چرچا ہونے لگا اور
فرانس کے وضعدار اور شوقین امیرزادے اس خداداد حسن کی قدردانی کو تیار
ہوگئے - اعلیٰ ترین رُتبے اور دولت کے کئی امیرون نے اُس پر اپنے شوق کی
کمندین پھینکنا شروع کین - اور جو تھا چاہتا تھا کہ اُسے اپنا بنا لے - مگر نینون نوعمری
ہی سے ایسی انجام بین اور زمانہ شناس تھی کہ کسی کی نہ ہوئی - بڑے بڑے دولتمندون
نے لاکھ سر مارا - اظہار عشق کیا مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آئی - دراصل خودداری و خود
پرستی نے اُسکے دل مین یہ بات ڈال دی تھی کہ مین کسی کی جورو بن کے اُس کی
تابع فرمان اور محکوم نہ بنون گی -

لیکن کمال یہ تھا کہ اِس خودداری وبے پروائی کے ساتھ اُس مین خشک مزاجی
رُکھاوٹ یا زاہدانہ بے تعلقی کہین نام کو نہ تھی - کوئی شوق سے ملتا تو اُس سے
زیادہ شوق سے وہ اُس سے ملتی - پیاری پیاری باتون - شوخی کی حرکتون اور طرح طرح
کی اداؤن سے اُس کی دلربائی کرتی - لیکن جہان کوئی اس حد سے آگے قدم بڑھاتا

کا ارادہ کرتا تو کوئی ایسی حرکت کرتی کہ وہ اپنا سا منہ لے کے رہ جاتا - اور سمجھ جاتا کہ یہ پھول اگرچہ حسن و خوبی میں لاجواب ہے مگر اُس تک میرا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا -

ان قدرتی و مزاجی محاسن کے ساتھ وہ اعلیٰ درجے کا علمی و ادبی کمال رکھتی تھی - اُس میں غیر معمولی ذکاوت و فراست تھی - اور اُس نے اعلیٰ درجے کی طبع رسا پائی تھی - بذلہ سنج تھی اور سخن فہم - جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُس دور کے نامور شعرائے فرانس مولیر اور فونٹنل اُسکی دوستی کا دم بھرتے اور روز اُسکے دروازے پر کھڑے رہتے تھے - اسی قدر نہیں اُس عہد کے بہت سے صاحب کمال انشا پرداز اور شاعر اپنے کلام میں اُس سے صلاح لیتے تھے - اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اسکے ادبی و علمی کمال نے اُس کے حسن اور اُسکے جمال میں کیسا چلتا ہوا جادو پیدا کر دیا ہوگا -

اس علمی ذوق کے ساتھ اُسے خود آرائی کا بھی بیحد شوق تھا - بغیر سنورے اور خوب نکھار کیے گھر سے باہر قدم نہ نکالتی - لباس کی تراش خراش اور سجاوٹ میں اور حسن کی آرائش و زیبائش میں اس قدر اہتمام کرتی کہ اُس کے زمانے میں لوگ اُس کا ایک جلوہ دیکھتے ہی دیوانے ہو جاتے - اور آج تک فرانس میں بہت سے ابٹنے اور پوڈر اُسی کے نام سے مشہور کیے جاتے ہیں - کہا جاتا ہے کہ اپنے خود آرائی کے کمال سے اُس نے عہد شباب کے گزر جانے کے بعد بھی مدت تک اپنے آپ کو جوان و پری تمثال بنائے رکھا -

لیکن باوجود ان تمام لگاوٹوں - نازآفرینیوں - اور خود آرائیوں کے اُس نے اپنے دامن عصمت میں کبھی دھبہ نہ لگنے دیا - چنانچہ اُس کے حالات بیان کرنیوالے دعوے کے ساتھ کہتے ہیں کہ "اُس کا مذاق تو ایپی کورس کا تھا مگر زندگی لاٹس کی تھی" جس کا مطلب ہماری زبان میں یہ ہوا کہ "مذاق شہوت پرستی کا تھا اور زندگی خدا پرستی کی تھی"

اُس نے اپنے عہد شباب میں ہمیشہ عشقبازی کا کھیل کھیلا مگر اُس عشقبازی میں نہ کوئی غرض تھی اور نہ کوئی شخص اُس کا مقصود و مطلوب تھا - اسکے ساتھ یہ بھی تھا کہ اُس کی پاک و بے غرض محبت و الفت کو فقط ہم مذاقی و لطف صحبت سے تعلق تھا

حصول دولت کے لیے اُس نے کبھی کسی کی طرف رُخ نہین کیا۔
بناؤ چناؤ اور خود آرائی کرتی مگر اس بناؤ مین کچھ ایسی شریفانہ سادگی اور پاکدامنی کی ادا ہوتی کہ فراس کی پاکدامن وعفیفہ عورتین جو باہر کی ملنے جلنے والیون سے حتی الامکان گریز کرتین اُس کی دیوانی ہو رہی تھین۔ اور اُس سے میل ملاپ پیدا کرنے کو اپنا فخر سمجھتین۔
ذی علم لوگ اور ادیبان زمانہ اُس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اور اپنے کلام مین جب تک اُس سے اصلاح نہ لے لیتے ہرگز شایع نہ کرتے۔ خود اس کے تصانیف بہت کم شائع ہوے۔ اور جو اس کی جانب منسوب ہین اُس کے نہین۔ اُسنے عمر بہت زیادہ پائی۔ اور ۱۸۱۶ء مین نوّے برس کی ہو کے مری۔

ہائی پے شیا

تاریخ مین عیسائیون اور یہودیون کے تعصب اور مذہبی عداوت کے بیشمار نمونے موجود ہین لیکن عیسائیون سے جیسی بے رحمی اس حسین اور صاحب جمال خاتون ہائی پے شیا کے معاملے مین ظاہر ہوئی شاید اور کبھی نہ ہوئی ہو گی۔ اور اُسی کی حسرت آلود داستان آج ہم اپنے ناظرین کو سُنانا چاہتے ہین۔
تھیوڈوسیوس قیصر کے عہد مین یہ مشہور ہودیہ عورت مقام اسکندریہ مین پیدا ہوئی۔ یہ پریوش نازنین حسن وجمال۔ علم وفضل اور فصاحت وبلاغت مین اعجوبۂ روزگار تھی۔ اس کے باپ کا نام تھیون تھا جو اُس زمانے کا مشہور ریاضی دان تھا۔ ہائی پے شیا نے اپنے باپ سے تعلیم پائی اور فقط ریاضی ہی مین نہین بلکہ الٰہیات اور فلسفے مین وہ درجہ حاصل کیا کہ بہت سی کتابین لکھین اور اثینیہ اور اسکندریہ مین فلسفے کا درس دینے لگی۔
اس زمانے مین اُس کے وطن اسکندریہ کا حاکم ایک نہایت بد باطن اور متعصب شخص سائیرل تھا۔ مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اُس نے رہبانیت اختیار کر لی تھی۔ آبادی چھوڑ کے جنگلون اور گرجا ادرون مین رہنے لگا۔ لیکن اُسکی نظرین دنیا ہی کی جانب لگی ہوئی تھین۔ اُس کا چچا تھیو فلس اسکندریہ کا بڑا پادری تھا۔

اُس نے سائرل کو بلایا اور وہ فوراً اُسکے پاس چلا آیا اور اپنے چچا کی جگہ گرجوں میں وعظ کہنے لگا - چونکہ قابل تھا بہت جلد سارے شہر میں مشہور ہو گیا - چند روز بعد تھیو فلوس مر گیا - اب سائرل کے لیے میدان خالی تھا - لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ اسکندریہ کے پادریوں میں اختلاف تھا - فوجی سپاہیوں اور حکام نے ایک اور پادری کی طرفداری کی - مگر عوام نے سائرل کو ترجیح دی اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ نظر آتا اگر اُنکے خلاف کیا گیا تو ہنگامہ کر دیں گے - لہذا تھیو فلوس کی جگہ سائرل کا انتخاب ہو گیا -

اب سائرل کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا موقع ملا - سلطنت کمزور ہو رہی تھی - اسکندریہ دار السلطنت سے بہت دور واقع ہوا تھا - چند روز میں سائرل نے دیوانی اور فوجداری اختیارات حاصل کر لیے - اور سارے شہر کا انتظام اب اُسی کے اختیار میں تھا - عوام بالکل اُسکے ہاتھ میں تھے - جب چاہتا اُنھیں جوش دلا دیتا اور جب چاہتا اُن کے غصے کو فرو کر دیتا - سب لوگ اُسکے احکام پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتے -

اسکندریہ میں یہودی بھی تھے - جنھیں خود اسکندر نے لا کے وہاں آباد کیا تھا - قیصروں نے اُنکے حقوق تسلیم کر لیے تھے اور اب تک وہ امن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے تھے - اس وقت اس شہر میں اُنکی تعداد چالیس ہزار سے زیادہ تھی - اسی زمانے میں ہائی پے شیا کی شہرت ہوئی - اُس نے علم و فضل میں وہ درجہ حاصل کر لیا تھا کہ اپنے اخلاق اور فصاحت بیانی کی بدولت عوام ہی کو نہیں بلکہ بڑے بڑے علما اور فضلا کو مسخر کر لیتی - اسکندریہ میں روزانہ لوگوں کا ہجوم رہتا جو اُسے دیکھنے اور اُس سے ملنے کے لیے یونان اور ایشیا کے مختلف صوبجات سے آیا کرتے - ہم بیان کر چکے ہیں کہ سائرل بڑا بدباطن اور مغرور شخص تھا - ہائی پے شیا کے دروازے پر شاگردوں - غلاموں - نوکروں اور گھوڑوں کا ہجوم دیکھ کے اُسے اُس کی شہرت اور ہر دلعزیزی پر حسد معلوم ہوا - چند روز دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ کس طرح اس ماہوش نازنین کو اپنے شکنجے میں لاؤں؟ آخر کار اس کی کوئی صورت اُس کے خیال میں نہ آئی - وہ عیسائی تھا - اور پھر

پادری - جو شادی بھی نہین کرسکتا - ہائی پے شیا ایک اسرائیلیہ عورت تھی - رفتہ رفتہ اُسکے عشق نے عداوت اور دشمنی کی صورت اختیار کرلی - اور اُس نے دل مین ٹھان لیا کہ جس سے مین نہ فائدہ اُٹھاسکون اُس سے کوئی اور بھی نہ فائدہ اُٹھائے - یہ خیال کرتے ہی وہ عام طور پر یہودیون کا دشمن ہوگیا اور اُن پر طرح طرح کے مظالم کرنے لگا - اب اُس نے ارادہ کیا کہ سارے یہودیون کو اسکندریہ سے نکال دے - اور اسکے لیے عجیب و غریب بہانے ڈھونڈھتا - ایک دن کھیلون اور تماشون مین عیسائیون اور یہودیون کے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہوا - اور اس قدر بڑھا کہ سارے شہر مین ہنگامہ ہوگیا - اب سائرل کو اپنا بغض نکالنے کا کافی موقع مل گیا - کیونکہ یہودی باغی قرار دیدیے گئے -

عیسائیون مین بھی اس زمانے مین سخت اختلاف تھا - اور مذہبی تعصب اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ ایک جماعت دوسرے کے خون کی پیاسی ہورہی تھی - اتفاقاً اس زمانے مین اسکندریہ کا حاکم جو قیصر تھیوڈوسیوس کی جانب سے مقرر ہوا تھا سائرل کا ہمخیال نہ تھا - بلکہ اُسکے عقائد اُس کے خلاف واقع ہوے تھے - ہائی پے شیا کے علم و فضل کا حال وہ پہلے ہی سُن چکا تھا - یہان آتے ہی اُس سے ملا - اور دونون مین باوجود مذہبی اختلاف کے بہت گہری دوستی قائم ہوگئی -

سائرل کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی - یہی کیا کم تھا کہ اُس کے اختیارات مین مداخلت کی گئی - اور ایک شخص شہر کا حاکم بنا کے بھیجدیا گیا - پھر جب اُس نے دیکھا کہ یہ شخص میرے خلاف ہائی پے شیا کا دوست ہے تو اُس سے نہ رہا گیا - اور طرح طرح کے بہانے ڈھونڈھنے لگا -

حاکم شہر نے ایک شخص کو جو سائرل کا طرفدار تھا پکڑ لیا اور اُسے تکلیفین دی گئین تاکہ اس ہنگامے کا حال بتادے جو یہودیون اور عیسائیون مین ہوا تھا سائرل کے لیے یہ بہانہ کافی تھا - اُس نے عوام کو جوش دلایا اور یہودیون کے سناگگ (عبادت گاہون) پر حملہ کر دیا - یہودیون کے پاس نہ اسلحے تھے اور نہ وہ اس حملے کے لیے تیار تھے - اُنکے عبادت خانے منہدم ہوگئے - مکان لوٹ لیے گئے اور پادری صاحب نے حکم دیدیا کہ یہودی شہر سے نکال دیے جائین -

شہر کا عامل ہائی پے شیا کا دوست تھا۔ اُس نے یہودیوں کی طرفداری کی اور قیصر کے دربار میں شکایت کر دی۔ لیکن سلطنت کی کمزوری کا زمانہ تھا۔ ایسے زبردست پادری کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی جا سکی۔ اور کوشش کی گئی کہ دونوں میں صلح ہو جائے۔ لیکن ابھی یہ معاملہ طے نہیں ہونے پایا تھا کہ ایکدن عامل کی گاڑی شہر میں سے گذر رہی تھی کہ سائرل کے طرفداروں نے اُس پر حملہ کر دیا۔ عامل کے ہمراہی سپاہی اُسے چھوڑ کے بھاگ گئے۔ لیکن شہر کے وفادار لوگوں نے اُس کا ساتھ دیا اور پادریوں کو مار کے ہٹا دیا۔ اس ہنگامے میں عامل زخمی ہوا اور ایک پادری جو دُور کھڑا ہوا اُسکی طرف پتھر پھینک رہا تھا لوگوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔ عوام نے جوش میں آ کے اُسے قتل کر ڈالا اور اُسکی لاش ایک سولی پر لٹکا دی۔ پادری کے طرفدار اپنی یہ توہین نہ دیکھ سکے۔ جا کے اُسے اُتار لائے۔ اور بڑی شان و شوکت سے تجہیز و تکفین کا سامان کرنے لگے۔ خود سائرل نے اُس کی لاش کے پاس کھڑے ہو کے ایک تقریر کی جس میں بتایا کہ "یہ شخص خدا کی راہ میں شہید ہوا ہے"۔

مگر سائرل اب ہائی پے شیا کا سخت دشمن اور اُس کی تباہی کے درپے ہو گیا۔ لوگوں میں مشہور ہوا کہ پادری اور عامل کے درمیان میں جو مخالفت ہے وہ ہائی پے شیا کی وجہ سے ہے۔ لہذا سائرل نے اپنے دل میں ارادہ کر لیا کہ ہائی پے شیا کسی طرح مار ڈالی جائے۔ اور اس کام کے لیے اُس نے گرجے کے ایک واعظ پیٹرس کو منتخب کیا۔ اور دینی جوش میں وہ اُس کے قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

اب ہائی پے شیا کا گھر سے نکلنا مشکل تھا۔ جس وقت وہ کہیں جاتی لوگ اُس پر حملہ کرتے۔ لیکن شہر میں عامل کے طرفدار بھی موجود تھے جو اکثر بچا لیا کرتے۔ ایک روز وہ اپنے مکان سے کہیں گئی تھی۔ پیٹرس کو اسکی خبر ہو گئی۔ بدمعاشوں کی ایک جماعت کے ساتھ وہ اُس مکان کے دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔ اور جیسے ہی ہائی پے شیا گاڑی سے اُتر کے مکان کے اندر جانے لگی اُسے پکڑ لیا اور گھسیٹتے ہوئے ایک قریب کے گرجے میں لے گئے۔ سائرل کے حکم سے اُسی گرجے میں

بطرس نے ہائی پے شیا پر طرح طرح کے مظالم کیے اور نہایت بے رحمی کے ساتھ اُسکے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے۔ پھر اُس کا گوشت ہڈیون سے جدا کیا گیا اور اُسکی پھڑکتی ہوئی بوٹیان آگ مین ڈال دی گئین۔

اس طرح ایک گلُ اندام عالمہ و فاضلہ کا اپنے حسُن کی بدولت خاتمہ ہوا۔

عُلیّہ بنت مہدی

آل عباس کے خاندان خلافت کی ایک صاحب جمال اور بڑی نامور خاتون تھی۔ خلیفہ مہدی عباسی کی بیٹی اور دو خلیفون ہادی اور ہارون رشید کی بہن تھی۔ اُس کے سگے بھائی ابراہیم بن مہدی نے بھی بعہد مامون رشید خلافت کا دعویٰ کیا تھا۔ بلکہ مامون خراسان مین تھا کہ وہ بغداد مین مسند نشین خلافت ہوگیا۔ مگر اُس کی واپسی پر سطوت مامونی سے گھبرا کے بھاگا۔ اودھر اُودھر چھپتا پھرا۔ آخر گرفتار ہوکے آیا۔ اور اُس کا قصور معاف کیا گیا۔

عُلیّہ اور ابراہیم کی مان مکنونہ نام ایک عربیہ کنیز تھی جو موسیقی مین بڑا کمال رکھتی تھی۔ اور مروان نام ایک شوقین مغنی کی تیار کی ہوئی لونڈیان جو گانے مین مستند سمجھی جاتی تھین اور "جواری مروانیہ" کہلاتی تھین اُنھین مین اُسکا بھی شمار تھا۔ مگر اُن سب مین زیادہ حسین و نازنین وہی کہی جاتی تھی۔ مکنونہ پہلے عبید اللہ بن عباس کے پوتے حسین بن عبد اللہ کے پاس تھی۔ مدینے مین اُن کا قیام تھا۔ اور وہان کے تمام گھرون مین شہرت تھی کہ مدینے کی کوئی لونڈی مکنونہ کے حُسن و جمال کو نہین پہونچ سکتی۔ اُسکے بعد وہ ابو جعفر منصور کی زندگی ہی مین اُس سے چھپا کے اُسی کے فرزند مہدی کے لیے ایک لاکھ درہم پر خریدی گئی۔ مہدی کی صحبت عیش مین آتے ہی اُسکے دل و دماغ پر اس قدر حاوی ہوگئی کہ محل کی تمام حرمین اُسکی نظر سے گر گئین۔ یہان تک کہ اُس کی خاص ملکہ خیزران جو دو وارثان سلطنت ہادی اور رشید کی مان تھی اکثر کہا کرتی تھی "مکنونہ سے زیادہ میرے حق مین کوئی عورت سخت و ناگوار نہ تھی"۔ جب تک منصور زندہ رہا مہدی نے اُسے باپ کی نظر سے چھپایا۔ اور اُسے خبر بھی نہ ہونے دی کہ میرے مشکوے معلّے مین ایک ایسی

پر یکجال دنیا درۂ روزگار مہ جبین ہے۔

علیہ اُس کے بطن سے سنہ ۱۶۰ھ مین اور اپنے باپ مہدی کے خاص ایام مسند نشینی خلافت مین پیدا ہوئی۔ ماں کی طرح وہ بھی نہایت ہی خوبصورت خوروش و مہ طلعت تھی۔ اچھی تعلیم کی وجہ سے بڑی صاحب ذوق تھی۔ بہت اچھے شعر کہتی تھی۔ اور شاعری و علمی تعلیم کے علاوہ ماں نے اُسے اور اُس کے بھائی ابراہیم کو موسیقی کی نہایت اعلیٰ درجے کی تعلیم دی تھی۔ علیہ موسیقی مین کمال رکھنے کے علاوہ بڑی بذلہ سنج و سخن سنج تھی۔ خود ہی شعر کہتی اور اُن شعرون مین اپنی دہانت و طباعی سے ایسی دُھنین قائم کرتی کہ جو سنتا سر دُھنے لگتا۔ اُس کی شادی خاندان بنی عباس مین موسیٰ بن عیسیٰ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ اُنھین کے عقد نکاح مین رہی۔ اور اُس کی زندگی کا کوئی ایسا واقعہ نہین ہے جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اُنھین اُس سے یا اُس کو اُن سے کوئی شکایت تھی۔ علیہ کی جبین ناز پر ایک مسہ تھا جو کسی قدر عیب دیتا۔ اور خوبصورت گورے مکھڑے پر جو چاند کا ٹکڑا تھا کلف بن کے نمودار ہوتا۔ اس عیب کے چھپانے کے لیے اُس نے اعجوبۂ روزگار نظر فریب و مکلل بہ جواہر سر پیچ ایجاد کیے جو اُس وقت کی سوسائٹی مین ایسے بھلے اور دلکش معلوم ہوے کہ تمام شوقین و حسین امیرزادیون کی وضع مین داخل ہو گئے۔ اور مردون مین سے اکثر مبصرین کا مقولہ تھا کہ "عورتون نے فیشن اور وضع و لباس مین جتنی ایجادین اور اختراعین کی ہین اُن مین اِن سرپیچون سے زیادہ بانکی اور مہذب کوئی چیز نہین ہے"۔

اس حسن و جمال۔ اس بانکپن۔ اس خود آرائی۔ اس شاعری۔ اور اس سرود و غنا پر علیہ نہایت ہی دیندار۔ متقی و پرہیزگار۔ اور پابند صوم و صلوٰۃ تھی۔ چنانچہ اُس کا معمول تھا کہ جب نماز سے معذور ہوتی اُس زمانے مین گاتی اور نبیذ پیتی۔ جو اُن دنون بڑے بڑے مقدس لوگون مین مروج ہو کے اُس عہد کی "شراب الصالحین" بن گئی تھی۔ غسل کرتے ہی فوراً تلاوت قرآن اور مطالعۂ کتب مین مصروف ہو جاتی۔ ان مشاغل سے جو وقت بچتا اُس کو شعر گوئی مین صرف کرتی۔ اس لیے کہ شاعری مین اُسے بڑا لطف آتا تھا۔ یہ اسکے مقررہ و معینہ اوقات

ونشانہ تھے۔ جن کو خلیفہ کے حکم کے سوا اور کوئی چیز نہ بدل سکتی۔ اس لیے کہ جب خلیفہ بلاتا تو سو کام چھوڑ کے جانا پڑتا اور کوئی عذر کارگر نہ ہوتا۔ علیہ اکثر کہا کرتی کہ "خدا نے کوئی چیز حرام نہیں کی جس کا کوئی بہترین بدل حلال چیزوں میں سے نہ عطا کر دیا ہو۔ پھر بھلا گناہ اور مبتلاے معاصی اُس کے سامنے کیا عذر کر سکتا ہے؟" یہ بھی اُس کا قول تھا کہ "زندگی میں اگر میں نے کبھی کوئی فحش کام کیا ہو تو خدا میری نجات نہ کرے۔ اور میں جو یہ شعر کہا کرتی ہوں یہ بھی فقط تفنن طبع کے لیے ہے۔"

علیہ چونکہ ایک شاعرۂ صاحب کمال تھی لہذا صفت شعراے عرب کی تکمیل کے لیے یہ بھی ضروری تھا کہ کوئی خاص اُس کا معشوق ہو۔ جسکے خیال و جمال سے مدد لے کے وہ زور طبع دکھائے۔ شعراے عرب کا معمول تھا کہ اول تو اُن کی خاص کوئی مقررہ معشوقہ ہوتی جس کا نام لے لے کے وہ اپنے اشعار میں اظہار ذوق و شوق کیا کرتے۔ دوسرے فطرت کے سچے تقاضے کے مطابق اُن کی معشوقہ کوئی پری جمال عورت ہوتی۔ شعراے ہند و فارس کی طرح معشوق ایک عام حسین بے ریش و بروت امرد لڑکا نہ ہوا کرتا۔ یہاں تک کہ عجم و ہند کی عورتیں شعر کہتی ہیں تو وہ بھی اشعار میں اپنے آپ کو مرد ظاہر کرتی اور دیگر مرد شعرا کی طرح ایک کمسن لڑکے کی عاشق بن جاتی ہیں۔

غرض علیہ کے لیے بھی ضرور تھا کہ شاعری کی دنیا میں وہ ایک عاشقہ بنے۔ اور اپنا معشوق کسی خاص مرد کو قرار دے۔ چنانچہ رشید کے غلاموں میں سے طل اور رشا نام دو خوبصورت لڑکوں پر اظہار عشق کیا کرتی۔ اور اُن سے نظم میں مراسلت کرتی۔ مگر باوجود اسکے اُس زمانے کے کسی شخص کو کبھی اُسکی پاکبازی۔ پاکدامنی۔ اور عفت و عصمت میں شک و شبہہ نہیں ہوا۔ اور سب جانتے تھے کہ یہ فقط سنت شاعری ادا کرنے۔ شعر و سخن میں عاشقانہ اثر پیدا کرنے۔ اور بقول اُسی کے محض تفنن طبع کے لیے تھا۔ رشا کی طرف مخاطب ہو کے اُس نے جو نظمیں کہی ہیں اُن میں سے بعض میں رشا کے عوض "زینب" کا فرضی نام ڈال دیا ہے۔ مگر طل کی نسبت اپنا شوق محبت کھلے الفاظ میں اور اُس کا نام لے لے کے کیا۔ طل کے معنی ہلکی پھوار کے ہیں اور مرد و بد و کو بھی کہتے ہیں۔ طل کے ساتھ اُسکو اس قدر شفقت

تھا کہ کبھی اسے اپنے عاشقانہ اشعار جو اُسی کی مدح میں ہوتے لکھ بھیجتی اور کبھی قریب بُلا کے اُس سے باتیں کرتی۔ ایک دن قصر کے ایک پرنالے کے پاس جا کے کھڑی ہوئی۔ طل کو بُلایا۔ اور اپنے دو شعر اُسے سُنائے۔ اس کی خبر رشید کو پہونچ گئی۔ وہ اُس سے ملا اور کہا "بہن۔ دیکھو میں تمھیں سمجھائے دیتا ہوں کہ پھر کبھی طل سے نہ ملنا۔ نہ باتیں کرنا۔ اور نہ کبھی اُس کا نام زبان پر لانا"۔ علیہ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ میں آپ کے اس حکم کو بجا لاؤں گی۔ یہ قسم لینے کے بعد بھی رشید کے دل سے شبہہ نہ نکلتا تھا۔ اکثر خاموشی کے ساتھ علیہ کے کمرے کے پاس جاتا۔ اور کان لگا کے سنتا کہ کیا باتیں کر رہی ہے اور کس سے باتیں ہو رہی ہیں؟ ایک دن گیا تو علیہ "تلاوت کلام مجید میں مصروف تھی۔ اور ایسی خوش گلوئی سے قرأت کر رہی تھی کہ رشید کا دل لگ گیا۔ دیر تک چھپا کھڑا سنتا رہا۔ علیہ سورۂ بقرہ پڑھ رہی تھی۔ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت پر پہونچی "فان لم یصبہا وابل فطل" تو ساری آیت پڑھ گئی مگر "فطل" کے لفظ پر پہونچ کے بے اختیار اُس کی زبان سے نکلا "فالذی منعنا منہ امیر المومنین"۔ یعنی وہی جس سے امیر المومنین نے منع کیا ہے۔ اس واقعے کا رشید پر عجیب اثر ہوا۔ بیتاب ہو کے اندر گھس گیا۔ بہن کو گلے سے لگا لیا۔ اُسکی پیشانی چومی اور کہا "لو۔ میں نے طل تمھیں کو دے ڈالا۔ اور اب اسکے بعد اُسکے ساتھ تمھارا جو جی چاہے سلوک رہے میں نہ روکوں گا"۔

اس طل کے متعلق علیہ کی متعدد دلکش نظمیں ہیں۔ جن میں اُسی نے دھنیں بھی قائم کی ہیں۔ وہ سب عربی محفلوں میں علی العموم گائی جاتی تھیں اور بہت ہی مشہور و مقبول تھیں۔

رشید کو علیہ سے بڑی محبت تھی۔ اور اکثر بغیر اُسکے لطف نہ آتا تھا۔ چنانچہ اُسکے عہد میں علیہ حج کو گئی تو رشید کو اُس کی مفارقت بہت گراں گذری۔ واپسی میں وہ مقام طیزناباذ میں کسی ضرورت سے دو چار روز ٹھہر گئی تو رشید ناراض ہوا۔ چنانچہ واپس آ کے علیہ نے معذرت میں چار شعر کہے جو ایک ہی بحر میں تھے۔ مگر دھن پہلے دو شعروں میں اور قائم کی اور دوسرے دو شعروں میں اور۔ ان اشعار کو ان دھنوں میں علیہ کی خوش گلو اور موسیقی دان لونڈیوں نے سُنایا تو رشید

بہت خوش ہوا۔ اور ساری خفگی بھول گیا۔

ابراہیم بن مہدی یعنی عُلَیّہ کے سگے بھائی کا بیٹا عبداللہ کہتا ہے کسی ضرورت سے رشید کو شہر رقہ میں جانا پڑا۔ وہاں پہونچ کے میری پھوپھی عُلیّہ یاد آئیں۔ اُسی وقت اُنکے ماموں یزید بن منصور کو لکھا کہ "بہن عُلیّہ کو یہاں میرے پاس بھیجدیجیے"۔ یہ تحریر پہونچتے ہی پھوپھی اپنی محل میں سوار ہوکے شان وشکوہ سے روانہ ہوئیں۔ راستے میں اُنھوں نے دو شعر کہے جن میں سے پچھلے شعر کا مضمون یہ تھا کہ جس کے دیدار کی تمنا ہے اُس سے ملنے کا شوق نہ ہوتا تو میں اس دہشت وشقت کے ساتھ بغداد سے نہ نکلتی"۔ یہ اشعار سُن کے رشید بہت خوش ہوا۔ اور اُس سے اور زیادہ محبت کرنے لگا۔

رشید کو عُلیّہ کی شاعری وسخن فہمی کا تو پورا علم تھا مگر ابھی اس کی خبر نہ تھی کہ فن موسیقی میں بھی وہ اپنا جواب نہیں رکھتی ہے۔ اس سے واقف ہونے کا باعث یہ ہوا کہ ایک دن رشید کو بیٹھے بیٹھے ابراہیم موصلی سے ملنے کا شوق ہوا۔ جو اُس عہد کا سب سے بڑا صاحب کمال مغنی تھا۔ اور دربار میں اُس کی عزت علما و فضلا اور اکابر امرا کے برابر ہوتی تھی۔ بجاے اسکے کہ اُسے بُلوا بھیجے محل سے نکل کے سیدھا ڈیوڑھی پر گیا۔ پھاٹک سے باہر ہوتے ہی ایک چھوٹے گدھے پر سوار ہوا اور ابراہیم کے گھر کی راہ لی۔ خدام اور غلام دوڑتے ہوے ساتھ چلے۔ ابراہیم کے دروازے پر پہونچا تو وہ باہر نکل آیا۔ دوڑکے قدم چومے اور لیجاکے بٹھایا۔ یہاں رشید نے بعض لڑکیوں کی جھلک دیکھی جو اُسکے آتے ہی بھاگ گئی تھیں۔ ساتھ ہی نظر آیا کہ کئی سرود زمین پر بے قرینے پڑے ہیں۔ پوچھا "یہ سرود کیسے اور کس کے ہیں؟" ابراہیم نے پہلے تو ٹالا۔ مگر جب رشید کی طرف سے زیادہ اصرار ہوا تو عرض کیا "امیرالمومنین۔ دو لڑکیاں ہیں اُن کو میں موسیقی کی تعلیم دیتا ہوں۔ وہی یہ سرود چھوڑ کے بھاگ گئیں"۔ رشید نے کہا "اُنکو بلاؤ"۔ ابراہیم نے دونوں کو لاکے پیش کر دیا۔ رشید نے دیکھا تو وہ نہایت ہی خوش جمال و جادو نگاہ تھیں۔ ایک کو قریب بُلا کے کہا "کچھ گاؤ۔ دیکھوں تم نے کیا سیکھا ہے؟" اُس نے ایک راگ بہت ہی سنبھل کے گایا۔ رشید کو اُس کی دُھن بے انتہا پسند آئی۔ ابراہیم

کی طرف دیکھ کے کہا "ابراہیم - کیا اچھے شعر ہیں اور کیسی اچھی دھن ہے - کس کے ہیں؟ ابراہیم بولا "حضور میں نہیں جانتا" - تب اُس نے اُس لڑکی سے پوچھا "تم بتاؤ یہ شعر کس کے ہیں؟ اور یہ دُھن کس کی ہے؟" بولی "دونوں میری بیوی کی ہیں" پوچھا "تمھاری بیوی کون؟" عرض کیا "امیر المومنین کی ہمشیرہ عُلیّہ" حیرت سے پھر پوچھا "نظم اور دُھن دونوں اُن کی ہیں؟" بولی "جی حضور دونوں اُنھیں کی" اس جواب پر رشید نے متاثر ہو کے سر جھکا لیا - اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کے دوسری کنیز سے کہا "اب تم اپنا گانا سناؤ" اُس نے ایک دوسرا نغمہ گایا - اُس کی نسبت بھی یہی واقعات پیش آئے - ابراہیم نے ٹالا اور چھپایا اور کنیز کے بیان سے کھلا کہ وہ نظم اور نغمہ بھی عُلیّہ ہی کے ایجاد ہیں -

اس کے بعد رشید اُٹھ کے محل میں واپس آیا اور آتے وقت ابراہیم سے کہا "ان دونوں کنیزوں کو احتیاط اور حفاظت سے رکھنا" گھر پہونچ کے بجائے اپنے قصر میں آنے کے سیدھا عُلیّہ کی محلسرا میں گیا - اُس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا "بہن آج جی چاہا کہ تمھارے پاس بیٹھ کے نبیذ پیوں" حکم کی دیر تھی - محفل عیش قائم ہو گئی - اور عُلیّہ کی کنیزیں حاضر ہو کے گانے بجانے لگیں - رشید تھوڑی دیر تک تو اُن کا گانا سنتا رہا - پھر ایک مغنیہ لڑکی کے آغوش سے سرود اُٹھا کے اُس نے عُلیّہ کی گود میں رکھ دیا - یہ دیکھ کے عُلیّہ بہت گھبرائی - آج تک کبھی رشید کے سامنے نہیں گائی تھی - کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی کہ صاحب تاج و تخت بھائی کے سامنے بیٹھ کے گائے - اسے متامل دیکھ کے ہارون رشید نے کہا "بہن تمھیں والد مرحوم (مہدی) کی تربت کی قسم ضرور گاؤ" پوچھا "کیا گاؤں؟" رشید نے وہ چیز اور دُھن بتا دی جو ابراہیم کے مکان پر پہلی کنیز کے گلے سے سُنی تھی - اب عُلیّہ سمجھ گئی کہ بھائی کو میرے شوق موسیقی کی خبر ہو گئی - وہ اشعار گائے - اور جہاں تک بنا محنت اور کوشش سے گائے - اسکے بعد رشید نے دوسری لونڈی والا گیت گوایا - اُس کو بھی گانا پڑا - اپنی عزیز بہن کی ایجاد کی ہوئی دُھنیں خاص اُسی کے گلے سے سُن کے رشید اُٹھا - بہن کے سر پر بوسہ دیا - اور کہا "مجھے یہ خبر نہ تھی کہ تمھیں یہ کمال بھی حاصل ہے" اور یہ سارا دن اسی صحبت

مین بسر کرکے واپس گیا۔
اس کے بعد رشید کا معمول ہو گیا تھا کہ جب جی گھبراتا عُلیہ کے پاس آکے کہتا "بہن کوئی نئی چیز سناؤ"۔ چنانچہ ایک دن ایسے ہی موقع پر عُلیہ نے کہا "آپ کی جان کی قسم مین کوئی اور چیز نہ سناؤن گی۔ مگر آپ کی مدح مین خود ہی شعر کہونگی۔ اور خود ہی اُن مین دُھن قائم کرکے سناؤن گی"۔ چنانچہ اسی وقت فی البدیہہ تین شعر کہے۔ اُن مین دُھن قائم کی۔ اور سنایا تو رشید کی یہ حالت تھی کہ محو ہو گیا۔ اور آپے سے باہر ہو گیا۔
رشید نے رَے کا سفر کیا تو محض دلچسپی کے خیال سے عُلیہ کو ساتھ لے لیا۔ مقام مرج تک پہونچا تھا کہ عُلیہ کو گھر چھوٹنے کی تکلیف محسوس ہونے لگی۔ وطن اور صحبت ہاے وطن کی یاد مین دو پُرسوز وگداز شعر کہے جن کا مضمون یہ تھا کہ "غریب الوطن مقام مرج مین حسرت والم کے ساتھ رو رہا ہے۔ یاران وطن اُسکی نظر سے اوجھل ہین۔ اور وطن کی طرف سے جب کوئی سوار آجاتا ہے تو وہ اُسکے پاس جا جاکے سونگھتا ہے کہ شاید بوے وطن آجائے"۔ یہ شعر ایسی مناسب موزون دُھن مین اُس نے خاص اپنے گلے سے رشید کو سنائے کہ وہ سمجھ گیا کہ بہن کو سواد عراق یاد آ گئی۔ اور اُسی منزل سے اُسکو واپس کر دیا۔
ایک دن رشید کی خدمت مین ایک ایسی صاحب جمال و آفت روزگار کنیز پیش کی گئی جو خوبی و رعنائی اور تمیزداری و شائستگی مین نظیر نہ رکھتی تھی۔ رات کو وہ رشید کی صحبت عیش مین رہی۔ اور ایک ہی رات مین اُسکا ایسا اثر پڑا کہ صبح اُٹھتے ہی رشید نے حکم دیا کہ حریم خلافت مین جتنی گانے والی کنیزین ہین سب حاضر ہون۔ دم بھر مین تقریباً دو ہزار پریجمال مہ طلعتین جمع ہو گئین جو بہترین لباس پہنے تھین۔ مرصع زیورون سے آراستہ تھین۔ اور سب سے کامرانی و فراخی کی شان عیان تھی۔ ان مین سے کچھ تو ساقیہ تھین جو نبیذ کے جام پلاتین۔ باقی سب مغنیہ تھین۔ اس جشن طرب مین رشید اس نئی محبوبہ کے ساتھ بیٹھ کے جام عیش پینے لگا۔ اُم جعفر یعنی زبیدہ خاتون کو یہ حال معلوم ہوا تو دل ہی دل مین بہت کڑھی اور عُلیہ کو خبر کی کہ دیکھو تمھارے بھائی کا یہ رنگ ہے۔ ایک نئی عورت کے دام فریب مین ایسے پھنسے ہین

کہ سارے اگلے تعلقات بھلا دیے۔" علیہ نے جواب میں کہلا بھیجا "بھا بھی۔ آپ اپنا دل نہ تھوڑا کیجیے۔ میں انھیں پھر آپ کا بنا دونگی۔ مگر آپ ایک کام کیجیے۔ اپنی تمام پرجمال کنیزوں کو بھاری پوشاکیں پہنا کے میرے پاس بھیج دیجیے۔" زبیدہ نے یہی کیا۔ علیہ نے دو نہایت ہی پرجوش شعر کہے۔ اور ان میں اپنی طباعی سے ایسی دھن قائم کی کہ انسان سنتے ہی بیتاب و از خود رفتہ ہو جائے۔ پھر وہ شعر اور دھن زبیدہ کی اور اپنی تمام لونڈیوں کو خوب ازبر اور صاف کرا دیے۔ اور سب کو اپنے انتخاب سے خاص قسم کی بانکی پوشاکیں پہنائیں۔

اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اور رشید اسی طرح اپنی نئی محبوبہ کے ہم پہلو جشن طرب میں بیٹھا محو عیش تھا کہ ناگہاں ایک طرف سے علیہ اور دوسری طرف سے زبیدہ اس محفل میں برآمد ہوئیں۔ اور دونوں کے ساتھ دو ہزار آفت روزگار ماہ پیکر کنیزیں تھیں اور ایسی عجیب و غریب وضع میں تھیں کہ رشید مبہوت ہو گیا۔ وہ مبہوت ہی تھا کہ ان ماہ پیکر کنیزوں نے صفیں باندھ کے اور سر ملا کے وہ نغمہ گانا شروع کیا۔ اس نغمے کا مضمون یہ تھا کہ "او بیوفا۔ تو نے مجھے چھوڑ دیا۔ مگر میرا دل تجھے نہیں چھوڑتا۔ اے آج مجھے چھوڑنے والے بتا تو سہی کہ اب کس سے ملنے کا ارادہ ہے؟" یہ نغمہ ہوش ربا سنتے ہی رشید بیتاب و بیقرار ہو کے اٹھ کھڑا ہوا اور علیہ اور زبیدہ کے پاس آ کے کہنے لگا "آج سے زیادہ مسرت مجھے زندگی بھر نہیں نصیب ہوئی تھی۔" اور اس گھڑی ایسا مست و بیخود ہو رہا تھا کہ بے اختیار حکم دیدیا کہ "خزانے میں جو کچھ ہو لٹا دیا جائے۔ خبردار ایک درہم بھی باقی نہ رہے۔" چنانچہ کہتے ہیں کہ اس تاریخ میں چھ کروڑ درہم لٹائے گئے۔ جیسا کہ اس وقت تک کسی تاجدار کے زمانے میں نہیں سنا گیا تھا۔

یحییٰ بن خالد کا پوتا بیان کرتا ہے کہ ایک دن میرے والد خلوت و تنہائی میں دادا جان سے بیان کر رہے تھے کہ رشید کی میرے حال پر کیا عنایتیں تھیں؟ اسی سلسلے میں ایک دن کا واقعہ انھوں نے یہ بیان کیا کہ میں چھوٹا اور کمسن لڑکا تھا۔ امیر المومنین رشید نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور ایک کمرے کی طرف چلے۔ اس سے گذر کے دوسرے کمرے کے دروازے پر پہونچے تو تمام خدام اور غلام جو ساتھ تھے

واپس چلے گئے۔ سب کے چلے جانے کے بعد اُنھوں نے وہ دروازہ کھولا۔ اور مجھے اندر لیجا کے وہ دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ اب مجھے لیے ہوے وہ ایک شاہانہ شان کے کمرے میں پہونچے۔ اس عالیشان دیوان خانے کے صدر میں ایک شہ نشین تھا۔ اُس شہ نشین پر چڑھ کے دروازے کے پاس وہ مجھے لے کے بیٹھ گئے اور ہاتھ سے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی مجھے اندر کچھ آہٹ معلوم ہوئی۔ اور اُنھوں نے دوبارہ دستک دی۔ فوراً ساز چھڑ گیا۔ اور سرود کی صداے خوش الحان میرے کان میں آئی۔ یہ آواز سنتے ہی امیرالمومنین نے تیسری دستک دی۔ اور اندر سے گانے کی آواز سُنی جانے لگی۔ یہ کسی عورت کی نہایت ہی دلکش اور محو کر دینے والی آواز تھی۔ اور ایسا اچھا نغمہ تھا کہ مجھے معلوم ہوا نہ دنیا میں اس سے اچھا نغمہ ہو سکتا ہے اور نہ اس سے اچھا سرود بج سکتا ہے۔ یہ عورت جو ہماری آنکھوں سے اوجھل تھی کئی گیت گا چکی تو رشید نے کہا "اب ذرا میری ایجاد کی ہوئی دھن بھی سُنا دو۔" اُس نے وہ نغمہ شروع کیا۔ اب جوش مسرت سے میری یہ حالت تھی کہ بے اختیار جی چاہتا دیوار سے ٹکرا کے اپنا سر توڑ ڈالوں۔ اتنے میں امیرالمومنین نے ایک اور گیت کی فرمایش کی۔ اُس نے وہ بھی گایا۔ اور اب میری اور رشید کی دونوں کی یہ حالت تھی کہ گویا ہمیں حال آگیا ہے۔ دونوں کمال بیتابی سے کھڑے ہو کے ناچنے لگے۔ یہ نغمہ بھی ختم ہوا تو رشید نے کہا "بس اب چلو۔ ایسا نہ ہو کہ محویت اس سے بھی زیادہ بیخود و ذلیل کرے۔" اب وہ مجھے ساتھ لے کے اُٹھا۔ اور جب میں اندر کی دہلیز سے اُترنے لگا تو اُس نے کہا "تم نے جانا بھی یہ کون گا رہا تھا؟" میں نے عرض کیا "میں کیا جانوں"۔ بولا "تم دل میں حیران ہو گے۔ اور بار بار یہی سوال تمھارے دل میں پیدا ہوتا ہوگا۔ مگر اس راز کو تم چھپا نہ سکو گے۔ خیر میں بتائے دیتا ہوں۔ یہ میری بہن عُلیّہ بنت مہدی تھیں۔ لیکن یاد رکھو اگر کسی کے سامنے تم نے اس واقعے کو زبان سے نکالا اور مجھے خبر ہو گئی تو تمھیں زندہ نہ چھوڑوں گا۔" یہ واقعات سُن کے دادا جان بولے "مگر اب تو تم نے یہ راز فاش کر دیا۔ اپنی جان بچانے کی فکر کرو۔ ورنہ امیرالمومنین بے قتل کیے نہ چھوڑیں گے۔"

اس دلچسپ عہد کے صاحب کمال و نامور مغنی اسحٰق موصلی کا بیان ہے کہ ہارون رشید کے زمانے میں میں نے ایک نئی دھن نکالی۔ وہ مجھے کچھ ایسی دلکش اور بھلی معلوم ہوئی کہ خوب مشق کر کے ارادہ کیا کہ صبح ہوتے ہی امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو کے سناؤں گا۔ صبح کو اسی ارادے سے چلا۔ اور دردولت کو جا رہا تھا کہ راستے میں عُلیّہ کا خادم ملا۔ اور سلام کر کے کہنے لگا "بیوی نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اسی وقت اُن کی ڈیوڑھی پر حاضر ہو کے ایک کنیز کے گلے سے ایک دُھن سُن لیجئیں جسے وہ بتاتی ہے کہ آپ کے والد مرحوم سے حاصل کی تھی اور اب اُس میں کچھ شک سا پڑ گیا ہے"۔ میں فوراً اُسکے ساتھ چلا گیا۔ وہاں ایک تنہا کمرے میں بٹھایا گیا۔ پہلے دسترخوان اور کھانے پینے کی چیزیں لائی گئیں۔ اور جب میں سیر ہو کے ہاتھ دھو چکا تو ایک کنیز نے آ کے کہا "بیوی فرماتی ہیں کہ آپ اسوقت امیرالمومنین کے پاس ایک نئی ایجاد کی ہوئی دُھن سنانے کو جا رہے ہیں۔ پہلے وہ دُھن مجھے سُنا دیجیے۔ اور اسکے معاوضے میں آپ کو بہت کچھ انعام ملے گا"۔ معلوم ہوتا ہے اُنھیں کسی کنیز کے ذریعے سے خبر ہو گئی جو میرے پاس تعلیم پاتی تھی۔ مجبوراً میں نے وہ دُھن گا کے سُنائی۔ اور اُنھوں نے اُسکو بار بار گوا کے سُنا۔ اسکے بعد میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لا کے رکھے گئے۔ اور پردے میں سے خود عُلیّہ نے کہا "لو یہ تمھارا انعام ہے"۔

میری اُس دُھن کو پہلے کچھ دیر تک چپکے چپکے وہ خود ادا کرتی رہیں۔ پھر بولیں "لے اب اس دُھن کو مجھ سے بھی سُن لو"۔ یہ کہہ کے اُس نغمے کو اُنھوں نے جو گایا تو دلکشی ہی اور تھی۔ میں نے بخدا ایسا دلکش اور مست کرنے والا نغمہ زندگی بھر نہیں سُنا تھا۔ سُنا کر وہ پوچھنے لگیں "بتاؤ میں نے کیسا گایا؟" میں نے عرض کیا "باللہ العظیم میں نے آج وہ نغمہ سُنا ہے جیسا زندگی بھر نہیں سُنا تھا"۔ اب عُلیّہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "لو اب تم بھی اِنھیں اِن کی یہی نئی دُھن اپنے گلے سے سُنا دو"۔ اُس نے بھی سُنائی۔ اور جب سُنا چکی تو دوبارہ میرے سامنے بیس ہزار درہم اور بیس تھان لائے رکھے گئے۔ ساتھ ہی عُلیّہ پردے کی آڑ سے بولیں "وہ پہلے تو انعام تھا اور یہ اُس دُھن کی قیمت ہے جس کو میں نے تم سے لے لیا۔ اب

میں امیر المومنین کے پاس جاتی ہوں۔ سب سے پہلے یہی دُھن سناؤں گی اور کہوں گی کہ اسے میں نے ایجاد کیا ہے۔ لیکن اگر کبھی تم نے کسی کے سامنے زبان سے نکالا کہ یہ تمہاری نکالی ہوئی دُھن تھی تو فوراً قتل کرا ڈالوں گی"۔

اس واقعے کے بعد میں پچھتاتا ہوا علیہ کی ڈیوڑھی سے نکلا۔ مجھے انعام کی اتنی خوشی نہ تھی جتنا اس دُھن کے چھن جانے کا ملال تھا۔ مگر علیہ رشید کی بہن تھی اُس سے خوف بھی تھا۔ اور اُس کی ہیبت اس قدر چھائی تھی کہ اور کسی کے سامنے گلے سے ادا کرنا درکنار مجھے اُس دُھن کا خیال بھی آ جاتا تو کانپنے لگتا۔ کہ کسی کو خبر نہ ہو جائے۔ یہاں تک کہ مامون رشید کے عہد میں علیہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اُسکے سوگ کے بعد مامون نے جو پہلی صحبت طرب قائم کی اُس میں میں نے سب کے پہلے وہی دُھن گا کے سنائی۔ سنتے ہی مامون کی رنگت بدل گئی۔ اس دُھن کو وہ علیہ کے گلے سے سن چکا تھا۔ غصے کے ساتھ مجھ سے پوچھا "تمہیں یہ دُھن کہاں سے ملی؟" عرض کیا "جان کی امان ہو تو سچ سچ عرض کر دوں"۔ اُس نے امان دینے کا وعدہ کیا۔ اور میں نے ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ تمام واقعات سن کے مامون نے کہا "او کینہ ور کمظرف! اب بھی تجھے اس واقعے کا ظاہر کرنا مناسب نہ تھا۔ تو نے اُس معاوضے پر کیوں نہ قناعت کی جو تجھے مل چکا تھا؟" مامون کی یہ تعریض سن کے میں نے قسم کھائی کہ پھر کبھی اس نغمے کو نہ گاؤں گا۔

اُس دور کی نامور مغنیہ ریق کہتی ہے ایک دن میں امیر المومنین ہارون رشید کی صحبت طرب میں تھی۔ وہ اور اُن کے بھائی منصور دونوں بیٹھے نبیذ کے جام پی رہے تھے اور عیش و طرب میں مصروف تھے کہ علیہ کی لونڈی خلوب آئی۔ مگر اس شان سے کہ دو خوشرو کنیزیں اُسکے آگے آگے تھیں جن کے ہاتھوں میں نبیذ کے لبریز جام تھے۔ پیچھے بھی ایک ماہ پیکر کنیز تھی جسکے ہاتھ میں سرود تھا۔ امیر المومنین کا سامنا ہوتے ہی اس نے سرود چھیڑا اور خلوب نے ایسی برانگیختہ کر دینے والی مستانہ دُھن میں چند شعر گائے کہ صحبت کو محو کر دیا۔ یہ نغمہ گاتے ہی گاتے اُس نے دونوں بھائیوں کو وہ دونوں جام نبیذ دیے۔ اور ادب سے بڑھ کے ایک رقعہ رشید کے ہاتھ میں دیا۔ رشید نے پڑھا تو اُس میں لکھا تھا "یا سیدی۔ آپ کی

بہن نے آج یہ دُھن ایجاد کی ہے۔ اور لونڈیون کو اُس کی تعلیم دے کے خدمت مین پیش کر دیا۔ خدا آپ کی مسرت کو برقرار رکھے اور آپ کے عیش کو پائدار رکھے۔"
ایک دن علیہ نے عید کی مبارکباد مین دو شعر کہے اُن مین خود ایجاد کر کے ایک روح افزا و مسرت بخش دُھن قائم کی اور خود آکے بھائی کو خاص اپنے گلے سے ادا کر کے سنائے۔ رشید بے انتہا مسرور ہوا۔ وہ دُھن عام محفلون مین مشہور ہو گئی۔ یہان تک کہ مدتون کے بعد ایک عیب کے جشن مین عریب مغنیہ نے وہ دُھن اس خوبی سے معتمد علی اللہ کو سُنائی کہ وہ مارے خوشی کے مست ہو گیا اور بیخودی مین عریب کو تیس ہزار درہم انعام مین دے ڈالے۔
رشید کے ساتھ علیہ کو بڑی محبت تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اُس کا سارا عیش اُسی کے دم سے وابستہ ہے۔ جب ہارون رشید نے سفر آخرت کیا تو اُسے بڑا بھاری صدمہ ہوا۔ حد سے زیادہ روئی پیٹی۔ نبیذ پینا چھوڑ دی۔ اور گانا بھی چھوڑ دیا۔ مگر امین الرشید نے بہت اصرار کیا کہ پھر گائیے۔ اب وہی خلیفہ تھا اور اُس کی مخالفت اندیشے سے خالی نہ تھی۔ جبراً و قہراً گایا۔ مگر جو شعر کہے اور اُن مین جو دُھنین قائم کین دونون سے مجبوری و معذوری کے اظہار کے ساتھ بلا کی حسرتناکی ظاہر ہوتی تھی۔
مگر امین کے بعد جب مامون رشید مسند نشین خلافت ہوا تو وہ ہر علم و فن کا اتنا بڑا ماہر تھا کہ اُسکے دربار مین ایک سے ایک بڑا صاحب کمال موجود تھا اور اُس کی حد سے زیادہ قدر ہوتی تھی۔ مامون نے علیہ کے ساتھ ایک ایسی خوردانہ محبت ظاہر کی اور اس خوبی کے ساتھ اُس کی دلدہی و قدر کرنے لگا کہ اُسے مرحوم بھائی رشید کی یاد بھولنے لگی۔ اور مامون کے خوش کرنے کے لیے پھر اُسے فن موسیقی مین اپنے کمالات ظاہر کرنا پڑے۔ مگر اسپر بھی یہ کبھی نہین ہوا کہ علیہ نے مامون کی خوشامد اور اُسکے خوش کرنے کے لیے کوئی قصیدہ کہا ہو یا کوئی نغمہ ایجاد کیا ہو۔ ہان اُس نے اپنا وہ نہ گانے کا عہد البتہ توڑ دیا۔
چنانچہ رشید کا بیٹا ابو احمد لکھتا ہے مین ایک دن مامون کی پرائیوٹ صحبت مین بیٹھا ہوا تھا اور میرے برابر میرے دونون چچا منصور اور ابراہیم تھے۔ اتنے

مین عُلیہ کا غلام یاسر آیا۔ اور مامون کے کان مین کچھ کہا۔ مامون نے سُن کے ابراہیم کو اشارہ کیا۔ وہ اُٹھ کے ایک پردے کے اندر چلے گئے جو حرم کی جانب دیوانِ خاص سے ملا ہوا تھا۔ اُنھین گئے چند لمحے ہوے تھے کہ یکایک ایسے نغمۂ دلکش کی آواز کان مین آئی کہ مین بے اختیار جھومنے لگا۔ مامون نے پوچھا "جھومتے کیون ہو؟" عرض کیا "ایسا نغمہ سُن رہا ہون کہ آدابِ دربار بھی بھولے جاتے ہین۔ زندگی بھر کبھی ایسا نغمۂ مستانہ نہین سُنا تھا"۔ اُس نے کہا "یہ تمھاری پھوپھی عُلیہ تمھارے چچا ابراہیم سے ایک دُھن مین مقابلہ کر رہی ہین"۔

عُلیہ کے سگے بھائی ابراہیم بھی موسیقی مین اعلیٰ ترین کمال رکھتے تھے۔ اور اس فن مین سوا اسحٰق موصلی کے اور کوئی اُن کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ اور ان دونون بہن بھائیون کے ایسے صاحبِ کمال موسیقی دان ہونے کی وجہ سے اُس زمانے کے بعض اکابرِ اسلام کا دعویٰ تھا کہ "اسلام مین کوئی ایسے دو بہن بھائی نہین پیدا ہوے جو ایک ہی فن مین اتنا اعلیٰ پایہ رکھتے ہون۔ نہ موسیقی مین کوئی عورت عُلیہ کی ہم پلہ تھی اور نہ کوئی مرد ابراہیم کا ہم رتبہ تھا۔ اور لطف یہ کہ موسیقی کے بڑے بڑے اُستاد عُلیہ کو ابراہیم پر ترجیح دیتے تھے۔

یہی ابراہیم بن مہدی کہتے ہین کہ مجھے جیسی ندامت ایک دن بہن عُلیہ کے سامنے ہوئی زندگی بھر نہین ہوئی تھی۔ وہ کچھ بیمار تھین مین عیادت کو گیا۔ پوچھا "بہن کیسی ہو؟ اور کیا حال ہے؟" اُنھون نے جواب دیا "الحمد للہ اچھی ہون"۔ وہ یہ کہہ رہی تھین کہ میری نظر ایک آفتِ روزگار ماہ پارہ کنیز کے چہرے پر پڑ گئی جو اُنکے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھی۔ اُس کا پیارا مکھڑا مجھے ایسا بھلا معلوم ہوا کہ اُس کے دیکھنے مین محو اور دنیا و مافیہا سے بیخبر ہو گیا۔ اس محویت سے یکایک چونکا اور بہن کی طرف متوجہ ہو کے پھر پوچھا "آپ کیسی ہین؟ اور کیسا مزاج ہے؟" میرے اس سوال پر اُنھون نے سر اُٹھایا۔ مُڑ کے اپنی اُس کنیز کو دیکھا اور پھر پلٹ کے مجھ سے کہا "ایک بار یہی تم مجھ سے پوچھ چکے اور مین اس کا جواب بھی دے چکی"۔ اُن کے ان الفاظ سے مجھ پر گھڑون پانی پڑ گیا۔ اور مارے ندامت کے اُٹھ کر چلا آیا۔

ایک بار مرحوم خلیفۂ ہادی کا بیٹا اسمٰعیل مامون کے پاس گیا تو وہان زنانی

حرم سرا کی طرف سے ایک ایسا نغمہ دلکش و روح افزا سنا کہ مست ہو گیا۔ اور ہوش و حواس بجا نہ رہے۔ ماموں نے یہ حالت دیکھ کے پوچھا "کیوں؟ خیریت تو ہے؟" اُس نے عرض کیا "امیر المومنین۔ ایسا نغمہ سُن رہا ہوں کہ بیخود ہوا جاتا ہوں۔ آج معلوم ہوا کہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ارغون رومی کا نغمہ سُن کے انسان کو شادی مرگ ہو جاتا ہے بالکل صحیح ہے۔ اب مجھے اس کا یقین ہو گیا۔" ماموں نے پوچھا "اور کچھ سمجھے بھی کہ یہ ہے کیا؟" میں نے عرض کیا "خدا کی قسم نہیں سمجھا۔" کہا "یہ تمھاری پھوپھی عُلیہ ہیں جو تمھارے چچا ابراہیم کو اپنی دھن سکھا رہی ہیں۔"

اگرچہ موسیقی نے بظاہر عُلیہ کی شاعری کو مغلوب کر لیا تھا۔ اس لیے کہ اُسکے جتنے اشعار سُنے گئے ہیں سب گانے اور اُن میں دھنیں قائم کرنے کے لیے تھے۔ مگر نہیں۔ وہ پوری شاعرہ تھی۔ اُسکے کلام کو موسیقی سے معریٰ کر کے دیکھیے تو پورے کمالات شاعری کا پتہ چلتا ہے۔ وہ فی البدیہہ کہتی تھی اور بہت اچھا کہتی تھی۔ چنانچہ اپنے بھائی علی بن مہدی کی بیٹی لبابہ کی تعریف میں اُس نے دو ایسے پاکیزہ شعر کہے کہ جس نے سُنے داد دینے لگا۔

اُسکی ڈیوڑھی پر ایک داروغہ تھا سباع۔ عُلیہ کو اُس کی بددیانتی کی خبر پہونچی اُسے پٹوایا اور قید کر دیا۔ محلے والوں کو اُس شخص سے ہمدردی تھی سب نے مل کی اُس کی سفارش میں ایک عرضی عُلیہ کے لاحظے میں پیش کی۔ عُلیہ نے اُس عرضی پر فی البدیہہ تین شعر کہہ کے لکھ دیے۔ جن سے جواب شافی ملتا تھا کہ "سباع قابل اعتبار نہیں۔ اُس کا جُرم ثابت ہے۔ اور اُس کی سفارش بےمحل اور بے وجہ ہے۔"

ماموں رشید ہی کے زمانے سنہ ۲۱۰ھ میں عُلیہ نے پچاس برس کی عمر میں انتقال کیا۔ ابھی اُسکے مرنے کے دن نہ تھے۔ مگر ایک ایسا عجیب واقعہ پیش آ گیا کہ عُلیہ کو مارے غیرت کے دنیا سے منہ چھپا لینا پڑا۔ ہوا یہ کہ ماموں کے اصرار سے اُس نے ایک نغمہ گایا۔ اُس کی دُھن ایسی دلکش اور بیخود کر دینے والی تھی کہ ماموں بیخود ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا اور بے اختیار پھوپھی کو گلے سے لگا کے پیار کر لیا۔

اگرچہ اس حالت میں بھی عُلیہ کے منہ پر نقاب تھی اور ناسون کے ہونٹ اُس کے ہونٹوں سے مَس نہیں ہوئے۔ مگر عُلیہ کے دل کو ندامت کا ایسا شدید دھچکا پہونچا کہ اُسی وقت بخار چڑھ آیا۔ اور اُس بخار اور کھانسی نے تین ہی چار روز کے اندر اُس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔

سچ یہ ہے کہ ایک پاکدامن امیرزادی کے لیے اس سے زیادہ شریفانہ موت نہیں ہو سکتی۔

مگر مرنے کے بعد بھی عُلیہ ایسی مقبول عام اور نادر روزگار یادگاریں چھوڑ گئی تھی کہ خلافت عرب کی مہذب اور امیرانہ صحبتوں میں ہمیشہ اُس کی یاد تازہ رہتی اور ہر محفلِ طرب میں اُس کا نام عزت سے لیا جاتا۔

زمانہ مابعد میں شہرت پانے والی مغنیۂ عرب عُریب کہا کرتی تھی کہ میری زندگی میں سب سے بہتر اور دلکش وہ دن تھا جس دن میں عُلیہ کی صحبت میں گئی۔ اُنکے بھائی ابراہیم اور یعقوب بھی اُنکے پاس بیٹھے تھے۔ یعقوب سُر دینے میں اپنا جواب نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ سُر دینے لگے: اور عُلیہ نے خاص اپنی ایجاد کی ہوئی دھنیں گانا شروع کیں۔ اُنکے بھائی ابراہیم نے چند اپنی دھنیں گائیں۔ اور یعقوب اُنکے ساتھ بھی سُر دیتے گئے"۔ یہ واقعہ بیان کر کے عُریب کہنے لگی "ایسا نغمۂ دلکش میں نے کبھی زندگی میں نہ اُس سے پہلے سُنا تھا۔ نہ اُسکے بعد سُنا۔ اور نہ آیندہ سُننے کی اُمید ہے"۔

بعد کے بعض خلفائے آل عباس اس بات کو چھپانا چاہتے تھے کہ اُنکے خاندان کی ایک محترم خاتون گاتی بجاتی تھی۔ چنانچہ موسیٰ ہادی کا پوتا محمد بن اسمٰعیل کہتا ہے ایک دن میں معتصم باللہ کی صحبت عیش میں شریک تھا۔ مشہور مغنیوں میں سے مخارق۔ عُلویہ۔ محمد بن حارث اور عقید بیٹھے ہوے تھے۔ عقید گا رہی تھی اور میں سرود چھیڑتا تھا۔ گاتے گاتے اُس نے ایک چیز گائی جس کا مضمون یہ تھا کہ "ملامت کرنے والے تھک کے سو گئے۔ اور میری آنکھ نہ لگی۔ میرے مرض سے شکایت کرنے والے بیماروں کو شفا ہو گئی۔ اور میری وہی حالت ہے"۔ یہ نغمہ سُن کے معتصم انتہا سے زیادہ محظوظ ہوا۔ اور پوچھا "یہ کس کے اشعار

ہین؟ اور کس کی بنائی ہوئی دُھن ہے؟" جواب مین اور سب تو خاموش رہے مگر مین کمبخت بول اُٹھا "دونون چیزین عُلیہ کی ہین"۔ سنتے ہی معتصم نے میری طرف سے مُنہ پھیر لیا - ساری محفل مین سناٹا چھا گیا - اور مین اب سمجھا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی جو عُلیہ کا نام زبان سے نکالا - میری ندامت کو آخر معتصم نے محسوس کیا اور کہا "تم پریشان نہ ہو - اس کا جو اثر مجھ پر پڑتا ہے وہی تم پر بھی پڑتا ہے"۔

مگر خلیفۂ منتصر کی یہ حالت نہ تھی - اس کا مذاق ہی اور تھا - اسکی محفل طرب مین بُنان مغنیہ نے ایک دلکش نغمہ گایا - جس کے اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "قیصر ترک کی ملکہ! اور بادشاہ و رعایا دونون کی حاکم! للہ ہمارے قتل سے درگذر ہم نہ دیلم ہین نہ ترک"۔ یہ نغمہ گا کے بُنان بے اختیار ہنس پڑی۔ منتصر نے پوچھا "اس مین ہنسنے کی کون بات تھی؟" عرض کیا "مجھے یہ خیال کرکے ہنسی آئی کہ اس گیت کا مصنف کتنا بڑا معزز شخص تھا؟ دُھن قائم کرنے والا کس پائے کا تھا؟ اور سننے والا کتنا بڑا شخص ہے؟" منتصر نے کہا "صاف صاف بیان کرو کہ مجھے بھی لطف آئے"۔ عرض کیا "یہ شعر ہارون رشید کا ہے - دُھن عُلیہ بنت مہدی کی ہے - اور سننے والے امیر المومنین المنتصر باللہ ہین"۔ یہ جواب منتصر کو بہت پسند آیا چنانچہ اس نغمے کو وہ اکثر مغنیون سے بار بار گوا کے سُنا کرتا -

عُریب کا شاگرد میمون بن ہارون مغنی کہتا ہے "مین نے ایک دن خواب مین دیکھا کہ عُلیہ بنت مہدی میرے سامنے آئی ہین اور مین اُن سے پوچھ رہا ہون کہ خاص آپ کی ایجاد کی ہوئی کتنی دھنین ہین؟ اُنھون نے بتایا پچاس سے زیادہ اسکے بعد مین نے اپنی گانے کی اُستانی عُریب سے اس خواب کا تذکرہ کیا تو وہ بولین "بیشک اُنکی دُھنین اتنی ہی ہین"۔

متوکل کے عہد مین ایک مقبول و مشہور مغنیہ تھی خشف واضحیہ - اُس سے اور عریب سے متوکل کے سامنے اس پر اختلاف ہوا کہ علیہ کی نکالی ہوئی کتنی دُھنین ہین؟ خشف نے ۷۳ دُھنین بتائین - عریب نے کہا "نہین بہتر ہی ہین"۔ متوکل نے کہا "اس کی سند نہین - اُن کی وہ سب دُھنین مجھے گا کے سُناؤ"۔ دونون نے عُلیہ کی دھنون کو گانا شروع کیا - یہان تک کہ پوری بہتر دُھنین گا گئین بہتر ہی ہین

دھن خشف نے حافظے پر لاکھ زور ڈالا نہ یاد آئی۔ اور عریب کے مقابل اُسے خفیف ہونا پڑا۔ نہایت ہی دل شکستہ گھر مین آئی۔ رات کو خواب مین کیا دیکھتی ہے کہ علیہ آئی ہین اور کہہ رہی ہین کہ "خشف۔ عریب نے تم سے اختلاف تو کیا مگر حق پر تم ہی تھین۔ میری وہ دھن جس کو تم بھول گئین یہ ہے"۔ یہ کہہ کے اُنھون نے وہ دھن گا کے بتائی۔ اور اس طرح گائی کہ میرے دل پر نقش ہوگئی۔ اور جیسا اُنھون نے گایا ویسا نغمہ مین نے زندگی بھر نہین سُنا تھا۔ اس خواب مین علیہ نے مجھے اور بھی بہت سے رموز موسیقی بتائے۔

صبح کو مین اُٹھی تو مارے خوشی کے جامے سے باہر تھی۔ سویرے ہی متوکل کی خدمت مین حاضر ہوئی۔ خواب کا واقعہ بیان کرکے وہ دھن سنا دی۔ عریب بھی بُلوائی گئی تھی۔ اُس نے سُن کر کہا "اس دھن کو تو مین مانے لیتی ہون کہ عُلیہ کی ہے۔ مگر یہ خواب تمھارا تصنیف کیا ہوا معلوم ہوتا ہے"۔ مین نے اسپر قسمین کھائین تو خلیفہ کو یقین آیا اور اُنھون نے تسلیم کر لیا کہ واقعی مجھے رات کو علیہ کی زیارت نصیب ہوئی۔

خرقاء

یہ بھی عرب کی ایک مشہور و معروف معشوقہ تھی۔ یون تو ہر زبان کے ادب، انشا اور ہر قوم کی شاعری مین چند معشوقائین مشہور ہوتی ہین مگر عرب مین چونکہ ہر شاعر کو اپنی شاعری کے لیے کسی خاص محبوبہ کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی اس لیے جتنی مہ جبین دلربائین عرب مین مشہور ہوئین اور کسی زبان مین نہین مشہور ہو سکین۔

خرقاء کا عاشق صادق ذوالرمہ شاعر تھا جس کا کلام بہت مقبول و مشہور ہے۔ اور وہ سارا کلام دراصل اسی مہجبین ناز آفرین خرقاء کے حسن و جمال کا آئینہ ہے۔ ذوالرمہ کی وفات کے بعد خرقاء مدت تک زندہ رہی۔ اور بہت بوڑھی ہو کے مری۔ آخر عمر مین اُسے ضرورت تھی کہ اُسکی بیٹی کی نسبت کسی اچھے گھر مین ہو جائے۔ اس خیال سے کوشش کی کہ اُس کی اگلی شہرت پھر زندہ ہو۔ چنانچہ اُس وقت کے ایک دوسرے شاعر قحیف بن حمیر کے پاس کہلا بھیجا کہ میرے حُسن کی تعریف اور میرے

عشق کے اظہار میں چند نظمیں کہہ کے مشہور کر دو۔ نحیف نے فوراً اُسکے حکم کی تعمیل کی اور دنیائے شعر و سخن کی اس محترم ملکہ کا نام عرب کی زندہ دل سوسائٹی میں از سر نو روشن کر دیا۔

اسی نحیف کا بھتیجا حجاج کہتا ہے میں حج کو گیا تھا۔ واپسی میں میرا گذر اُس مقام پر ہوا جہاں خرقاء رہتی تھی۔ اُن دنوں وہ نہایت ہی بوڑھی تھی۔ اور عہد شباب کی اُن دلربائیوں کا کہیں پتہ نہ تھا جنھوں نے ذوالرمہ کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ میرا اُس کا سامنا ہوا تو پوچھنے لگی "حج سے آرہے ہو؟" میں نے کہا "جی ہاں" مسکرا کے پوچھنے لگی "اور تمھارا حج ہو ابھی؟" میں نے جواب دیا "الحمد للہ کہ خدا نے حج پورا کرا دیا۔" بولی "جھوٹے ہو۔ تمھارا حج ہرگز نہیں ہوا" میں نے حیرت کے ساتھ دریافت کیا "کیوں؟" کہنے لگی "اس لیے کہ ذوالرمہ کہتا ہے۔

تمامُ الحج اَن تقِفَ المطَایَا علی خرقاءَ واضعۃ اللِّثَامِ

مطلب یہ کہ حج اُسوقت پورا ہوتا ہے جب راستے خرقاء کے سامنے آ کے ٹھہریں اور وہ بے نقاب نظر آئے۔

میں نے ہنس کے کہا "یہ اُن دنوں کا ذکر ہے جب تم جوان تھیں۔ شباب کا زمانہ تھا۔ اور نگاہیں تمھارے جمال جہان آرا کی زیارت کی مشتاق تھیں۔ اب تم میں نہ وہ اگلی نگاہ دلدوز ہے۔ اور نہ وہ ادائی کشش دل افروز۔ بولی "غلط کہتے ہو۔ اپنے چچا نحیف کا شعر یاد کرو جو کہتے ہیں۔

وخرقاءُ لا تزدادُ الّا ملاحۃً ولو عمّرت تعمیر نوحٍ وحلّتِ

مطلب یہ کہ خرقاء چاہے بڑی لمبی عمر کو پہونچے۔ عمر نوح پائے۔ اور بوڑھی پھونس ہو جائے مگر اُس کا حسن و جمال روز بروز بڑھتا ہی جائے گا۔

یہ سُن کے حجاج سے جواب نہ بن پڑا۔ اور اُس سے رخصت ہو کے آگے کی راہ لی۔

عائشہ بنت طلحہ

(۱)

یہ عہد تابعین کی بڑی شریف النسب۔ زندہ دل۔ پارسا۔ وصاحب جمال خاتون

تھین - اُن کا پہلا شرف یہ تھا کہ حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کی صاحبزادی تھین جنکا شمار عشرۂ مبشرہ مین ہے - دوسرا شرف یہ کہ اُنکی والدہ محترمہ ام کلثوم حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی تھین - جن کے وسیلے سے اُنھین حضرت صدیق اکبرؓ کی نواسی اور حضرت عائشۂ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی ہونے کا شرف حاصل ہے - اسکے سوا تیسرا فخر اُنکا یہ ہے کہ حضرات حسنین علیہما السلام کی سالی تھین - اس لیے کہ اُنکی بہن ام اسحٰق کے ساتھ پہلے حضرت امام حسن علیہ السلام نے اور اُنکے بعد جناب امام حسین علیہ السلام نے نکاح کیا - اور دونون اماموں کو خدا نے اُنکے بطن سے اولاد عطا کی - اسلیے کہ امام حسنؓ کے فرزند طلحہ اور امام حسینؓ کی صاحبزادی فاطمہ اُنھین کے بطن سے پیدا ہوئی تھین -

عائشہ بنت طلحہ کا حسن وجمال اُن دنون شرفا و معززین عرب مین نہایت مشہور تھا - اور علی العموم اہل سیر کہتے ہین کہ اُنکی صورت اُن کی خالہ عائشۂ صدیقہ سے بہت ملتی تھی - اور حضرت عائشہ کو اُن سے محبت بھی ویسی ہی تھی - چنانچہ اُنھون نے اپنی ان خوبصورت و پری تمثال بھانجی کا عقد اپنے سگے بھتیجے عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن ابی بکر کے ساتھ کر دیا - اُن سے عائشہ بنت طلحہ کو خدا نے پہلے جو فرزند دیا اُس کا نام عمران تھا - اور اسی کی نسبت سے اُنھون نے اپنی کنیت ام عمران رکھی - عمران کے علاوہ اُنھین اِنھین پہلے شوہر سے خدا نے تین اور اولادین بھی دی تھین - جن کے نام ابو بکر - طلحہ - اور نفیسہ ہین - اُن کی صاحبزادی نفیسہ بھی حسن وجمال مین بے نظیر تھین - چنانچہ ولید بن عبد الملک کے ساتھ نکاح ہونے کے بعد وہ خلافت بنی اُمیہ اسلامیہ کی ایک عالی وقار ملکہ بن گئین -

عائشہ بنت طلحہ باوجود پارسا و پرہیزگار ہونے کے بڑی نازآفرین بیوی تھین شوہر کا دباؤ مشکل سے مانتین - اور جیسی زندہ دل - شوخ طبع تھین ویسی ہی نازک مزاج اور زبان کی تیز بھی تھین - عام محبوبیت و مقبولیت اور اُسکے ساتھ دولت و امارت نے ان جذبات کو بڑھا دیا تھا - اُنھین خاندانی قرابت بنی تیم سے تھی - اور بنی تیم کی عورتون کی یہ شان سارے عرب مین مشہور تھی کہ ایک طرف تو اپنے شوہرون کی نہایت محبوبہ اور لاڈلی بیوی ہوتین اور دوسری طرف نہایت ہی زبان دراز

اور تیز ہوتین۔ یہی صفت ایک حد تک ان محترم بیوی مین بھی موجود تھی۔
یہی حال ان کی بہن اُم اسحق کا تھا۔ جن دنون وہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے عقد نکاح مین تھین وہ اُن بیوی کی نسبت فرمایا کرتے "اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ وہ حاملہ ہوئین۔ زچگی ہوئی۔ مگر اس پوری مدت مین مجھ سے اُن سے بگاڑ رہتا تھا بات چیت ترک تھی۔۔ نہ وہ مجھ سے بولتی تھین نہ مین اُن سے بات کرتا تھا"۔
اس مزاج و مذاق کا انجام یہ تھا کہ عائشہ بنت طلحہ اور اُنکے شوہر عبدالرحمن سے بگڑی۔ اور ملال یہان تک بڑھا کہ عائشہ نے اُٹھ کے ایک چادر اوڑھ لی اور گھر سے نکل کے اپنی خالہ حضرت اُم المومنین صدیقہؓ کے پاس پہونچین اور اُنھین کے حجرے مین جو مسجد نبوی کے اندر تھا سکونت اختیار کرلی۔ اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ مسجد نبوی مین ایک دن اتفاقاً اُنکے خوبصورت چہرے پر صحابی رسول اللہ حضرت ابو ہریرہؓ کی نظر پڑگئی۔ اور یہ بیخود کر دینے والا جمال جہان آراد دیکھ کے بے تحاشا اُن کی زبان سے نکلا "سبحان اللہ! معلوم ہوتا ہے جنت سے حور اُتر آئی ہے!" چار مہینے تک محترم خالہ کے پاس رہی تھین کہ اُنھون نے سمجھا بجھا کے میان بیوی مین ملاپ کرا دیا۔ اور پھر شوہر کے پاس جا کے رہنے لگین۔ مگر اب بھی بنتی نہ تھی۔ روز بگاڑ ہوتا۔ یہان تک کہ ان لڑائیون کا حال سُن سُن کے لوگون نے عبداللہ سے کہا "یہی حال ہے تو پھر آپ طلاق کیون نہین دیدیتے؟" لوگون کے اس ناگوار مشورے کو سن سُن کے اُنھون نے دو شعر پڑھے جن کا مضمون یہ تھا کہ "لوگ کہتے ہین طلاق دیدو۔ مگر جس سے محبت ہو اُس کو کیونکر طلاق دون؟" تھوڑے دنون بعد عبداللہ کا انتقال ہوگیا۔ اور عائشہ بنت طلحہ باوجود رنجشون کے اُن کی وفات تک اُنھین کے عقد مین رہین۔
ان پہلے ابن عم شوہر کی وفات کے بعد اُنھین حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی مصعب بن زبیر نے پیام دیا۔ عائشہ بنت طلحہ کی طرف سے بہت ہی ناقابل برداشت شرطین پیش ہوئین۔ اور مصعب نے اُن سب کو قبول کر لیا۔ چنانچہ پانچ لاکھ درہم مہر ادا کر کے اُن سے عقد کیا اور پانچ ہی لاکھ درہم نکاح کے بعد رونمائی مین دیے۔ یہ خبر عبداللہ بن زبیر کو پہونچی تو اپنے بھائی مصعب کی نسبت کہا "اُنھون نے

تلوار میان میں کر لی۔ اور حفظ نفس حاصل کرنے میں پڑ گئے"۔ ان دونوں بھائیوں کا سب سے بڑا سنگدل دشمن عبد الملک بن مروان تھا۔ اُس نے جو عبد اللہ بن زبیر کا یہ فقرہ سُنا تو ہنس کر کہا "عبد اللہ نے غلطی کی۔ مصعب تو دین و دُنیا دونوں میں غافل ہیں"۔

بہرحال عبد اللہ بن زبیر نے یہ جملہ کہنے کے بعد مصعب کو ایک تحریر بھیجی جس میں عیش پرستیوں پر سرزنش کی تھی۔ قسم دلائی تھی کہ خبردار اب مدینے کو چھوڑو اور مجھ سے مکۂ معظمہ میں آ کے ملو۔ یہ بھی تاکید جانو کہ راستے میں مقام بیداء کے سوا اور کسی جگہ نہ ٹھہرنا۔ اور وہاں ٹھہرنے کو میں نے کہا بھی تو اس لیے کہ میرے خیال میں شاید یقین وہ شخص ہو جو وہاں زمین میں دھنسے گا"۔ مصعب کو یہ تحریر ملی تو فوراً مکے میں آ کے معظم و محترم بھائی سے ملے۔ اور عجز و الحاح کے ساتھ قصور معاف کرا کے اُنھیں راضی کر لیا۔

مصعب کے عقد میں آنے کے بعد جناب عائشہ بنت طلحہ کے غمزہ و ناز کی یہ حالت تھی کہ کبھی اُنھیں اپنے پنڈے میں ہاتھ نہ لگانے دیتیں۔ مصعب خوشامدیں کرتے مگر وہ ایک نہ سنتیں۔ آخر ایک دن مصعب نے عاجز آ کے اس کی شکایت اپنے معتمد اور منشی ابن ابی فروہ سے کی۔ اُس نے کہا "آپ کی ناز برداری نے اُنکے ناز و انداز بڑھا دیے ہیں۔ آپ کی اجازت ہو تو میں دم بھر میں اُنھیں سیدھا کر کے آپ کی لونڈی بنا دوں"۔ مصعب نے کہا "میں تمھیں اجازت دیتا ہوں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ اُن سے زیادہ محبوب مجھے دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اور خدا نے اپنے فضل و کرم سے مجھے جتنی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اُن سب سے زیادہ شیریں و پُر لطف نعمت میں اُنھیں کو سمجھتا ہوں"۔ ابن ابی فروہ نے کہا "آپ اطمینان رکھیں۔ اُنھیں ضرر کسی قسم کا نہ پہونچے گا"۔ اسکے بعد ابن ابی فروہ نے دو قوی ہیکل حبشی غلاموں کو ساتھ لیا۔ اور جناب عائشہ کے دروازے پر جا کے دروازہ کھلوایا۔ اور اندر جانے کی اجازت مانگی۔ اُسوقت رات ہو چکی تھی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بولیں "بھلا اندر آنے کا یہ کون وقت ہے؟" جواب دیا "جی ہاں میں اسی وقت آنے پر مجبور ہوں"۔ عائشہ سامنے سے ہٹ گئیں اور اُس نے گھر کے اندر داخل ہو کے غلاموں کو حکم دیا کہ

کہ انگنائی مین ایک گہرا گڑھا کھود و۔ وہ دونون جو کدالین ساتھ لائے تھے کھودنے لگے اور جناب عائشہ اور اُنکی کنیزین گھبرا گھبرا کے دیکھ رہی تھین کہ یہ گڑھا کیون کھودا جا رہا ہے؟ آخر ایک کنیز نے پوچھا کہ "گڑھا کیون کھود رہے ہو؟" ابن ابی فروہ نے کہا "اب اس کا کیا جواب دون؟ تمھارے آقا کمبخت اتنے بڑے ظالم و سنگدل ہین کہ دم مارنے کی مجال نہین۔ مین تو یہ کام نہ کرتا۔ مگر افسوس اُن سے ڈرتا ہون۔ اور اُن کے حکم سے مجبور ہون۔" اُس کنیز نے گھبرا کے پوچھا "آخر اُنھون نے کیا حکم دیا ہے؟" کہا "حکم یہ ہے کہ ایک گہرا کنواں کھود کے تمھاری بیوی کو اُس مین زندہ دفن کر دون۔" یہ سنتے ہی سب کنیزین کانپ گئین۔ اور عائشہ بنت طلحہ کے تو ہوش و حواس بجا نہ تھے۔ ابن ابی فروہ کے پاس آ کے رحم کی التجا کرنے لگین۔ اُس نے کہا بیوی آپ کے میان اتنے بڑے سنگدل ہین کہ جس کی حد نہین۔ دنیا بھر مین اُن سے بڑا خونریز آدمی نہین پیدا ہوا ہے۔ کس کی مجال ہے کہ اُنکے حکم کو ٹال کے اپنی جان خطرے مین ڈالے؟" جناب عائشہ نے خوشامد کر کے کہا "اچھا اتنا ٹھہرو کہ مین ذرا اُن سے مل لون۔" ابن ابی فروہ نے کہا "افسوس یہ تو ہو ہی نہین سکتا۔" اور ساتھ ہی غلامون کو ڈانٹا کہ "جلدی کھودو۔" اُس کی یہ مستعدی دیکھ کے جناب عائشہ اور سب کنیزین زار و قطار رونے لگین۔ اور گھر بھر مین ٹپس پڑ گئی۔ تھوڑی دیر رونے پیٹنے کے بعد اُنھون نے نہایت ہی یاس کے لہجے مین کہا "تو کیا اب مجھے مار ہی ڈالو گے؟ اور میرے بچنے کی کوئی صورت نہین؟" ابن ابی فروہ بولا "حضور کیا عرض کرون۔ اللہ جل شانہٗ اس سنگدل ظالم سے اُس کا بدلہ ضرور لے گا۔ مگر اس وقت کوئی بات بن نہین پڑتی۔ خدا نہ کرے کہ اُسے غصہ آئے۔ اُس کا غصہ وہ کافر غصہ ہے کہ جس کی کوئی روک نہین۔" عائشہ نے پوچھا "تو آخر میرا قصور کیا ہے؟ جو مجھ پر یہ غصہ ہے؟" بولا "یہی کہ آپ اُن کا کہنا نہین مانتین۔ اُنکو خیال پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کے دل مین اُن کی طرف سے کینہ ہے۔ اور آپ کے دل مین کوئی اور بسا ہوا ہے۔ اسی طیش مین وہ آپے سے باہر ہو گئے ہین۔" بولین "تو تمھین خدا کی قسم دلاتی ہون کہ اُنکے پاس جاؤ اور اس بارے مین کچھ کہو سنو۔" ابن ابی فروہ نے کہا "لیکن ڈر لگتا ہے کہ مین حکم کی تعمیل کرنے سے پہلے اُنکے سامنے گیا اور اُنھون نے میرے قتل کا

حکم دے دیا تو کیا ہوگا؟" اس جواب پر پھر گھر میں کہرام مچ گیا۔ جب دیر تک یہی حالت رہی اور ابن ابی فروہ نے سب کنیزوں خصوصاً جناب عائشہ کو خوب پٹوا لیا تو کہا "افسوس آپ کی گریہ وزاری اب مجھ سے نہیں دیکھی جاتی۔ اب چاہے مارا جاؤں یا زندہ بچوں۔ اُنکے پاس جاتا ہوں۔ مگر حضور فرمائیں تو سہی کہ اُن سے جا کے کیا کہوں؟" بولیں "تم اُن سے ذمہ کر لو کہ مجھ سے پھر کبھی ایسی حرکت نہ ہو گی۔" کہا "اور اس معاوضے میں حضور میرے ساتھ کیا سلوک کریں گی؟" کہا "جب تک جیتی ہوں احسانمند رہوں گی۔" بولا "تو پھر قسم کھا کے اقرار اور عہد و پیمان کیجیے۔" اُنھوں نے عہد کیا۔ اور ابن ابی فروہ حبشیوں کو کھود نے سے روک کے مصعب کے پاس آیا۔ اور ساری سرگذشت بیان کی۔ اُن کو ابن ابی فروہ کی کارروائی پر تعجب ہوا۔ اور کہا "تو پھر جا کے اُن سے قسم بھی لے لو کہ اب کبھی مجھ سے نہ لڑیں گی۔ اور نہ میرا کہنا رد کریں گی۔" ابن ابی فروہ نے فوراً جا کے اس کی بھی تعمیل کرائی۔ اور غلاموں کو لے کے واپس آیا۔ اور مصعب میں اور اُن میں بہت دنوں کے لیے ملاپ ہو گیا۔

ایک بار اور مصعب سے بگاڑ ہوا۔ اور اتنے دنوں کشیدگی رہی کہ دونوں کو اس کا ملال محسوس ہونے لگا۔ اسی اثنا میں مصعب ایک میدان جنگ میں گئے۔ اور وہاں سے فتحیاب ہو کے واپس آئے۔ اُن کے آنے کی خبر سنی تو عائشہ نے اپنی ایک کنیز سے کہا "افسوس مجھ سے اُن سے بگاڑ ہے۔ اور اب اس ملال سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔" اُس نے کہا "اس سے بہتر ملاپ کا کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ آپ اسی وقت چلی جائیے اور فتح کی مبارکباد دیں۔" دل میں نیکی آ گئی۔ فوراً چلی گئیں۔ اور فتح کی مبارکباد دی۔ مصعب چونکہ اُسی وقت میدان گیرودار سے چلے آتے تھے چہرے اور کپڑوں پر انتہا غبار پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ سے اُنکے چہرے اور جسم کو جھاڑنے لگیں۔ مصعب خود و زرہ پہنے ہوئے تھے۔ کہنے لگے "زیادہ قریب نہ آؤ۔ لوہے کی بو سے تمھارے سر میں درد ہونے لگے گا۔" بولیں "یہ بو خدا کی قسم مجھے مشک و عنبر کی خوشبو سے زیادہ پیاری ہے۔"

عائشہ بنت طلحہ کی ناز آفرینی اور نازک مزاجی کی یہ حالت تھی کہ ایک دن صبح صبح مصعب آٹھ بڑے بڑے موتیوں کے دانے لیے ہوئے آئے۔ اُنکو خواب ناز

سے جگا یا۔ اور سوتی اُن کی گود مین ڈال دیے۔ وہ آنکھین ملتی ہوئی اُٹھین۔ اور کہا "جو لطف اس وقت نیند مین آ رہا تھا اُسکے سامنے یہ موتی کچھ نہین۔ مجھے ناحق جگا دیا"

(۲)

اُن دنون اشعب نام ایک مسخرہ تھا جس کی بڑے بڑے معززین مین رسائی تھی۔ اور اُسکے صدہا واقعات مشہور ہین۔ حضرت سکینہ بنت حسین رضی اللہ عنہا کے حالات مین بھی اُسکے متعدد واقعات کتب سیر مین درج ہین۔ یہ اشعب مصعب کی خدمت مین اکثر آیا کرتا تھا۔ ایک دن جناب عائشہ بنت طلحہ مصعب سے سخت ناراض تھین۔ اور مصعب اسی فکر مین بیٹھے تھے کہ اشعب آ گیا اور اُنکو فکرمند دیکھ کے جویاے حال ہوا۔ اُنھون نے ساری سرگذشت بیان کر دی اور اپنی پریشانی ظاہر کی۔ اشعب نے کہا "اگر مین اُنھین راضی کر دون تو کیا دلوایے گا؟" کہا "جو مانگو"۔ اشعب نے کہا "دس ہزار درہم لون گا"۔ مصعب نے کہا "اچھا"۔ یہ اُن سے اقرار لے کے اشعب جناب عائشہ کے پاس پہونچا۔ اور عرض کیا "حضور یہ غلام آپ پر سے قربان ہو۔ حضور جانتی ہین کہ اس خادم کو آپ سے کیسی محبت ہے؟ میری وفاداری آج ہی کی نہین پرانی ہے۔ اور مین دراصل حضور ہی کی خوشی پر جیتا ہون۔ اور پھر میری یہ خوشامد کسی غرض سے نہین ہے بلکہ خالص جوش غمخواری نے مجھے مرحمت و عنایت کا امیدوار بنا رکھا ہے۔ اس وقت ایک خاص ضرورت حضور کی ڈیوڑھی پر لائی ہے۔ نظر عنایت ہو گئی تو زندگی بھر بے دامون کا غلام رہونگا"۔ جناب عائشہ نے ہنس کے کہا "کچھ کہوگے بھی یا یونہین فضول بکتے چلے جاؤ گے؟" بولا "جی ہان عرض کرتا ہون۔ مجھے فی الحال دس ہزار درہم کی ضرورت ہے۔ اور ہمارے امیر مصعب نے وعدہ کر لیا ہے کہ یہ رقم اسی وقت دے دین گے بشرطیکہ حضور اُن سے راضی ہو کے ملاپ کر لین"۔ یہ سنتے ہی عائشہ کی جبین ناز پر شکن پڑ گئی۔ سخت برہمی سے کہا "ہرگز نہین ہو سکتا۔ قیامت تک نہ ہوگا"۔ اشعب نے کہا "تو پھر ایک کام کیجیے۔ دو ایک روز کے لیے راضی ہو کے مل لیجیے۔ اور جیسے ہی مجھے رقم مل جائے پھر لڑ جھگڑ کے بگڑ جائیے گا۔ اور وہی کج ادائیان اور کج خلقیان

جو خدا نے آپ کو دی ہیں اختیار کر لیجیے گا"۔ یہ سن کے عائشہ کو ہنسی آ گئی۔ اور اُسکے کہنے کے بموجب مصعب سے ملاپ کر لیا۔

اسی طرح ایک اور دفعہ کا واقعہ ہے کہ عائشہ او مصعب میں لڑائی ہوئی۔ ناراضی اور بگڑنے میں عائشہ یہاں تک بڑھیں کہ غصے میں کہ بیٹھیں "مصعب میرے بھائی کی جگہ ہیں"۔ یہ کہتے ہی اپنا کمرہ بند کر کے بیٹھ رہیں۔ او مصعب نے لاکھ صفائی کی تدبیریں کیں کوئی کارگر نہ ہوئی۔ آخر عاجز آ کے اُنھوں نے قیس رقیات کو جو اُس عہد کے ایک صاحب اثر بزرگ تھے درمیان میں ڈالا۔ اُنھوں نے آ کے جناب عائشہ بنت طلحہ کو سمجھانا شروع کیا۔ کہنے لگیں "آپ کے کہنے سے میں مل بھی جاؤں تو اس کا کیا علاج ہے کہ اُن سے نہ ملنے کی قسم کھا چکی ہوں۔ اور اُنھیں اپنا بھائی بنا چکی ہوں"۔ قیس نے کہا "اس کا یہ علاج ہے کہ مفتی عراق اور فاضل و فقیہ زمانہ امام شعبی موجود ہیں۔ آپ اُن سے فتوے اور مشورہ لیجیے۔ وہ بتا دیں گے کہ یہ دشواری کیسے دور ہو سکتی ہے"۔ بہر حال قیس کے کہنے سے شعبی بلوائے گئے۔ انھوں نے چار ہزار درہم کفارے میں بتائے۔ اور کہا "یہ رقم ادا کر دیجیے۔ آپ کے سامنے سے قسم کی دیوار ہٹ جائے گی۔ اور پھر مصعب سے ملنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو گا"۔

مصعب سے اکثر بگاڑ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ عائشہ بنت طلحہ اُن کا کہنا بہت کم مانتی تھیں۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا چہرہ عام لوگوں سے چھپاتی نہ تھیں۔ جو آتا اُس کو اپنی صورت دکھا دیتیں۔ اس پر مصعب بگڑتے۔ اور بے پردگی سے روکتے۔ اسکے جواب میں ان کے چھیڑنے کے لیے کہتیں "خدا نے مجھے زیور جمال سے آراستہ کیا ہے۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ خدا کی اس نعمت کو میں لوگوں سے چھپاؤں۔ اور انکو اس خوبصورت چہرے کی زیارت سے محروم رکھوں"۔ اس پر مصعب اور برافروختہ ہوتے۔

مگر یہ روایت یقیناً غلط ہے۔ اس لیے کہ اُنکی زندگی کے تمام واقعات سے متواتر ظاہر ہوتا ہے کہ اپنا چہرہ چھپاتیں اور پردے میں رہتی تھیں۔ ممکن ہے کہ اتفاقی طور پر آبو ہریرہ رضی اللہ عنہ یا بعض اور لوگوں نے جو اُنکی صورت

دیکھ پائی تھی اُس کی شکایت مصعب نے کی ہو۔ اور نازبردار شوہر کے چھیڑنے اور چڑھانے کے لیے اُنھون نے یہ جواب دے دیا ہو۔ اگر یہ صحیح واقعہ ہوتا تو اُن کا طرز عمل بھی اس کے مطابق ہوتا۔ حالانکہ اُن کے مشرح و مفصل حالات مین بے پردگی کا مطلق پتہ نہین چلتا۔

اسی طرح یہ واقعہ بھی غلط اور بے اصل معلوم ہوتا ہے جو مصعب کے ساتھ عائشہ کا نکاح ہونے کے متعلق بعض اہل روایت نے بیان کیا ہے کہ ایک دن مصعب بن زبیر۔ عبداللہ بن عبدالرحمن بن ابی بکر۔ اور سعید بن عاص جو اُس دور کے وضعدار شوقین اور دولتمند نوجوانان قریش مین سے تھے عزۃ المیلاء کے پاس گئے جو اُن دنون مدینے کی ایک بڑی مشہور صاحب جمال مغنیہ تھی اور اکثر عورتون کے مذاق و حالات سے واقف رہا کرتی تھی۔ ان تینون نے اُس سے کہا کہ ہم نے اپنی شادیان ٹھہرائی ہین اور دولھنین بھی تجویز کر لی ہین۔ مگر اتنا چاہتے ہین کہ نکاح کے پیشتر تمھارے ذریعے سے دریافت کر لین کہ یہ لڑکیان کیسی شکل و شمائل کی ہین"۔ عزۃ المیلاء نے کہا "اچھا تم نے کن کن لڑکیون کو تجویز کیا ہے؟" مصعب نے عائشہ بنت طلحہ کو۔ عبداللہ نے اُم قاسم بنت زکریا کو۔ اور سعید نے عائشہ بنت عثمان بن عفان کو بتایا۔ عزہ اُنکو اپنے مکان مین بٹھا کے گئی۔ ان سب بیبیون سے ملی۔ اُن کے جسم اور اُن کی صورتون کو بخوبی دیکھا۔ بلکہ عائشہ بنت طلحہ نے تو اُس کی خواہش کے مطابق برہنہ ہو کر اُسے اپنے ہر ہر عضو کے دیکھنے اور اُس پر غور کرنے کا موقع دے دیا۔ اور جب وہ چلی تو کہا تمھارا کہنا تو مین نے کر دیا۔ اب تم میرا کہنا بھی کر دو"۔ اُس نے کہا "جو حکم ہو"۔ فرمایا "کچھ گا کے سناؤ۔ جس کا ایک زمانہ مشتاق ہو رہا ہے"۔ عزہ نے دو ایک راگ گا کے سنائے جس پر عائشہ بہت خوش ہوئین۔ اور خلعت و زیور سے سرفراز کر کے رخصت کیا۔ گھر واپس آ کے عزہ نے مصعب سے کہا "سنو۔ تمھاری دولھن حسن و جمال مین اپنا جواب نہین رکھتی۔ ہر عضو سانچے مین ڈھلا ہوا ہے۔ اور ہر ادا معشوقانہ ہے۔ بڑی تلاش سے اُن مین فقط دو عیب نظر آئے۔ ایک کان بڑے ہین۔ اور دوسرے یہ کہ پاؤن بھی بڑے ہین۔ مگر ان عیبون پر انسان کی نظر نہین پڑ سکتی۔ اس لیے کہ کانون کو خمار چھپائے رہتی ہے۔ اور پاؤن

حجرابون مین چھپے رہتے ہین۔ اسکے بعد اور دونون نوجوانون کو اُن کی دو طلبون کی نسبت بھی اطمینان دلایا۔ اور اُسی کے مشورے سے تینون نے اُن لڑکیون کے ساتھ شادیان کین۔

اس روایت کے بے بنیاد ہونے کی کھلی وجہ یہ ہے کہ اس مین مصعب اور عبداللہ بن عبدالرحمن دونون کی نسبت کہا گیا ہے کہ ایک ساتھ عزۃ المیلاء کے پاس آئے اور مصعب نے بتایا کہ وہ عائشہ بنت طلحہ کے ساتھ عقد کرنے والے ہین۔ حالانکہ عائشہ بنت طلحہ کا عقد پہلے انھین عبداللہ بن عبدالرحمن کے ساتھ ہوا تھا۔ اور اُنکی وفات کے بعد مصعب کو اُنھین پیام نکاح دینے کا موقع ملا۔

مصعب باوجود ان تمام جھگڑون اور روز روز کی لڑائیون کے جناب عائشہ بنت طلحہ کے شمع رخسار کے پروانے تھے۔ ایک دم کو بھی بغیر ان نازآفرین بیوی کے چین نہ آتا تھا۔ اور لڑائی کے بعد جب تک راضی کر کے ملاپ نہ کر لیتے بیتاب و بیقرار رہتے۔

ایک دن عائشہ نے کسی تقریب مین قریش کی بہت سی شریف زادیون اور محترم بیویون کو اپنے گھر مین مہمان بلایا۔ محفل طرب کے لیے بڑے تکلفات کیے۔ ہر طرف پھولون کے ہار لٹک رہے تھے۔ گلدستے رکھے تھے۔ اُنکی خوشبو سے سارا مکان مہک رہا تھا۔ الوان نعمت اور تر و تازہ میوہ جات چُنے ہوے تھے۔ جو جو بیویان آئین اُن کو عزت و تکلف سے بٹھایا۔ کھلایا پلایا۔ سب کو مطلا و مذہب جوڑے پہنائے۔ اور اسکے بعد مذکورۂ بالا مغنیہ عزۃ المیلاء اس زنانی محفل مین بیٹھ کے گانے لگی۔ اُس کو بھی گانا شروع ہونے سے پہلے بھاری خلعت فاخرہ عطا ہو چکا تھا۔ عزۃ المیلاء نے چند گیتون کے بعد امراء القیس کے چند عاشقانہ اشعار گائے۔ جن مین اُس کی محبوبۂ نازنین کے دُر دندان اور لب خندان کی تعریف تھی۔ یہان سے قریب ہی مردانے مین مصعب چند ندیان صحبت کے ساتھ بیٹھے باتین کر رہے تھے کہ عزۃ کی تانین اُن کے کانون مین پہونچین۔ اٹھ کر محفل کے قریب آئے اور پردے کے پاس کھڑے ہو کے گانا سننے لگے۔ عزۃ جیسے ہی امراء القیس کے اشعار گا چکی بے اختیار رجال کے داد دی۔ اور کہا "عزۃ خدا کرے جیتی رہو۔ جن

چیزوں کا تم اپنے نغمے میں ذکر کر رہی ہو ہم نے اُن کا لطف اُٹھایا۔ اور خدا کی قسم ویسا ہی پایا جیسا کہ تم کہتی ہو" اس کے بعد عائشہ کے پاس کہلا بھیجا "اس وقت تم تک تو ہماری رسائی غیر ممکن ہے مگر عزہ کو اتنی اجازت دو کہ یہاں ہمارے پاس آکے دو ایک چیزیں گا دے۔ تاکہ ہم بھی اس لطف سے محروم نہ رہیں" عائشہ نے اجازت دی اور عزہ نے مردانے میں آکے وہی امراء القیس کے اشعار بار بار سُنائے۔ تعصب کی یہ حالت تھی کہ اُن اشعار کو کسی طرح سُن ہی نہ سکتے تھے۔ معلوم ہوتا کہ جوش بیخودی سے دیوانے ہو رہے ہیں۔ دیر کے بعد جب عزہ خود ہی رُکی تو کہا "کیا خوب گاتی ہو! تم اپنا جواب نہیں رکھتیں۔ تمھارا نغمہ بھی بے نظیر ہے اور جن اشعار کو گا رہی ہو وہ بھی بے نظیر ہیں" اسکے بعد خدا خدا کر کے عزہ کو زنانی محفل میں جانے کی اجازت دی۔ جہاں خاتونان مدینہ کو بہت دیر تک وہ اپنے نغمے سے محظوظ کر کے اپنے گھر واپس گئی۔

(۳)

بیوگی کے زمانے میں عائشہ بنت طلحہ نے ایک مرتبہ خلافت کی بے اعتنائیاں دور کرنے کے لیے دمشق کا سفر بھی کیا تھا۔ اور ہشام بن عبدالملک کے دربار میں پہونچیں۔ جو ولید کے بعد مسند نشین خلافت ہوا تھا۔ اس کے قصر میں پہونچیں تو اُس نے پہچانتے ہی کہا "آپ نے یہاں تک سفر کرنے کی کیوں زحمت فرمائی؟" فرمایا "اس لیے کہ جس طرح آسمان نے اپنے مینہ کو روکا ہے ویسے ہی دولتِ اسلامیہ نے ہمارے حقوق روک دیے" بولا "بہتر۔ میں آپ کی حق شناسی کروں گا" اسکے بعد چونکہ اُس وقت آپ دنیائے اسلام کی ایک نامور اور عدیم المثال خاتون تھیں تمام معززین بنی اُمیہ کے پاس کہلا بھیجا "عائشہ بنت طلحہ یہاں آئی ہوئی ہیں لہذا آج شب کو آپ سب صاحب میرے مکان پر آکے اُن سے ملیں۔ اور اپنے فضل و کمال کا ثبوت دیں" اس منشور خلافت کے مطابق رات کو قصر خلافت میں بڑا بھاری مجمع ہو گیا۔ اور لوگوں نے باتوں باتوں میں اپنی تاریخ دانی۔ ایام عرب کی واقفیت۔ اور اشعار جاہلیتِ عرب میں اپنی وسیع النظری ظاہر کی۔ مگر عائشہ بنت طلحہ کی واقفیتِ عامہ۔ تاریخ و سیر سے آگاہی۔ اور شعر خوانی سب سے

بڑھی ہوئی تھی۔ اور سب کو تسلیم کر لینا پڑا کہ ان فنون میں کوئی اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لوگ اسی پر عش عش کر رہے تھے کہ تاروں کے طلوع و غروب کا تذکرہ چھڑا۔ عائشہ نے دم بھر میں اُن تمام تاروں کے نام بتا دیے جو اوپر نظر آ رہے تھے۔ اور ایک ایک کی طرف اشارہ کر کے بتا دیا کہ وہ وہ تارہ۔ اور یہ فلان تارہ ہے۔ اس ہمہ دانی پر تمام حاضرین مبہوت و حیرت زدہ رہ گئے۔ اور ہشام نے نہایت ہی تعجب کے ساتھ پوچھا "واقعات و اشعارِ عرب میں آپ کا تبحر تو خیر ممکن ہے کہ اُدبا کے زمانے سے حاصل ہوا ہو۔ مگر ستارہ شناسی میں آپ کو یہ کمال کیسے حاصل ہو گیا؟" فرمایا "یہ فن میں نے اپنی خالہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حاصل کیا ہے۔" بہرحال اس صحبت نے جو ایک بہت ہی نازک امتحان تھا عائشہ بنت طلحہ کو تمام اُدبائے زمانہ میں ممتاز و صاحب کمال ثابت کر دیا۔ دوسرے دن ہشام نے آپ کو ایک لاکھ درہم دے کے رخصت کیا۔ اور آپ شان و شوکت سے مدینۂ طیبہ میں واپس آئیں۔

بیوگی کے زمانے میں آپ کا معمول تھا کہ ایک سال مکے میں رہتیں اور ایک سال مدینے میں۔ آپ کا بہت سامال و اسباب اور متعدد محلے طائف میں رہا کرتے تھے۔ جہان آپ کا ایک عالیشان قصر بھی بنا ہوا تھا۔ کبھی وہان بھی تشریف لیجا کر چند روز تک گوشہ گیر اور عزلت گزین رہتیں۔ اس قصر کے سامنے اکثر لوگ تیر اندازی کی مشق اور نشانہ بازی میں کمال پیدا کرتے تھے۔ آپ اپنے قصر سے بیٹھ کے اُن کی اس بہادرانہ مشق کی سیر کیا کرتیں۔

ایک دن بیٹھی یہ تماشا دیکھ رہی تھیں کہ مشہور شاعر نمیری کا گذر ہوا۔ آپ نے آدمی بھیج کے اُس کا نام و نسب پوچھوایا۔ معلوم ہوا کہ نمیری ہی ہے۔ پاس بلوایا۔ اور کہا "تم نے اپنی محبوبہ زینب کے شوق میں جو شعر کہے ہیں اُن میں سے چند شعر سناؤ۔" اُس نے کہا "حضور میری اُس بات کا اب ذکر ہی کیا؟ بڑھیا ہو گئی۔ اور ہڈیاں تک گل گئیں۔" آپ نے اصرار فرمایا۔ اور اُس نے چند شعر سنائے جو نہایت لطیف۔ پاکیزہ اور موثر تھے۔ جناب عائشہ نے داد دی۔ اُسکی تعریف کی اور فرمایا "تم نے خوب کہا ہے۔ اور لطف یہ کہ تم نے اپنی محبوبہ کی جن

صفتوں کا اظہار کیا ہے وہ فیاضی - پرہیزگاری - دینداری - اور اُسکی فرحت بخش خوشبو وغیرہ ہیں" اسکے بعد ایک ہزار درہم دے کر اُسے رخصت کر دیا - دوسرے جمعے کو آپ نے دیکھا کہ وہ پھر باہر کھڑا ہے - بلوا لیا - اور پھر زینب کی تعریف کے کی فرمایش کی - اُس نے کہا "آج چند وہ شعر نہ سناؤں جو حارث بن خالد نے حضور کی تعریف مین کہے ہیں؟" آپ کی کنیزین اُسے مارنے کو تھین مگر آپ نے اُنھین روکا - اُسے اجازت دی - اور اُس نے حارث کے اشعار آپ کے حسن اور عفت کی تعریف مین سنائے - آپ نے اُن شعرون کی داد دی اور اُسے ایک ہزار درہم اور دے کے رخصت کیا - افسوس ہمین جناب عائشہ بنت طلحہ کا سنہ وفات نہین معلوم ہو سکا -

(۴)

مگر افسوس کہ خلافت کے جھگڑون نے چند روز بعد مصعب بن زبیر کو جام شہادت پلا دیا - اپنے محترم مدعی خلافت بھائی عبد اللہ بن زبیر کی طرف سے وہ عبد الملک بن مروان کے مقابلے پر روانہ ہوئے - اور ایسی بہادری و شجاعت سے لڑے جو تاریخ اسلام مین ہمیشہ یادگار رہے گی - مگر تقدیر برسر خلاف تھی - میدان جنگ مین شہید ہوئے - اور اُن کی شہادت نے عائشہ بنت طلحہ کے دل کو بیحد صدمہ پہونچایا - زندگی مین اگرچہ باہم اکثر بگاڑ ہوا مگر وہ لڑنا اور ملنا بھی لطف کا تھا - اب اُن کے بعد ہر عیش کے موقع پر جناب عائشہ کو مصعب یاد آیا کرتے تھے

مصعب حکمرانی اور پولیٹیکل معاملات مین ناکام رہے مگر دنیوی عیش اور خانگی مسرتون کے لحاظ سے اُن دنون اُن سے زیادہ خوش نصیب ساری دنیا مین کوئی نہ تھا - حضرت ابو بکر صدیق رضی کی نواسی عائشہ بنت طلحہ اور حضرت علی مرتضیٰ رض کی پوتی سکینہ بنت حسین ؑ دونون اُنکے نکاح مین تھین - اور اُنکی محبوبہ بیویان تھین - اور یہ دونون بیویان شرافت و علو نسب - عصمت و عفت - لطافت معاشرت - علم و فضل - زندہ دلی و بذلہ سنجی - اور عدیم المثال حسن و جمال کے لحاظ سے انتخاب روزگار تھین - ان دونون مین سے ایک بھی جس کی ایسی زندگی بیوی ہوتی - اُس کی خوش نصیبی پر ادنیٰ و اعلیٰ سب کو حسد ہوتا - یہان تک کہ خلفا

بھی اپنے عیش کو اُس سے کم پاتے۔ نہ کہ اُن دونوں کا ایک گھر میں جمع ہونا اور ایک ہی کی بیویاں بن جانا ایسی چیز تھی جس کی بدولت مصعب بن زبیر جب تک زندہ رہے محسودِ روزگار رہے۔ مصعب بن زبیر نے ایک مرتبہ تمنا کی تھی کہ میں قریش کی دونوں بہترین و حسین ترین خاتونوں عائشہ و سکینہ کا شوہر ہوں۔ اور عراقین یعنی عراق عرب و عجم کی عنانِ حکومت میرے ہاتھ میں ہو۔ اُن کی یہ آرزو خدا نے پوری کر دی۔ اور انھیں دنیوی کے لحاظ سے محسودِ روزگار بنا دیا۔

مصعب کی شہادت کے بعد بشر بن مروان نے جو فاتح خلیفۂ وقت کا بھائی تھا جناب عائشہ بنت طلحہ کو نکاح کا پیام دیا۔ اُسی زمانے میں اتفاقاً عمر بن عبید اللہ بن معمر تمیمی شام سے کوفے میں آئے تھے۔ وہ معزز اور دولتمند شرفائے قریش میں تھے۔ عائشہ سے خاندانی قرابت رکھتے تھے۔ اور اُنکے اوصاف سے بخوبی واقف تھے۔ اُنھوں نے جو بشر کے پیام کا حال سُنا تو فوراً اپنی ایک کنیز عائشہ کے پاس بھیجی اور کہلا بھیجا "سنتا ہوں تم کو بشر نے پیام دیا ہے۔ مگر جہاں تک میں خیال کرتا ہوں اُس کم رُو مبتلائے بواسیر و ورم طحال سے میں اچھا ہوں۔ اور پھر میری نسبت عم ہو تم پر میرا حق بھی ہے۔ لہذا اگر تم میرے نکاح میں آنا پسند کرو تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری نعمت عیش سے اور تمھارے گھر کو دولت سے بھر دوں گا۔"
عائشہ نے اُن کا پیام قبول فرمایا۔ اور مقام حیرہ میں عقد اور رخصتی کی کارروائی عمل میں آئی۔

عمر بن عبید اللہ نے نکاح کے دن دس لاکھ درہم کیشت اُنکے پاس بھجوا دیے جن میں سے پانچ لاکھ مہر کی بابت تھے اور پانچ لاکھ نذرانے اور رونمائی کے نام سے اور چونکہ حیرہ میں الگ خیمے میں تنہا پڑے تھے اور شہرۂ آفاق دلھن سے ملنے کا شوق بیتاب کیے ہوئے تھا۔ جناب عائشہ کی منھ چڑھی کنیز کو بُلا کے کہا "اگر آج ہی شب کو مجھے تمھاری بیوی سے ملنے کا موقع نصیب ہو جائے تو تم کو ایک ہزار دینار انعام دوں گا۔" کنیز نے وعدہ کیا۔ اشرفیوں کی پوٹلی لے کے واپس گئی۔ جسکو اُس نے حجلۂ عروسی کے ایک کونے میں زمین پر رکھ دیا۔ اتنے میں عائشہ آگئیں۔ زمین پر ایک اونچی چیز دیکھ کے اُس کے قریب گئیں۔ اور کنیز سے پوچھا "یہ کیا ہے؟

فرش لپٹا پڑا ہے یا کپڑے ہیں؟" کنیز نے کہا "آپ پوچھتی کیا ہیں؟ خود ہی نہ
دیکھ لیجیے کہ کیا ہے۔" اس جواب پر اُنھوں نے جھک کے دیکھا - اور یہ دیکھ کے کہ
اشرفیاں ہیں مسکرا دیں - اسکے بعد واپس جانے کو تھیں کہ کنیز نے ہاتھ جوڑ کے
کہا "بیوی جس شخص نے اتنی ایک رقم مجھے مفت دے ڈالی اُسکے لیے بھلا یہ
مناسب ہے کہ اکیلا الگ پڑا رہے؟" فرمایا "مناسب تو نہیں ہے - مگر میں نے
نہ ابھی سنگار کیا ہے نہ جوڑا بدلا ہے - نہ زیور پہنا ہے - آج اسی وقت پہنے کیسے ممکن ہے؟"
لونڈی بولی "حضور کے لیے ان باتوں کی ضرورت ہی نہیں - سنو تو اکیلا آپ کا
پیارا مکھڑا ہے - جس سنگار کو کہیے اِس چہرے میں - جس لباس و زیور کو چاہیے
ان خوبصورت اعضا میں - جو خوشبو پسند ہو اس عطر یا بٹنے میں موجود ہے - اور
بیوی میں تو اُن سے اقرار کر آئی ہوں - اب تو اُنھیں یہاں بلوا ہی کے رہونگی"
کنیز کے یہ الفاظ سُن کے بولیں "خیر تمھاری یہی خوشی ہے تو جا کے بلا لاؤ" کنیز خوشی
خوشی گئی - اور عمر بن عبید اللہ کو بلا لائی -

عشا کا وقت آخر ہو چلا تھا کہ وہ آئے - یہاں آئے تو دسترخوان بچھا ہوا تھا
کہتے ہیں کہ اس موقع پر جناب عائشہ نے اُنکے لیے سات دسترخوان چنوائے اسلیے
کہ وہ بڑے پُرخور مشہور تھے - اگر سات دسترخوان نہ تھے تو ایک پر سات آدمیوں کا
کھانا ضرور تھا - وہ ہاتھ دھو کے بیٹھے تو دم بھر میں سارا دسترخوان صاف کر دیا -
کھانے سے ہاتھ دھو کر وضو کیا - اور نماز عشاء پڑھنا شروع کی - نماز میں اتنی رکعتیں
پڑھیں اور اتنی دیر تک مصروف عبادت رہے کہ کوئی اور ہوتا تو سات دفعہ عشاء
کی نماز پڑھ لیتا - وہی کنیز کہتی ہے کہ انھوں نے نماز میں اتنی دیر لگائی کہ میں پڑ کے
سو گئی - عبادت سے فارغ ہو کر انھوں نے مجھے جگایا - میں نے اُٹھ کر انھیں حجلۂ
عروسی میں پہونچا دیا - اور آکے لیٹ رہی - رات کو وہ سات بار اُٹھ اُٹھ کر نہائے
اور فجر کے وقت جب وہ غسل کر کے اور نماز پڑھ کے بیٹھے تو میں سامنے جا کے
کھڑی ہوئی - میری طرف دیکھ کر مسکرائے اور پوچھا کچھ کہو گی؟" میں نے کہا "میں
کیا عرض کروں - آپ کا سا آدمی نہیں دیکھا - آپ نے رات کو سات آدمیوں کا
کھانا اکیلے کھا لیا - پھر نماز بھی ایسی پڑھی جو سات آدمیوں کی نماز کے برابر تھی - اور

اسکے بعد تو آپ جانتے ہی ہین۔" یہ سُن کر وہ بے اختیار ہنس پڑے اور اپنا ہاتھ عائشہ کے شانے پر مارا۔ اُنھون نے مسکرا کے اور شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔

عمر بن عبید اللہ سے لڑائی اور بگاڑ کے واقعات تو زیادہ نہین سُنے گئے۔ مگر اس مین شک نہین کہ اُنکے چھیڑنے ستانے اور تنگ کرنے مین بھی وہ کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتی تھین۔ ایک دن خوشی مین آکر اُنھون نے عائشہ سے کہا "یون تو مجھے بہت سے معرکے پیش آئے۔ مگر آج تک معرکۂ ابو فُدیک سے زیادہ سخت معرکہ مجھ پر نہین گذرا۔" عائشہ نے کہا "اچھا بتاؤ تم لڑائی کے کتنے میدانون مین گئے؟ کتنے معرکون سے سابقہ پڑا؟ اُن مین سخت کون کون تھے؟ اور سب سے زیادہ سخت کون معرکہ تھا؟" کہا "سنو۔ سب سے پہلا معرکہ سیستان تھا۔ اُسکے بعد ارض فارس مین معرکۂ قطری پیش آیا۔ اسی طرح اور بہت سی لڑائیون کو گنوا گئے۔ جب کہہ چکے تو عائشہ نے کہا "تم نے سب معرکے گنوا دیے مگر اُس دن کا نام نہ لیا جس روز تمھین سب سے زیادہ سخت معرکہ پیش آیا تھا۔ اور ہمیشہ سے بڑھ کر بہادری دکھانی پڑی تھی؟" پوچھا "وہ کون سا معرکہ ہے؟" کہا "جس دن تم رملہ کو بیاہ لائے۔ اور اُنکے حجلۂ عروسی مین قدم رکھا تھا۔" یہ سُن کر عمر بن عبید اللہ سٹپٹا کے رہ گئے۔ اور کچھ جواب نہ دے سکے۔ اور وجہ یہ تھی کہ اُنکی اور کئی بیویان تھین۔ مگر سب مین بد صورت رملہ تھین۔

عمر بن عبید اللہ کے مزاج مین حسد و رقابت کا مادّہ بہت زیادہ تھا۔ اس کی تاب نہ لا سکتے تھے کہ اُنکے کسی رقیب کا ذکر اُنکے سامنے تعریف سے کیا جائے۔ ایک دن سخت گرمی تھی۔ دھوپ کی تپش اور گرد و غبار مین چل کے گھر مین آئے تو چہرہ تمتمایا ہوا تھا۔ عائشہ سے کہا "اسوقت دھوپ اور گرد و غبار نے پریشان کر دیا۔ ذرا مجھ پر سے گرد تو جھاڑ دینا۔" عائشہ ایک رومال لے کے اُٹھین۔ گرد جھاڑنے لگین۔ مگر جھاڑتی جاتی تھین اور کہتی جاتی تھین "گرد آلود چہرے تو بہت دیکھے مگر گرد مین جیسا مصعب کا چہرہ پیارا ہو جاتا تھا آج تک کسی کا نہین دیکھا۔" یہ الفاظ نہ تھے زہر مین بجھے ہوے خنجر و پیکان تھے۔ جنھون نے عمر کے دل و جگر کو پاش پاش کر ڈالا۔ سینے مین آتش حسد کا ایک شعلہ اُٹھا۔ اور سارا تن بدن

جل کر خاک ہو گیا۔ مگر مجبور تھے۔ بیوی اس بلا کی سخت گیر تھین کہ مجال نہ تھی زبان سے اُف نکلے یا حرفِ شکایت زبان پر آئے۔ ضبط کرکے خاموش رہے۔

عائشہ بنت طلحہ عمر بن عبید اللہ کے عقد نکاح مین آٹھ سال تک رہین یہان تک کہ سنہ ۸۲ھ مین اُنھون نے وفات پائی۔ اور اس بیوگی کا صدمہ اُنھین پہلی دو مرتبہ سے زیادہ ہوا۔ اور اُنکی لاش پر کھڑے ہوکے ماتم کیا۔ اور روئین پیٹین۔ اُن دنون کی معاشرت کی روسے بیوی شوہر کی لاش پر اگر بیٹھے بیٹھے گریہ ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ بعد عدت دوسرا عقد کرلیگی۔ لیکن اگر کھڑے ہو کر آہ و زاری گریہ و بکا۔ اور ماتم کرتی تو سمجھ لیا جاتا کہ اب یہ کسی سے نکاح نہ کرے گی۔ چنانچہ عمر بن عبید اللہ کی میت پر اُنھون نے کھڑے ہو کر بین و بکا کیا۔ اور اس اشارے سے اُسی وقت سمجھ لیا گیا کہ اب وہ کسی سے نکاح نہ کرین گی۔ چنانچہ اسکے بعد بہت سے لوگون نے اور بڑے بڑے عالی مرتبہ شرفا و معززین نے اُنھین پیام دیا۔ مگر اُنھون نے سب کو جواب دیدیا۔ اور باقی ماندہ زندگی بیوگی ہی مین بسر کی۔ اگرچہ خدا نے دولت و حشمت دی تھی۔ اور جب تک جیتی رہین بڑے شان و شکوہ اور نہایت ہی کر و فر سے رہین۔

اُن کے کر و فر اور شان و شوکت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ عبد الملک بن مروان کے عہد مین یزید بن معاویہ کی بیٹی عاتکہ نے حج کا ارادہ کیا اور اجازت لینے کے لیے اُس کے پاس گئی۔ تو اُس نے کہا "تم جاتی تو ہو مگر ذرا شان و شوکت اور دھوم دھام سے جانا۔ اس لیے کہ وہان عائشہ بنت طلحہ بھی موجود ہون گی۔" اُس نے کہا "جی ہان مین شان و شکوہ سے جاؤن گی۔ اور روانگی کے لیے شاہانہ ساز و سامان کیا۔ اُس کی سواری مدینۂ طیبہ اور مکۂ معظمہ کے درمیان گذر رہی تھی کہ ایک سواری بڑی دھوم دھام سے آئی جس کے جلوس نے سارا راستہ گھیر لیا۔ اور عاتکہ کے ہمراہیون کو ادھر اُدھر منتشر ہو جانا پڑا۔ عاتکہ نے دل مین کہا "معلوم ہوتا ہے یہ عائشہ کی سواری ہے۔" مگر لوگون نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ عائشہ نہین ہین بلکہ اُنکی خادمہ جا رہی ہے۔ اس جلوس کے نکل جانے کے تھوڑی دیر بعد ایک اور جلوس آیا جس کا کر و فر پہلے جلوس سے بھی زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ یزید کی بیٹی کے ہمراہیون کو پھر ادھر اُدھر

ہٹ کے سڑک چھوڑنا پڑی۔ اور اُس نے کہا" اب یہ عائشہ جا رہی ہیں۔ مگر لوگوں سے پوچھا تو سُنا کہ یہ بھی عائشہ نہیں ہیں۔ یہ اُن کی مشاطہ ہے۔ عاتکہ دل میں حیران تھی کہ اسکے بعد سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شان و شوکت کا جلوس گذرنے لگا۔ اِس جلوس میں تین سو اعلیٰ درجے کی خوبصورت سانڈنیاں تھیں جن پر کلس دار محملیں کَسی ہوئی تھیں۔ لوگوں سے پوچھا تو پتہ چلا کہ اب یہ خود عائشہ کی سواری ہے جو حج کرنے کو تشریف لیے جاتی ہیں۔ یہ شان و شوکت دیکھ کے عاتکہ کے ہوش اُڑ گئے۔ اور بے اختیار زبان سے نکلا" ما عند اللہ خیر و ابقیٰ" جو کچھ خدا کے پاس ہے اچھا اور نہایت پائدار ہے۔ یعنی یہ سب دولت و حشمت رہنے والی نہیں۔ رہے گا وہی جو خدائے عزوجل کے پاس ہے۔

عبد الملک کے زمانے میں چند روز تک حارث بن خالد والی مکہ تھا۔ ایک دن موذن نے حرم میں اذان دی اور وہ نماز کے لیے نکلا۔ اتنے میں اُس کے پاس عائشہ بنت طلحہ کا پیام پہونچا کہ" ابھی نماز میں ذرا تامل کیجیے۔ میرا طواف پورا ہولے تو نماز پڑھیے گا۔" حارث آپ پر فریفتہ تھا۔ آپ کے حسن و جمال کی تعریف میں اشعار کہے تھے۔ اور آپ کا بے انتہا پاس و لحاظ کرتا تھا۔ یہ پیام سنتے ہی وہ نماز سے رُک گیا۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی۔ اور جب آپ طواف سے فارغ ہولیں تو تکبیر کی اجازت دی۔ یہ خبر لوگوں نے عبد الملک کو پہونچا دی۔ وہ حارث کی اس دینی مداہنت سے سخت ناراض ہوا۔ اور اُسے عہدۂ ولایت مکہ سے معزول کر دیا۔ مگر حارث کو اس کی مطلق پروا نہ ہوئی۔ اور کہا" عائشہ بنت طلحہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں مجھے عبد الملک کی ناراضی کا خوف ہے نہ اپنی معزولی کا افسوس۔"

عبد الملک کے بعد جب اُس کا بیٹا ولید بن عبد الملک خلیفہ ہوا تو وہ حج کے لیے مکۂ معظمہ میں آیا۔ اُس کے عقد میں جناب عائشہ کی صاحبزادی نفیسہ تھیں جن کے حسن و جمال کی بھی شہرت تھی۔ ولید کے آنے کا حال سُن کر عائشہ بنت طلحہ اُسکے پاس گئیں۔ اور کہا" امیر المومنین۔ مجھے اپنے ساتھ کے لیے جلوس اور اپنی حفاظت کے لیے کچھ سپاہی چاہییں تاکہ جب میں باہر نکلوں وہ میرے

جلو مین رہا کرین - اس نے بہت سے آدمی مقرر کر دیے - اور اب اُنکی سواری کا کروفر پہلے سے بھی زیادہ ہو گیا - چنانچہ اب جو وہ حج کو گئین تو ہمراہ رکاب ساٹھ خچرون کا جلوس زیادہ تھا - ان خچرون پر بھی محملین تھین - اور انکی عظمت وشان کا لوگون پر بڑا اثر پڑتا تھا -

راستے مین اُنکے دیور عروہ بن زبیر ملے - اور اُن کی محمل کے پاس پہونچ کے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچرون کے جلوس والی خاتون! کیا تم ہر سال یون ہی حج کیا کرتی ہو؟" عائشہ نے جواب مین کہلا بھیجا "ہان یونہین - تمھارا جی چاہتا ہو تو تم بھی میرے ساتھ ہو لو" مگر عروہ کو اُن کی رفاقت اختیار کرنے کی جرأت نہ ہوئی -

اُسی حج کے موقع پر یہ واقعہ بھی پیش آیا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی صاحبزادی سکینہ رضی اللہ عنہا بھی حج کے لیے شان وشکوہ سے نکلین - مگر انکی شکوہ وشوکت سے عائشہ بنت طلحہ کا شکوہ بڑھا ہوا تھا - اتنے مین خاص عائشہ کے ساربان نے اتر کے حُدی کا نغمہ گانا شروع کیا - جس مین وہ بار بار اس مضمون کے ایک شعر کا اعادہ کرتا تھا کہ "عائشہ! او ساٹھ خچرون کے جلوس والی خاتون! آپ جب تک زندہ وسلامت ہین ہمیشہ اسی شان وشکوہ سے حج کیا کرین" جناب سکینہ کو عائشہ کے حدی خوان کی یہ خود پسندی ناگوار ہوئی - اُن کی ناگواری کو اُن کا حُدی خوان ساربان سمجھ گیا - فوراً اُس نے یہ حُدی گانا شروع کیا کہ "عائشہ! دیکھو یہ تمھاری سوت (سکینہ) تمھاری شاکی ہین - (مگر یاد رہے) ان کے جد بزرگوار نہ ہوتے تو تمھارے باپ نعمت ہدایت سے محروم رہ جاتے" عائشہ پر اس کا بڑا اثر پڑا - فوراً اپنے ساربان کو حکم دیا کہ اپنی زبان روکے اور اپنا نغمۂ حُدی موقوف کرے -

ربّا بنت الغطریف السلمی

یہ عہد اولین اسلام کی ایک نیک نہاد وباعصمت خاتون تھین جن کے عشق اور عہد وفا کے نباہنے کی داستان قیامت تک حسن وعشق کے بڑے بڑے

افسانوں کو شرماتی رہے گی۔
اُن کے مورخین کہتے ہیں کہ بڑی حسینہ جمیلہ۔ پاکباز و عفیفہ۔ علم و ادب میں مشہور۔ اور شعر و سخن میں نامور تھیں۔ اور گروہ انصار میں سے تھیں۔
ان نیک بیوی کے سچے شریفانہ عشق کی داستان یوں شروع ہوتی ہے کہ کسی میلے یا عید کے دن جب مدینے کی عورتیں کسی بیرونی نزہت گاہ یا زیارت گاہ میں جایا کرتی تھیں۔ نسل انصار کے ایک معزز ذی وقعت اور صاحب علم بزرگ عتبہ بن حباب بن منذر بن صبوح انصاری اُس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے جو غزوۂ خندق یا احزاب کی یادگار میں ایک خندق کے کنارے تعمیر کی گئی تھی۔ لیکایک چند عورتوں کا ایک غول مسجد کی زیارت کو آیا۔ ایک نوخیزہ نو عمر دوشیزہ جو چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی ساتھ والیوں سے الگ ہو کر اُن کے قریب آئی۔ اور دبی زبان سے سوال کیا "آپ اُسکے بارے میں کیا فرماتے ہیں جسے آپکے وصل کی تمنا ہو؟" رعب حسن اور ہجوم شوق نے اُن کی زبان بند کر دی اور وہ نازنین اپنی ساتھ والیوں کے ساتھ چلی گئی۔
اُسکے جانے کے بعد عتبہ کی حالت دگرگوں تھی۔ ایک نازنین حور خصائل کے پھول سے نازک لبوں اور شرمائے ہوئے چشم و ابرو کا یہ سوال نہ تھا بلکہ ایک بجلی تھی جس نے سینے میں آگ لگا دی۔ بیقراری بڑھی۔ ہوش و حواس بیجا نہ رہے دل سے سیکڑوں بار یہی سوال کرتے کہ تو کسی کی زلف گرہ گیر میں پھنس تو گیا۔ مگر یہ بتا کہ میں کہاں جاؤں۔ اُسے کس جگہ ڈھونڈھوں۔ کس سے اُس کا پتہ پوچھوں؟ افسوس یہ بھی تو نہیں معلوم کہ یہ حور وش تھی کون؟ کس کی بیٹی ہے؟ کس قبیلے کی ہے؟ کیا نام ہے؟ اور کہاں رہتی ہے؟ آہ!

"واں لڑی آنکھ جہاں اپنا گذارہ ہی نہیں"

اُٹھکر گھر آئے۔ مگر گھر میں کیا خاک دل لگتا۔ مدینے کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے۔ ایک ایک سے پوچھتے اور سب احمق بناتے۔ وہ دن اور ساری رات انگاروں پہ لوٹتے اور کلیجہ تھام تھام کر آہیں کرتے گذر گئی۔ صبح ہوئی تو پھر وہی کوچہ گردی تھی اور وہی خاک چھاننا۔ جب نہ کہیں سراغ لگا اور نہ کسی جگہ دل لگا تو پھر اُسی

خانۂ خدا اُسی مسجد احزاب کی راہ لی - اور ہمہ تن شوق اور سراپا انتظار بن کر درگاہ الٰہی میں خضوع و خشوع سے التجا کرنے لگے کہ "خداوندا اُسے بھیج یا اُس کا پتہ بتا"

بیٹھے بیٹھے وہی وقت آگیا جس وقت کل اُس گل اندام کا چہرۂ زیبا دیکھا تھا اور اُس کا ہوش رُبا سوال سُنا تھا - ناگہان دُور پر عورتوں کا ایک غول اِدھر آتا دکھائی دیا - دل میں اُمیدوں نے ہجوم کیا - شوق نے یقین دلایا کہ وہ گلبدن سمتن اسی گروہ میں ہے - دل پُر آرزو سے بے زبان ہلانے "مرحبا" کی آواز کانوں میں آنے لگی - اور جو جو وہ گروہ قریب ہوتا جاتا تھا شوق کی بیتابیاں بڑھتی جاتی تھیں - آخر وہ عورتیں مسجد میں آئیں - اور اِدھر اُدھر سیر کرنے لگیں - مگر اُس پریجمال کا کہیں پتہ نہ تھا جسے آنکھیں ڈھونڈھ رہی تھیں - اب یاس ایک بے رحم قصائی کی طرح امیدوں اور تمناؤں کو سینے کے مقتل جفا میں ذبح کرنے لگی - اور قریب تھا کہ ساری تمناؤں کا خاتمہ ہو جائے کہ یکایک اُس غول میں کی ایک عورت نے قریب آکے دبی زبان میں پھر وہی کل والا سوال کیا کہ "اپنی طالبۂ وصل کے بارے میں کیا کہتے ہو؟" یکایک مقتول و مذبوح تمنائیں پھر جی اُٹھیں - اور نہایت ہی حسرت و تمنا کے ساتھ پوچھا "مگر آہ - وہ ہے کہاں؟" اُس نے جواب دیا کہ "اپنے باپ کے ساتھ شہر سماوہ کو چلی گئی" ایک آہ کے ساتھ کہا "آہ - جی بھر کے دیکھنے بھی نہ پایا تھا کہ پھول نظر کے سامنے سے ہٹ گیا! مگر اور نہیں تو اُس کا اور اُسکے باپ اور خاندان کا نام تو بتادو" عورت نے چپکے سے کہا "اُس کا نام ریّا ہے - فطریق سلمی کی بیٹی ہے - اور انصار کے گھرانے کی لڑکی ہے"

یہ کہتے ہی وہ عورت اور اُسکی ساتھ والیاں چلی گئیں - اور عتبہ کو ہوش نہ تھا کہ میں کیا کروں اور کہاں جاؤں - آخر بصد ہزار جبر گھر میں آئے - اور رات بھر اسی سوچ میں رہے کہ کیا کروں اور کس طرح اُڑ کر سماوہ پہونچ جاؤں - مگر سماوہ کالے کوسوں عراق کی سرحد پر ہے - جہاں انسان مہینوں کی دشت نوردی کے بعد پہونچتا ہے - آہ! میری مہ پارہ چودھویں رات کا چاند ہے - اور سماوہ اُسکا

آسمان - ہائے! میں اس روشن تارے کو آسمان سے کیسے توڑ لاؤں؟" چند شعر موزون کیے جن کا مضمون یہ تھا کہ "دوستو! رتّا اپنے مسکن ستارہ میں چلی گئی - اور اُس کا قافلہ آسمان ستارہ کی طرف جا رہا ہے - دوستو! میں روتے روتے بیدم ہو گیا - اور آنکھوں میں آنسو نہیں باقی رہے - کوئی مہربان ہے کہ تھوڑے آنسو مجھے قرض دے دے"

آخر جس طرح بنا سفر کا سامان کیا - ایک یار باصفا کو رفیق سفر اور انیس حرمان بنا کے ساتھ لیا - اور ستارہ کی طرف چل کھڑے ہوئے - منزل مقصود پر پہونچ کے کاشانۂ جانان کی راہ لی - فطریق سلمی سے ملے اور اُسکو جو نام معلوم ہوا تو اس خیال سے کہ دار الہجرت مدینہ کے متوطن ہیں بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا - خود اپنے یہاں مہمان کیا - اور دو تین روز کے بعد کہا "آپ جس کام کے لیے تشریف لائے ہوں بیان کیجیے - مجھ سے جہاں تک ہو سکے گا آپ کی مدد کرونگا اور کوشش کروں گا کہ جس غرض سے آئے ہیں وہ بوجہ احسن پوری ہو"

اس کے جواب میں عقبہ بن حباب تو خاموش رہے مگر اُنکے ہمسفر دوست نے مہمان نواز فطریق سے کہا "ہمارے دوست آپ کی صاحبزادی رتّا کے لیے پیام دینا چاہتے ہیں" اُس نے کہا "آپ کی شرافت خاندانی - دولتمندی - اور حسب و نسب میں کوئی شبہہ نہیں - بے شک آپ کو پیام دینے کا حق ہے - اور مجھے بھی قبول کرنے کی وجہ نہیں - مگر یہ معاملہ خود رتّا کی ذات کا ہے - اُس سے پوچھنا مقدم ہے اور میں نے نکاح کے معاملے میں اُسی کو اختیار دے رکھا ہے"

عقبہ - "تو پھر اپنی صاحبزادی سے بھی جا کے دریافت فرما لیجیے"

اب فطریق اندر گیا اور رتّا سے کہا "بیٹی مدینے کے معزز شریف سردار عقبہ جو ہمارے مہمان ہیں تیرے ساتھ شادی کرنے کے آرزو مند ہیں - میں اُن کی شرافت سے واقف ہوں - اور ہمارے ہی گروہ انصار کی نامور یادگار ہیں - تیری اس معاملے میں کیا رائے ہے؟"

رتّا تو اس کی منتظر ہی تھی - خود بھی عقبہ کے شوق میں بیتاب و بیقرار تھی اور اُسکے دل میں بھی ایک فقرہ کہہ کر آگ لگا آئی تھی - بے تکلف قبول کر لیا - اور باپ

سے کہا "ابا جان ایسے شریفوں کی درخواست کو مسترد نہ کرنا چاہیے" اسی قدر
نہیں باپ کے جانے کے بعد لونڈی کے ہاتھ عتبہ کے پاس شکریہ بھی کہلا بھیجا۔

یہ شکریہ ادا کرنا قیامت ہوگیا۔ لونڈی نے فطریق سے کہہ دیا۔ اور اُس نے
برہمی کے ساتھ آکر بیٹی سے کہا "ریّا۔ مجھے معلوم ہوگیا کہ تجھ سے اس مدنی شخص
سے پہلے کا عہد و پیمان ہے۔ اور تم دونوں میری غفلت میں ایک دوسرے پر
فریفتہ ہو چکے ہو۔ مگر یہ امر عرب کی شرافت و معاشرت کے خلاف ہے کہ لڑکی کی
شادی اُس شخص کے ساتھ کی جائے جس کے ساتھ نکاح سے پہلے محبت پیدا
ہو چکی ہو۔ میں نے تجھے اپنی شادی کا اختیار دیا تھا۔ مگر اب ثابت ہوا کہ تو
آزادی پانے کی اہل نہ تھی۔ اس لیے اب یہ غیر ممکن ہے کہ عتبہ کے ساتھ تیرا عقد
ہو۔ ایسی رسوائی و بدنامی کو تیرا باپ نہیں برداشت کر سکتا۔"

ریّا باپ کے خیالات سُن کر بہت گھبرائی۔ دل میں نشتر سے چبھ گئے۔ مگر
چہرے سے کوئی غیر معمولی پریشانی نہ ظاہر ہونے دی۔ اور کہا "ابا جان آپ کو
اختیار ہے۔ اور بغیر آپ کی مرضی کے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن آپ انصار میں
ہیں۔ اور ہمارا خاندان بھی انصاری ہے۔ کج خلقی و بے مروتی انصار کا شیوہ نہیں۔
اُن کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی بات نہیں منظور ہوتی تو اسکو ایسی خوبصورتی اور تہذیب
و شائستگی سے ٹالتے ہیں کہ اُنکے اخلاق پر حرف نہیں آنے پاتا۔ اور جب آپ
کو عرب کے رسم و رواج کا اتنا پاس و لحاظ ہے تو اپنی خاندانی تہذیب کو ہاتھ سے
دینا بھی ہرگز نہ پسند کریں گے۔"

فطریق۔ "میں بے شک ایسا نہ کروں گا۔"

ریّا۔ "تو آپ یہ نہ کریں کہ اُنکو صاف لفظوں میں جواب دیں۔ اور وہ دنیا بھر میں
کہتے پھریں کہ وضع انصار کے خلاف آپ نے اُن کو نہایت بد تہذیبی و سختی سے
جواب دیا۔"

فطریق۔ "تو پھر میں کیا کروں اور کیا جواب دوں؟"

ریّا۔ "نکاح کو بظاہر منظور کیجیے مگر اُس میں ایسی شرطیں لگائیے کہ اُن سے
نہ پوری ہو سکیں۔"

فطریق: "یہ صحیح ہے۔ میں اتنا مہر مانگوں گا کہ اُنکے دیے نہ دیا جائے۔ واقعی مجھے اپنے ہم قوم و ہم نسب لوگوں سے ایسا روکھا پن نہ برتنا چاہیے۔" یہ کہکر باہر آیا۔ اور عتبہ سے کہا "میری بیٹی کو بھی آپ کے عقد میں آنا منظور ہے۔ مگر اُسکا مہر بھی آپ نے سُنا؟"

عتبہ: "فرمائیے۔ جہان تک ممکن ہوگا اُس کو فراہم کر کے حاضر کردون گا۔"

فطریق: "میری بیٹی کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے۔ اور اُس کا مہر اُسکی خوبیون کے لحاظ سے مقرر کیا گیا ہے۔ آپ کو ایک ہزار اشرفیان۔ پانچ ہزار روپیہ۔ سو بُردیمانی کی نفیس و اعلیٰ چادرین۔ اور عنبر اشہب کے پانچ قرص ادا کرنا ہون گے۔"

عتبہ: "یہ تو دشوار ہے۔ اشرفیان۔ روپیہ۔ اور چادرین تو شاید مہیا بھی کرلون مگر عنبر کے پانچ قرص کہان سے لاؤن گا۔"

فطریق (مسکرا کے) اور بغیر اس کے ریّا کسی کو نہین مل سکتی۔"

عتبہ: "اچھا خیر۔ مین کوشش مین اپنی جان لڑا دون گا۔ لیکن اقرار فرمائیے کہ اگر مہر کی یہ سب چیزین لاکے پیش کردون تو آپ ریّا کو میرے عقد مین دیدین گے۔"

فطریق دل مین سوچنے لگا کہ اقرار کرون یا نہ کرون۔ اگر اُس نے سب چیزین لاکے موجود کردیں تو پھر انکار کرتے نہ بنے گی۔ مگر آپ ہی" خیال کیا کہ ان چیزون کا ہاتھ آنا محال ہے۔ بھلا یہ کہان سے لائین گے۔ اور کہا "بےشک مین اقرار کرتا ہون کہ جس دن آپ یہ مہر کی چیزین لے آئین گے اُسی دن نکاح کردون گا۔"

عتبہ نے اسکے بعد سارے عرب اور عراق کی خاک چھان ڈالی۔ اور چونکہ طلب صادق تھی اور عشق سچا تھا خدا نے سب چیزین مہیا کردین۔ فوراً اُنکو لے کر سماوہ مین پہونچا۔ اور فطریق سے کہا "مین سب چیزین لے آیا لے اب عقد کا سامان کیجیے۔" اُس نے حیرت سے عتبہ کی صورت دیکھی۔ گھبرایا ہوا بیٹی کے پاس گیا اور کہا "ریّا۔ عتبہ نے مہر کی تمام مطلوبہ چیزین حاضر کردین جن کو مین سمجھتا تھا کہ کسی کو دستیاب نہ ہوسکین گی۔ اب بتا کیا کرون؟"

ریّا: "آپ نے صاف الفاظ مین اقرار تو نہین کیا؟"

فطریق: "اقرار تو صاف لفظون مین کرچکا جس سے پھرنا غیر ممکن ہے۔ اب تو مین

مجبور ہون کہ تیرا ہاتھ اُسکے ہاتھ مین دون"

رَیّا۔ ہان یہ بدعہدی تو آپ سے نہ ہوسکے گی"

فطریق۔ یہ بات آج تک کسی سے ہمارے خاندان مین ہوئی اور نہ مجھ سے ہوگی۔ افسوس کہ تم دونون اپنے مقصد مین کامیاب ہوے اور پابندی عہد نے مجھے ذلت گوارا کرنے پر مجبور کر دیا۔ خیر تو اب دولھن بننے کے لیے تیار ہو۔ مشاطہ کو بلا کہ تجھے بنا چنا کے آراستہ کرے۔ اور آج ہی شام کو تیرا عقد ہو جائے"

اُسی دن شادی ہو گئی۔ اور عتبہ کو رَیّا کی صورت مین ایسی نعمت غیر مترقبہ اور ایسی دولت لازوال ہاتھ لگی کہ دوسرے روز سے جو ولیمہ کی دعوتون کا سلسلہ شروع ہوا تو مسلسل چالیس روز تک جاری رہا۔ اہل سماوہ نے اس مدت مین بڑا جشن منائے۔ اور کسی گھر مین کھانا نہ پکا۔ ان دعوتون اور جشنون کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد عتبہ نے اپنی پریجمال و حور خصال دُلھن رَیّا کو بڑے ساز و سامان سے رخصت کرایا۔ اور ایک پر تکلف برات کی شان سے یہ عروسی قافلہ مدینے کی طرف روانہ ہوا۔

مدینۂ طیبہ ایک منزل رہ گیا تھا کہ ناگہان بدوی ڈاکو قافلے پر آ پڑے۔ اُنھین خبر لگ گئی تھی کہ اس قافلے مین دولھا دولھن بڑے ساز و سامان اور اعلیٰ درجے کے جہیز کے ساتھ آرہے ہین۔ لہذا انھون نے اتنی قوت سے حملہ کیا کہ قافلے والون کا زور چلنا غیر ممکن تھا۔ عتبہ نے جب دیکھا کہ میری دولھن کی عزت و ناموس پر حملہ ہونے والا ہے تو شیر ببر کی طرح ڈاکوؤن پر جھپٹ پڑا۔ اور بہتون کو مار کے گرا دیا۔ مگر کہان تک؟ اور کب تک؟ جب دشمنون نے نرغہ کر کے سب طرف سے نیزے مارنا شروع کیے تو زخمی ہو کر گرا۔ اور زخم ایسے کاری تھے کہ تڑپ کر جان دے دی۔

رَیّا نے محمل کے پردے سے جھانک کر عاشق دولھا اور بہادر شوہر کی بیجان لاش دیکھی۔ تو ایسی حسرت و یاس سے رونے پیٹنے اور ماتم کرنے لگی کہ ڈاکوؤن کو لوٹنا بھول گیا۔ اور سب نقش حیرت بن گئے۔ اُس نے بال کھول دیے۔ زیور نوچ کے پھینکدیا۔ نہ آنسوؤن کا سلسلہ ٹوٹتا تھا اور نہ ماتم و سینہ کوبی سے ہاتھ

رُکا تھا۔ جوشِ حسرت میں اُسنے فی البدیہہ چند شعر تصنیف کیے جن کو بَین کی طرز میں گا کے سُناتی اور آسمان و زمین اور شجر و حجر کو رُلا رہی تھی۔ اُن شعروں کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے صبر کیا۔ مگر یہ صبر نہیں بلکہ تمہارے پاس آنے کے راستے کو کاٹنا ہے۔ اور میری جان کو اگر انصاف کی راہ سے دیکھو تو دنیا بھر میں سب سے پہلے اُسی کو تمہارے پاس آنا چاہیے۔" آخر یہ شعر پڑھتے ہی پڑھتے ایک چیخ ماری اور محمل سے گر کے جان دے دی۔

یہ حسرتناک منظر نہ تھا ایک جادو یا طلسم تھا۔ ڈاکو اور قافلے والے سب کھڑے رو رہے تھے اور کسی کو کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ دیر کے بعد جب ہوش آیا تو سب نے مل کے اُن دونوں عاشق و معشوق کو شہیدانِ وفا کی طرح اُنھیں کے کپڑوں کا خونیں کفن پہنا کے ایک ہی قبر میں دفن کر دیا۔ اور بصدق دل فاتحہ پڑھ پڑھ کے اپنا اپنا راستہ لیا۔

تھوڑے دنوں کے بعد لوگوں نے دیکھا کہ اُن کی قبر پر ایک درخت اُگا ہے۔ جو وارد و صادر کو اُس دشتِ بے شجر میں اپنے پاس بلا کے بتا دیا کرتا ہے کہ "میرے سایہ میں عتبہ اور ریّا کے ایسے صادق العہد و جانباز عشاق آرام فرما رہے ہیں"۔ لوگوں نے اس درخت کا نام "شجرۃ العروسین" (دولہا دولھن والا درخت) رکھ دیا۔ اور اسی نام سے مدتوں وہ درخت اور وہ مقام یاد کیا جاتا رہا۔

دارمیہ حجونیہ

یہ عہد صحابہ کی ایک پُرجوش۔ راست باز۔ نڈر بیباک و آزاد خاتون تھی۔ نہایت ہی طلیق اللسان اور بڑی فصیح البیان تھی۔ حضرت علیؓ کے ساتھ اُسے خاص عقیدت و محبت تھی۔ اور اگرچہ زمانہ بدل گیا تھا مگر آپ کی مدح سرائی میں کسی کا خوف دل میں نہ لاتی۔ اُسے جمل و صفین کے واقعے یاد تھے۔ جن کو یاد کر کر کے حضرت علی مرتضیٰ کی عزت کرتی۔ اور آپ کی ناکامیوں پہ خون کے آنسو بہاتی۔

ابو سہیل تمیمی کا بیان ہے کہ جناب معاویہ ایک سال حج کو گئے تو لوگوں سے پوچھا "یہاں بنی کنانہ کی نسل کی ایک عورت تھی جو دارمیہ کہلاتی۔ وہ مقام حجون میں

میں آکر اُترا کرتی تھی۔ اُس کا بھی کچھ پتہ ہے؟" لوگوں نے کہا "جی ہاں وہ زندہ و سلامت ہے" یہ سُن کر حضرت معاویہؓ نے اُس کو بُلا بھیجا۔ جب وہ آئی تو کہا "اے حام کی بیٹی (حبشن) کیوں آئی ہو؟" بولی میں حبشن نہیں عربی الاصل اور آل کنانہ میں سے ہوں۔ اور آئی اس لیے کہ آپ نے بُلا بھیجا"۔

جناب معاویہ "تمہیں بھی کہ میں نے کیوں بُلایا ہے؟" کہا "غیب کی خبر خدا کو ہے میں کیا جانوں کہ آپ نے کیوں بُلایا ہے"

جناب معاویہ "میں نے یہ پوچھنے کو بُلایا ہے کہ تم کو علی سے کیوں محبت تھی؟ اور مجھ سے کیوں بغض ہے؟" اُس نے کہا "سچ کہوں؟ آپ خفا تو نہ ہوں گے؟ اور جو کہوں گی اُس کو معاف کر دیں گے؟" جواب ملا "نہیں۔ یہ قصور معاف نہیں ہو سکتا"

دارمیہ "خیر آپ معاف نہیں کرتے تو نہ کریں مگر میرا جواب سُن لیجیے۔ حضرت علیؓ سے مجھے اس لیے محبت تھی کہ وہ رعایا میں انصاف کرتے۔ اور سب کو ایک نگاہ سے دیکھتے۔ اور بذل و عطا کے وقت سب کو برابر عطا فرماتے۔ ان چیزوں کو دیکھ کر میں اُن کی مدح خواں ہوں اور اُن سے محبت کرنے لگی۔ آپ سے بغض اس لیے ہے کہ آپ خلافت کے لیے اُس شخص سے لڑے جو آپ سے زیادہ اُس کا مستحق تھا۔ اور اُس چیز کے خواستگار رہے جس کا آپ کو استحقاق نہ تھا۔ میری علی کی دوستی اس لیے تھی کہ رسول خدا صلعم نے انکو اپنا دوست بنایا۔ مسکینوں اور محتاجوں سے اُن کو محبت تھی۔ اور آپ رسول اللہ صلعم کی عزت اور اُن کا احترام کرتے تھے اور آپ سے اس لیے دشمنی تھی کہ آپ نے خونریزی کی۔ جو فیصلے کرتے ہیں اُن میں ظلم کرتے ہیں۔ اور خواہش نفس کے مطابق احکام جاری کرتے ہیں"

حضرت معاویہ نے جھنجلا کے کہا "اسی بغض کے بھرے ہونے کی وجہ سے تمہارا پیٹ پھول گیا۔ چھاتیاں بڑی بڑی ہو گئیں۔ اور سُرین بھاری بھر کم ہیں"۔ سنتے ہی دارمیہ نے جواب دیا "ان صفات میں تو خدا کی قسم آپ کی ماں ہند ضرب المثل تھیں"۔

حضرت معاویہ "اچھا اچھا بیٹھو۔ میں نے بُرائی کی راہ سے نہیں کہا تھا۔ اس لیے کہ یہ تو عورت کے خاص صفات ہیں۔ جس کا پیٹ بڑا ہوتا ہے اُسکے رحم میں بچہ

اچھی طرح نشوونما پاتا ہے۔ سینہ بڑا ہوا تو بچے کا دودھ سے پیٹ خوب بھرتا ہے۔
اور سُرینوں کے بڑے ہونے سے وہ جہاں بیٹھتی ہے وقار و تمکنت کے ساتھ بہت سی
جگہ گھیر لیتی ہے۔"

اب دارمیہ کا جوش ذرا کم ہوا۔ اور امیر معاویہ نے پوچھا "اچھا بتاؤ تم نے
علی کو دیکھا تھا؟" بولی "ہاں دیکھا تھا" پوچھا "تو انھیں کیسا پایا؟" کہنے لگی میں
نے اُنکو ایسا پایا کہ یہی حکومت جس نے آپ کو فتنے میں مبتلا کر دیا ہے اُن کو مبتلا نہ
کر سکتی تھی۔ اور یہی دولت جس نے آپ کو اپنا گرویدہ بنا لیا ہے اُنکو نہ بنا سکی"
جناب معاویہ نے پوچھا "اور اُنکی باتیں بھی سُنی تھیں؟" بولی "ہاں سُنی تھیں۔ اور
خدا کی قسم اُنکو سُن کر دل روشن ہو جاتا تھا"

گویا اس گفتگو کو ختم کر کے حضرت معاویہ نے پوچھا "خیر تم سچ کہتی ہو۔ اب بتاؤ
مجھ سے کچھ چاہتی بھی ہو؟" دارمیہ نے پوچھا "جو مانگوں گی آپ دیں گے بھی؟" کہا
"ہاں دوں گا" کہنے لگی "تو مجھے سو اونٹنیاں دلوائیے جن کے ساتھ اُنکے بچے
بھی ہوں اور چرانے والے بھی ہوں" پوچھا "ان اونٹنیوں کو لے کے کیا کرو گی؟"
دارمیہ نے کہا "دودھ سے بچے پلیں گے۔ بڑے پیٹ بھریں گے۔ میں اُن سے نفع
حاصل کروں گی۔ اور اپنے قبیلے والوں کی بھی اصلاح کروں گی"

یہ سُن کر جناب معاویہ نے کہا "اچھا ایک شرط ہے۔ اگر میں تمھاری یہ خواہش
پوری کر دوں تو وعدہ کرو کہ مجھے بھی ویسا ہی سمجھنے لگو گی جیسا کہ علی کو سمجھتی ہو"
دارمیہ نے کمال آزادی سے کہا "سبحان اللہ۔ بھلا یہ ممکن ہے؟ اُنکے برابر کیسا
میں تو اُن سے کم بھی نہیں سمجھ سکتی" اُس کے اس بیباکانہ جواب پر معاویہ نے جھنجھلا
کے کہا "خیر لو۔ کیا یاد کرو گی۔ مگر یاد رکھو کہ علی زندہ ہوتے تو خدا کی قسم تم کو اتنے
اونٹ ہرگز نہ دیتے" اُس نے آزادی کے ساتھ جواب دیا "بے شک نہ دیتے۔
وہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں سے اونٹ کیا چیز ہیں اُن کے اون کا ایک
رویاں بھی مجھے نہ دیتے"

اس گفتگو کے بعد جناب معاویہ نے اونٹ منگوا کر اُسکے حوالے کیے اور وہ اُن
کو لیکر اپنے گھر گئی۔

اس واقعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اظہار حق مین اُس عہد اولین اسلام کی ایک ایک معمولی عورت بھی کس قدر جری و بیباک تھی۔ اور معاویہ نے اگرچہ خلافت کی شان اور اسکی دینی آن بان مٹا کے اُسے شخصی سلطنت بنا لیا تھا۔ مگر عہد قدیم کی صحبتون کی اتنی برکت باقی تھی کہ کتنی ہی سختی سے مخالفت کی جائے اُن کے صبر و تحمل مین فرق نہ آتا تھا۔ اور پھر آزادانہ نکتہ چینی کو نہایت ضبط سے برداشت کر سکتے تھے۔ اور اسی چیز نے اسلامی کتب سیر و تاریخ اور عربون کی عام صحبتون مین "حلم معاویہ" کو مشہور کر رکھا تھا۔

جنفیاف

یہ فرانس کی ایک نہایت ہی نامور شریف و پارسا اور نیک نفس و دلربا خاتون تھی۔ ڈیوک آف برائنٹ کی بیٹی تھی۔ اور ۶۲ھ مین بعہد یزید بن معاویہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دو ایک سال بعد پیدا ہوئی تھی۔ حسن و جمال نازنینی و ناز آفرینی۔ رعنائی و دلربائی مین اُن دنون فرنگستان مین اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔ اور ان خوبیون کے ساتھ آواز ایسی دلکش اور باتین ایسی پیاری تھین کہ معلوم ہوتا باتین نہین کرتی جادو کر رہی ہے جس کسی سے دو باتین کر لیتی بے اختیار رکھنے لگتا۔ ع "کسی کی آنکھ مین جادو تری زبان مین ہے"

بالاتین کے نواب سگرڈ سے ملاقات ہوئی۔ دونون مین محبت کے پینگ بڑھے اور آخر ۸۰ھ مین جبکہ نازنین جنفیاف کا سن اٹھارہ برس کا تھا شادی ہو گئی۔ شادی کو ابھی پورا ایک برس بھی نہین گذرا تھا کہ چارلس مارٹل نے فرانس کو مسلمانون کے ہاتھ سے بچانے کے لیے فوج جمع کی اور اُس کے شوہر سے خواہش کی کہ ایک فوج کی سرداری وہ بھی قبول کرے۔ سگرڈ کا دل قومی و مذہبی جوش سے لبریز تھا۔ اور اُس زمانے کے نامور بہادرون مین تھا۔ اُس مسیحی مجاہد کی درخواست خوشی سے قبول کر لی۔ اور چارلس مارٹل کے ہمراہ مسلمانون کے مقابلے پر روانہ ہوا۔ اور اپنے نائب الریاست گولو کو تاکید کر گیا کہ خبردار جنفیاف کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے۔ ہمیشہ اُس کی خدمت مین مصروف رہنا۔ اور وہ جس بات کا حکم دے اُس کی فوراً

تعمیل کرنا؟

بدنفس گولو جنفیاف کی صورت زیبا پر فریفتہ اور اُس کا عاشق ہو کر نا جائز ہوس کرنے لگا۔ مگر جنفیاف کو دیکھا تو نہایت عفیفہ و پاکدامن پایا۔ پہلے خوشامد درآمد سے پھر مکر و فریب سے۔ اور اسکے بعد ڈرا دھمکا کے اپنی ہوس پوری کرنی چاہی۔ مگر کسی طرح زور نہ چلا۔ اور ثابت ہو گیا کہ جنفیاف کا حُسن ایک ایسے آہنی قلعے مین محفوظ ہے جس کے کنگروں کو کسی کی ہوس کی کمند نہین پا سکتی اور جس کی دیوار مین سیند دینا محال ہے۔

جب کسی طرح زور نہ چلا تو گولو دشمنی پر آمادہ ہو گیا۔ اور اُس کے شوہر کونٹ پالاٹین کو میدان جنگ مین لکھ بھیجا کہ "مین آپ کی ہدایت کے مطابق ملکہ کی خدمتگذاری اور حفاظت کرتا ہون۔ مگر اُن کا چال چلن اور طرز عمل ایسا ہے کہ حفاظت غیر ممکن ہے۔ اور مجھے شرم و ندامت سے لکھنا پڑتا ہے کہ باوجود میری ہر طرح کی نگہبانیون کے وہ اپنے ناجائز دوستون سے ملنا نہین چھوڑتین۔ اور قیامت یہ کہ حاملہ ہین۔ اور عنقریب حرام کا بچہ ہونے والا ہے"۔ اس ظالم و مفتری نائب نے اُس کے شوہر ہی کو نہین لکھا بلکہ سارے فرانس مین یہ خبر مشہور کر دی۔ اور ہر ادنیٰ و اعلیٰ کی نظر مین اُس نیک و پاکدامن حسینہ کو بدنام کر دیا۔

شوہر بالکل سادہ لوح اور بےعقل تھا۔ وزیر کے لکھنے کا یقین کر لیا۔ اور اپنے ایک معتمد علیہ شخص کو بھیجا کہ جاتے ہی بلا تامل میری بیوی اور اُسکے لڑکے کو اگر پیدا ہوا ہو جنگل مین لے جانا اور قتل کر کے دفن کر دینا۔ وہ شخص آیا اور چند روز کے بعد واپس جا کے خبر کی کہ دونون کو قتل کر ڈالا۔ اس خبر سے اگرچہ کونٹ کو وقتی تسکین سی ہو گئی۔ مگر ایسی اچھی پرجمال و خوش خصال بیوی سے زندگی بھر کے لیے محروم ہو جانے کے خیال سے ہر وقت دل پر ایک کوفت رہتی۔

لڑائی کے ختم ہونے کے بعد کونٹ گھر مین آیا۔ مگر کون گھر؟ جو ایسی زندگی سے خالی تھا اور کاٹے کھاتا تھا۔ ملکہ کی خادماؤن اور امیرون جلیسون سے معلوم ہوا کہ فلان شخص آپ کا بھیجا ہوا آیا تھا وہ ملکہ اور اُسکے بچے کو جو آپ کا نہایت ہی خوبصورت فرزند تھا ساتھ لے گیا۔ اور پھر پتہ نہ لگا کہ دونون ماں بیٹے کیا ہو گئے"۔

اُس نے کہا" اچھا ہوا کہ دنیا اُس زانیہ عورت اور اس کے حرام کے بچے سے خالی ہو گئی" یہ سُن کر وہ سب عورتیں رونے لگیں۔ اور سب نے کہا "آپ کو فریب دیا گیا ہے۔ آپ اُنکو خانہ چھوڑ گئے تھے۔ چند روز بعد ایسا اچھا ولیعہد ریاست پیدا ہوا کہ ریاست کی ساری رعایا خوش ہو گئی۔ مگر آپ کے نائب کی یہ حالت تھی کہ جس دن سے آپ گئے اُسی روز سے وہ ملکہ کی آبرو لینے کے درپے ہو گئے۔ پہلے خوشامدیں کرنا اور پھسلانا شروع کیا۔ پھر مکاری اور فریب سے اُنکو دام تزویر میں پھانسنے لگے۔ مگر پاکدامن ملکہ کے دل پر مطلق اثر نہ ہوا۔ تب وہ دھمکانے لگے کہ تم کو ساری دنیا میں بدنام کر دوں گا۔ اور خود تمھارے شوہر کو تمھارا دشمن بنا دونگا۔ اس کی بھی اُنھوں نے پروا نہ کی۔ اور ہم جانتے ہیں کہ اُنھیں کی سازش سے وہ کہیں غائب بھی ہو گئیں"۔

یہ واقعات سنتے ہی کونٹ کے ہوش اُڑ گئے۔ اور لوگوں سے اس بیان کی تصدیق کی۔ اور آخر اپنے کیے پر پچھتانے اور کف افسوس ملنے لگا۔ اب اُس کی یہ حالت ہو گئی کہ خود اپنا دشمن تھا۔ خودکشی پر آمادہ ہو گیا۔ مکان میں وحشت ہوئی تو شہر کے گلی کوچوں کی خاک چھانی۔ وہاں بھی کسی جگہ دل نہ لگا تو آبادی کے باہر جنگلوں میں وحشی درندوں کی طرح پھرنے لگا۔ آدمیوں کی صورت سے وحشت ہوتی اور کہتا کہ انسان سے زیادہ بے رحم و سنگدل کوئی نہیں۔ میرا انتقام اکیلے وزیر ونائٹ کے مار ڈالنے سے نہیں مل سکتا۔ بس میری تسکین دو ہی طرح سے ہو سکتی ہے۔ یا سب آدمیوں کو مار ڈالوں۔ یا سب سے قطع تعلق کر لوں"۔

اس خیال کا یہ اثر تھا کہ صبح ہوئی اور جنگل کی راہ لی۔ جہاں ہر کُنج میں اور ہر درخت کے نیچے کھڑے ہو کر آنسو بہاتا۔ ایک دن جنگل میں پھر رہا تھا کہ دور پر ایک عورت دکھائی دی جو اُسی کی طرف بڑھتی چلی آتی تھی۔ ذرا نزدیک ہوئی تو چونک کے بولا" ایں! یہ تو میری شیفیا ہے۔ مگر وہ کہاں؟ وہ تو کب کی مر چکی"۔ عورت اور قریب ہوئی تو گھبرا کے کہنے لگا "مگر یہ تو وہی ہے! یقیناً وہی ہے! آہ! اب میں سمجھا۔ اُس کی روح آئی ہے کہ مجھے لعنت ملامت کرے اور میرے ظلم و ستم کا مجھ سے بدلہ لے۔ بے شک میں اسی کا مستحق ہوں۔ آہ۔

پاس آ۔ مجھے گالیاں دے۔ مجھ پر لعنت کر۔ بلکہ مجھے مار ڈال"۔ اب جنفیاف اس قدر نزدیک تھی کہ یہ الفاظ اُس نے بخوبی سُن لیے اور بیتابی کے ساتھ بولی "نہین۔ نہین۔ مین نہ گالیان دون گی۔ نہ لعنت کرون گی۔ نہ مارون گی۔ بلکہ مین اب بھی ویسی ہی تمھاری صورت کی عاشق اور وفادار بیوی ہون۔ تم کو بدگمانی ہو۔ گر میری محبت بدگمانی سے خالی اور بیوفائی کی نجاست سے پاک ہے"۔ یہ کہتی ہوئی جنفیاف آکر سامنے کھڑی ہو گئی۔ اور کونٹ کی یہ حالت تھی کہ زبان بند تھی اور کوئی جواب نہین پڑتا تھا۔

آخر دل مضبوط کر کے کونٹ نے کہا "گر جنفیاف۔ مین تیرے قابل نہین۔ تیرا حُسن باغ عدن تھا۔ اور مین سانپ بن کے آیا اور اُسے ہاتھ سے کھو دیا۔ تو باوفا تھی اور مین بے وفا ہون۔ تیرے دل مین محبت تھی اور میرے دل مین بغض۔ تو پارسا و پرہیزگار تھی اور مین بدکار و گنہگار ہون"۔

جنفیاف: "تم چاہے جیسے ہو گر مین تمھاری ہون۔ اور شادی کے روز جو عہد کیا تھا اُس پر آج تک قائم ہون اور زندگی بھر قائم رہون گی"۔

کونٹ (حیرت سے) "زندگی بھر قائم رہون گی؟ تو کیا تم ابھی زندہ ہو؟ اگر یہ ہو تو مین بڑا خوش نصیب ہون"۔

جنفیاف: "ہان مین زندہ ہون۔ مگر تم کو یہ سُن کر افسوس ہوگا کہ مین زندہ بچ گئی۔ آؤ۔ اب تم اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالو۔ اور یہی میری تمنا بھی تھی۔ جس کو خدا نے یون پورا کیا کہ جس کو تم نے میرے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا تھا اُس نے مجھے جنگل مین لا کے چھوڑ دیا۔ اور تاکید کی کہ پھر کبھی تم کو اپنی صورت نہ دکھاؤن"۔

کونٹ: "اُس نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ افسوس گولو نے مجھے فریب دیا۔ اور مین ایسا بیوقوف بن گیا"۔ یہ کہ کے کونٹ نے بیوی کو گلے لگا لیا۔ بچہ پہاڑ کی ایک کھوہ مین غافل پڑا سو رہا تھا۔ اُسے جا کے گود مین اُٹھایا۔ اور پیار کیا۔

اب کونٹ اپنی محبوبہ بیوی اور اپنے لخت جگر کو اپنے محل مین لایا۔ اُسی وقت گولو کو بلا کے قتل کیا۔ اور گھر مین پھر خوشیان منائی جا رہی تھین۔

جنفیاف نے جنگل مین جہان مصیبت کی زندگی بسر کی تھی وہان اپنی مصیبت

دُور ہونے کی یادگار میں ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی - اور اُس میں ایک پتھر پر اپنی ساری داستان کندہ کرا دی - اور ایک تابوت بنوایا جس میں دونوں میاں بیوی مرنے کے بعد دفن کیے گئے - وہ خانقاہ اُس کی یادگار میں آج تک موجود ہے -

فریدہ

عہدِ بنی عباس میں اِس نام کی دو صاحب کمال و بے مثال گانے والی کنیزیں گذری ہیں - دونوں جادو نگاہی و سحر آفرینی میں فریدۂ عصر اور یکتائے روزگار تھیں - جن کی قائم کی ہوئی دُھنیں مدت ہائے دراز تک لوگوں کے گلے میں اُترتی رہیں - اور بعد کے اساتذۂ موسیقی اُن کے کمالات کا دم بھرتے رہے -

پہلی فریدہ کا نشو و نما ارضِ حجاز میں ہوا - اسکے بعد اُس زمانے کے رئیس زبیع کے حرم میں پہونچی - اور وہیں فنِ موسیقی میں کمال پیدا کیا - چند روز بعد وہ برامکہ کے فیاض و قدر دانِ کمال گھرانے میں پہونچی - آخر جب ہارون رشید کی برہمی و بدگمانی نے جعفر بن یحییٰ برملی اور اُسکے ساتھ تمام برامکہ کا خاتمہ کر دیا تو فریدہ اُنکے محل سے نکل بھاگی - ہارون رشید نے اُسکو بہت ڈھونڈوایا مگر نہ پایا - آخر اُس کے ولیعہد اور عزیز فرزند محمد امین کے کاشانۂ عیش میں پہونچی - اور وہ اُس کے حُسن و جمال اور کمال کا گرویدہ ہو گیا - جب امین بھی مارا گیا تو فریدہ ایوانِ خلافت سے نکل کے ہیثم بن مسلم کے عقدِ نکاح میں منسلک ہو گئی - اُسکے بطن سے ہیثم کا بیٹا عبداللہ پیدا ہوا - اُس کے بعد جب ہیثم بھی مر گیا تو اُس عہد کے نامور دربارکے سردار سندی ابن جرش نے اُس سے شادی کر لی - اور اُسکے گھر سے وہ مر کے نکلی -

دوسری فریدہ اُس سے زیادہ نامور و صاحب کمال - اُس سے زیادہ حسینہ و پری تمثال - اُس سے زیادہ شوخ و بذلہ سنج اور لطیفہ گو - نہایت ہی زندہ دل اور سب سے بڑی بات یہ کہ محبت و وفا کی سچی تصویر تھی -

الواثق باللہ کے مغنی و مطرب عمرو بن بانہ نے اُسکو پال کے اُس کی تعلیم و تربیت کر کے اور ہر بات میں صاحب کمال بنا کے اُس کو خلیفہ کی نذر کر دیا تھا -

عمرو کے گھر میں فریدہ کے ساتھ ایک اور کنیز بھی تعلیم پا رہی تھی جس کا نام "خل" تھا۔ فریدہ کو وہ واثق کے محل میں پہونچا چکا تھا کہ ایک روز اسکے سامنے اُس نے یہ چیز گائی

قُلتُ خَلّا فَاقبَلِی مَعذِرَتِی ما کَذا یَجزِی مُحِبّاً مَن اَحَب

(میں نے خل (محبوبہ) سے کہا میرا عذر قبول کر محبت والے اپنے چاہنے والوں سے ایسا نہیں کرتے ہیں) واثق کو یہ گیت اس قدر پسند آیا کہ جھومنے لگا اور کہا "ذرا پردے کے پاس جا کے یہ راگ فریدہ کو بھی سکھا دو"۔ عمرو نے حریم خلافت کے پردے کے پاس بیٹھ کے یہ نغمہ فریدہ کو یاد کرانا شروع کیا۔ پہلا مصرع یاد کرتے کرتے اُس نے چپکے سے کہا "اس میں خل ہے یا خلی (میری خل) کیونکر ہے؟" عمرو سمجھ گیا کہ اس بہانے سے وہ اپنی سہیلی خل کی خیریت دریافت کرنا چاہتی ہے۔

پھر اسکے بعد فریدہ کا نغمہ روز بروز زیادہ مؤثر اور دلکش ہوتا گیا اور وہ اس کمال کو پہونچی کہ کوئی مغنیہ اُس کی ہمسری کا دعویٰ نہ کر سکتی تھی۔

مگر اُس کا کمال موسیقی۔ اسکی جادو بھری آواز۔ سحر آفرین باتیں۔ غلط انداز نگاہ۔ سب چیزیں زمانے کے ساتھ گذر گئیں۔ جو چیز کسی طرح زمانے کے مٹائے نہیں مٹ سکتی وہ اُسکی وفاداری ہے۔ اُس نے واثق کے سوا اور کسی کی صورت کو دیکھنا گوارا نہ کیا۔ اور گویا اُسی ایک دم کے لیے دُنیا میں آئی تھی۔ اس کا یہ جوہر ایک عجیب و غریب عبرتناک طریقے سے ظاہر ہوا جس سے زیادہ دل پر اثر کرنے والا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا۔

واثق کا ایک ندیم خاص محمد بن حارث کہتا ہے "میں واثق کی صحبت عیش میں شریک ہوا کرتا۔ اور میرے واسطے ہفتے میں چند روز مخصوص تھے جن کے سوا اور کسی دن نہ میں جاتا اور نہ بلایا جاتا۔ ایک دن گھر میں بے فکر بیٹھا تھا اس لیے کہ یہ میری باری کا دن نہ تھا۔ ناگہاں دروازے پر کچھ شور و ہنگامہ سُنا۔ باہر نکلا تو دیکھا کہ ایوان خلافت کے چوبدار اور ہرکارے کھڑے ہیں اور کہہ رہے ہیں "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے"۔ میں نے کہا "آج تو میرا دن نہیں ہے۔ یاد کیسے ہوئی؟ تمھیں کچھ دھوکا ہوا ہے"۔ اُنھوں نے کہا "ان باتوں میں دیر نہ لگائیے ہمیں تاکید ہے کہ فوراً آپ کو لیجا کے حاضر کر دیں۔ لہذا ہم آپ کو لیے بے نہ جائیں گے"۔

اب میں دل میں ڈرا اور طرح طرح کے اوہام گذرنے لگے۔ بار بار دل کہتا کہ "معلوم ہوتا ہے کسی نے کچھ لگا دیا۔ یا خود امیر المومنین کے دل میں کوئی بدگمانی پیدا ہو گئی۔ بہرحال آج خیریت نہیں ہے"۔ مگر مجبور تھا۔ گرتا پڑتا اُن لوگوں کے ساتھ ہو گیا۔ قصر خلافت میں پہونچ کے اُس طرف چلا جدھر میرے ٹھہرنے کی جگہ مقرر تھی۔ مگر چوبداروں نے پکڑ کے کہا "نہیں اُدھر چلیے" اور محل کے ایک ایسے راستے پر لے چلے جدھر کبھی میرا گذر نہیں ہوا تھا۔ اب مجھے موت سامنے کھڑی نظر آتی تھی۔ کانپتا ہوا کمروں کے بعد کمرے اور دالانوں کے بعد مکان طے کرتا چلا جاتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دور پر چوبدار اور خدام بدلتے جاتے۔ ایک گروہ اپنی حد تک پہونچا کے دوسرے گروہ کے حوالے کر دیتا۔ پھر دوسرا اپنی حد ختم کر کے تیسرے گروہ کو مجھ پر مسلط کر دیتا۔ کشاں کشاں قصر خلافت کی ہفتخوان طے کر کے ایک نہایت ہی نفیس مکان میں پہونچا جو اپنے تکلفات اور شاہانہ سامان آرائش سے شداد کی جنت معلوم ہوتا تھا۔ کمخواب کا فرش تھا۔ دیواروں پر طلائی نقش و نگار بنے تھے۔ دروازوں اور محرابوں پر زربفت کے پردے لٹک رہے تھے۔ اب لوگ مجھے اس مکان کے ایک کمرے کی طرف لے چلے جو سب سے زیادہ آراستہ و پیراستہ تھا۔

دور ہی سے میری نظر اُس کمرے میں گئی تو دیکھا کہ سونے کے ایک مرصع تخت پر جواہرات کی مسند زرنگار بچھی ہے۔ مرصع تکیے لگے ہیں۔ اُس پر واثق لباس فاخرہ پہنے بیٹھا ہے اور اُسکے پہلو میں فریدہ ہے جو دُلھن بنی ہوئی ہے۔ اُسکے جواہرات نظر کو خیرہ کیے دیتے ہیں۔ ایک بربط اُسکی گود میں ہے اور وہ اُسکو چھیڑ رہی ہے۔ میری صورت دیکھتے ہی واثق نے کہا "واللہ خوب آئے۔ آؤ بیٹھو"۔ میں نے زمین ادب چوم کر عرض کیا "امیر المومنین۔ خیریت تو ہے؟" کہا "خیریت ہے۔ دیکھتے نہیں کہ اس بزم عیش میں ایک زندہ دل ندیم صحبت کی ضرورت ہے۔ تم سے زیادہ بامذاق انیس صحبت مجھے اور کوئی نہ نظر آیا۔ اس لیے بلا بھیجا۔ خیر پہلے جا کے کچھ کھا پی لو"۔ عرض کیا "امیر المومنین میں خوب سیر ہوں۔ اور پی بھی چکا ہوں"۔ یہ سُن کر کہا "تو خیر بیٹھو"۔ ساتھ ہی کنیزوں کی طرف جو دست بستہ کھڑی تھیں اشارہ کیا۔ اور اُنھوں نے مے ارغوانی کا ایک رطل گراں لا کے

میرے سامنے پیش کر دیا۔ اور میں پینے پر مجبور تھا۔

اب فریدہ نے سرود چھیڑ چھیڑ کے مجنون کے دو شعر گائے۔ اُس کی آواز۔ اُسکے نغمے۔ اور اُس کی سرود نوازی سے خدا کی قسم یہ معلوم ہوتا کہ جیسے وہ مجھ پر جادو کر رہی ہے۔ اور میں لحظہ بہ لحظہ زیادہ مسحور و از خود رفتہ ہوتا چلا جاتا ہوں۔ ادھر واثق کی یہ حالت تھی کہ بیتاب تھا۔ اور شوق کی بیخودی میں بار بار اُسکو اپنے آغوش کی طرف کھینچتا۔ جھنجھوڑتا اور وہ زیادہ جوش و لطف کے ساتھ تانیں لگاتی۔ اور دل کو پاش پاش کیے ڈالتی تھی۔

فریدہ نے گانے کا سلسلہ باندھ دیا۔ ایک نغمہ ختم ہوتا تو دوسرا شروع کر دیتی جو پہلے سے زیادہ دلکش ہوتا۔ درمیان درمیان میں کبھی بیخود ہو کے میں بھی تانیں لگانے لگتا۔ غرض یہ ایسی صحبت طرب تھی کہ مجھے زندگی بھر نہ بھولیگی اور نہ ایسا لطف عیش کبھی نصیب ہوا تھا۔

ان لذتوں کا لطف اُٹھاتے اُٹھاتے کیا دیکھتا ہوں کہ ناگہاں واثق نے اپنا پاؤں اُٹھایا۔ اور اس زور سے کس کے فریدہ کو ایک لات ماری کہ وہ لڑھکتی اور قلابازیاں کھاتی ہوئی تخت کے نیچے جا پڑی۔ اُسکو جا بجا چوٹ آئی۔ سرود بالکل پاش پاش ہو گیا۔ اور وہ زمین پر گر کے زار و قطار رونے لگی۔

ساتھ ہی میری یہ حالت ہوئی کہ تن سے جان نکل گئی۔ اس صحبت میں کئی بار میں نے فریدہ کو اور اُس نے مجھے دیکھا تھا۔ مجھے یقین آ گیا کہ اس برہمی کا باعث یہی واقعہ ہے۔ نہ ہم دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے اور نہ اس نازنین پر یہ ظلم ہوتا۔

ادھر واثق نے سر جھکا یا تو تھوڑی دیر تک کسی فکر میں رہا۔ اور میں بھی سر جھکائے منتظر تھا کہ اب میرے قتل کا حکم ہوتا ہے۔ اتنے میں واثق نے سر اُٹھا کے میری طرف دیکھا اور کہا "محمد۔ بھلا تم نے کبھی اس سے زیادہ حیرتناک ماجرا دیکھا تھا؟" عرض کیا "امیر المومنین۔ غلام کا تو دم ہی نکل گیا۔ اور خدا لعنت کرے مجھ پر اگر میں نے اس حور وش نازنین کو آنکھ بھر کے بھی دیکھا ہو۔ یا اگر اتفاقاً نظر پڑ گئی تو اُس میں کسی قسم کی ادنیٰ بدنیتی بھی ہو۔" کہا "نہیں نہیں۔ اس کا تو مجھے ذرا

بھی خیال نہیں ہے۔ مجھے اس وقت بیٹھے بیٹھے یہ خیال آیا کہ جیسے میرا بیٹا جعفر (جو متوکل علی اللہ کے لقب سے اُسکے بعد خلیفہ ہوا) میری جگہ اسی تخت پر بیٹھا ہے۔ اور فریدہ اُسکے پہلو میں بیٹھی یونہیں نغمہ سنجی کر رہی ہے۔ اس خیال کو میں برداشت نہ کرسکا۔ اور مجھ سے ایسی حرکت سرزد ہو گئی"۔

(یہ خیال رکھنا چاہیے کہ واثق اپنے ولیعہد جعفر متوکل سے نہایت بدگمان اور اُس کا دشمن تھا۔ اور آخر اسی بدگمانی کے وہم میں مبتلا ہو کے مرا)

محمد بن حارث کہتا ہے واثق کا یہ خیال سُن کر میں نے دست بستہ عرض کیا" امیرالمومنین اس کا خطرہ دل میں نہ لائیں۔ خدا نے چاہا تو نا خلف جعفر قتل ہوگا اور حضور ابد الآباد تک زندہ و اقبالمند رہیں گے"۔ پھر میں نے زمین بوس ہو کے عرض کیا" امیرالمومنین۔ اللہ اللہ! بھلا ایسی نازنین گل اندام کے ساتھ ایسا سلوک ہونا چاہیئے تھا؟ حضور اُس کے حال پر رحم فرمائیں اور پھر پیار سے اپنے پہلو میں بٹھا لیں"۔

میری اس التجا پر اُس نے خادم کنیزوں کو حکم دیا کہ" فریدہ کو لا کے میرے برابر بٹھاؤ"۔ حکم ہوتے ہی فریدہ دوسرا زرنگار جوڑا پہنا کے واثق کے برابر بٹھا دی گئی۔ اور واثق نے کھینچ کر اُسے گلے لگا لیا۔ اب دوسرا سرود لا کے اُس کی گود میں رکھا گیا۔ مگر فریدہ کی آنکھوں سے اب تک آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ اُس سے بھی زیادہ پھوٹ پھوٹ کے خود واثق رو رہا تھا۔ اور اُن دونوں کو روتے دیکھ کر میرا بھی دل بھر آیا۔ بے اختیار رونے لگا۔

اب فریدہ نے کہا" امیرالمومنین پہلے میرا قصور بتائیں۔ آخر کس جرم پر میرے ساتھ یہ سلوک ہوا؟" واثق نے جو وہم و خیال مجھ پر ظاہر کیا تھا اُس پر بھی ظاہر کر دیا۔ مگر کہتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ واثق کا یہ بیان سُن کر فریدہ نے رو رو کے کہا" تو امیرالمومنین۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دلاتی ہوں کہ مجھے اسی وقت قتل کروا ڈالیے۔ تاکہ آپ کے دل سے یہ اندیشہ دور ہو۔ اس طرح مجھے بھی آیندہ کی فکروں سے آزاد کر دیں گے۔ اور اپنے دل کو بھی مطمئن کر لیں گے"۔ اُسکی اس درخواست پر واثق اور میں زار و قطار رونے لگے اور دیر تک روتے رہے۔

یہ لوگ تو روتے ہی ہیں لیکن سچ یہ ہے کہ ہم اُن کا یہ تذکرہ لکھتے وقت
اُن سے زیادہ روتے اور خون کے آنسوؤں سے رو رہے ہیں۔ ہمارے رونے
کا باعث یہ جان گداز سین نہیں بلکہ یہ امر ہے کہ افسوس یہی وہ مسندِ خلافتِ اسلامیہ
ہے جو ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی کے لیے بچھائی گئی تھی۔ اور یہ امیر المومنین کا لقب
وہ ہے جو شاہی و تاجداری کی نخوت و خود پرستی کے جذبات سے مبرا و منزہ ہونے
کے واسطے حضرت فاروق اعظم رضی کے لیے اختیار کیا گیا تھا۔ اُسی سادی مسند پر
دو ہی تین صدیوں کے بعد ایسا شخص بیٹھا نظر آتا ہے جس نے فرعون کی خود
پرستیوں اور خسرو پرویز کی عیاشیوں کو بھی مات کر دیا۔ اور وہ شخص امیر المومنین
کہلاتا ہے جس کو دراصل امیر العیاشین یا امیر الفاسقین کہنا چاہیے۔

ہمارے بگڑنے اور ہمارے زوال کی اگر یہی رفتار ہے جو عہد فاروقی سے
عہد واثقی تک سوا دو صدیوں سے کم زمانے میں نظر آتی ہے تو تیرہ سو برس بعد
اُس درجے سے جس پر ہم نظر آ رہے ہیں ہمیں بہت زیادہ ابتر حالت میں ہونا چاہیئے
مگر نہیں۔ دولت مغلیہ کے آداب دربار بتا رہے ہیں کہ واقعی ہم اُسی درجے کو پہونچ
گئے تھے جس کو اتنی مدت کے بگاڑ کا نمونہ ہونا چاہیے تھا۔ اور اب بھی بعض چھوٹے
ذلیل رئیسوں کو تھوڑی ثروت حاصل ہوتے ہی ہم اُس ناپاک حالت میں پاتے
ہیں جس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہے۔ اور اُس سے زیادہ عبرتناک یہ ہے
کہ جن مسلمانوں کو اُن سے تھوڑا نفع پہونچ جاتا ہے اُنکی تعریف کے پل باندھ دیتے
ہیں اور ہماری نکتہ چینی کو محبتِ دین کے خلاف بتاتے ہیں۔ حالانکہ سچ یہ ہے
کہ اسلام کی ثروت و عزت اگر ایسے ہی حسن کے ڈاکوؤں سے عبارت ہے تو ثروت
و دولت اسلام کا رہنے سے مٹ جانا زیادہ اچھا ہے۔

غرض اب واثق۔ قریدہ۔ اور ندیم مصاحبت محمد بن حارث سب نے آنسو پونچھے
پھر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے۔ اور واثق نے خادم کو اشارہ کیا جنھوں نے روپیوں
اشرفیوں۔ خلعتوں۔ اور دیبا و حریر و ملند نفیسہ و کمخواب کے تھانوں کی کشتیاں
لا لا کے سامنے رکھیں۔ پھر ایک خادم ایک جواہر نگار صندوقچہ لایا۔ اور اسکو
کھول کے خلیفہ کے سامنے پیش کیا۔ واثق نے اُس میں سے بڑے بڑے موتیوں کا

ایک ہار نکالا (جس کی نسبت محمد بن حارث کہتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنے بڑے اور ایسے آبدار موتی نہیں دیکھے تھے) اور اُسکو اپنے ہاتھ سے فریدہ کے گلے میں ڈالدیا۔ اسکے بعد دس ہزار درہم کے دس توڑے اور قیمتی تھانوں کی پانچ کشتیاں محمد بن حارث کے سامنے رکھی گئیں۔ اور پھر وہی صحبت عیش گرم ہو گئی جو رات بھر قائم رہی۔ اور صبح کو محمد اپنے انعامات لے کے اپنے گھر آیا۔ اور اپنی خوش نصیبی پر نازاں تھا۔

اسکے بعد محمد بن حارث کہتا ہے کہ زمانہ بدلا۔ اور متوکل علی اللہ تخت پر بیٹھا۔ اور میں جس طرح واثق کا مصاحب تھا متوکل کے ندیموں میں بھی شامل کیا گیا۔ اب بھی اُسی طرح میری باری کے دن مقرر تھے۔ لیکن ایک روز جبکہ میرا گھر میں رہنے کا دن تھا غل سُن کر باہر آیا تو قصرِ خلافت کے چوبداروں اور ہرکاروں کا ترغہ دیکھا۔ جنھوں نے صورت دیکھتے ہی کہا "چلیے آپ کی یاد ہوئی ہے"۔ وہ لوگ کشاں کشاں مجھ کو لے گئے۔ اور قصر کے اندر انھیں راستوں سے بدلتے ہوے مجھ کو اسی کاشانۂ عیش میں پہونچایا۔ وہاں کیا دیکھتا ہوں کہ وہی کمرہ ہے۔ وہی تخت جواہرنگار ہے۔ وہی ساز و سامان ہے۔ اُسی طرح فریدہ سرود گود میں لیے بیٹھی ہے۔ مگر اُس کے برابر بجائے واثق کی جگہ متوکل ہے۔

متوکل نے میری صورت دیکھتے ہی کہا "محمد۔ تم نہیں دیکھتے کہ میں کس آفت میں مبتلا ہوں؟ کل سے اس وقت تک فریدہ سے اصرار کرتے گذری کہ گاؤ۔ مگر یہ نہیں مانتیں۔ تمھیں سمجھاؤ"۔ میں نے فریدہ سے کہا "سبحان اللہ! یہ کونسی ضد ہے کہ آپ اُن کا کہنا نہیں مانتیں جو آپ کے اور ہم سب کے آقائے نامدار اور تمام بنی نوع بشر کے سردار ہیں! میں امیرالمومنین ہی کی جان کی قسم دلاکے کہتا ہوں کہ گائیے"۔

میرے کہنے سے فریدہ ذرا راہ پر آئی۔ سرود چھیڑا۔ اور دو شعر گائے جو عالم کی بے ثباتی اور موت کی حسرتناکی پر تھے۔ لیکن ان کا خود اُس پر یہ اثر پڑا کہ کمال طیش کے ساتھ سرود کو اس زور سے زمین پر پٹکا کہ چُور چُور ہو گیا۔ اور

خود تڑپ کے جو تخت پر سے گری تو دور تک لوٹتی چلی گئی۔ مرغ بسمل کی طرح
تڑپتی تھی۔ اور چلاتی تھی کہ "ہائے میرے آقا! ہائے میرے آقا!"
متوکل نے یہ حالت دیکھ کر پوچھا "آخر یہ ماجرا کیا ہے؟" مین نے عرض
کیا "بخدا مین نہین جانتا"۔ اُس نے پوچھا "تو پھر تمھاری رائے مین مجھے کیا کرنا
چاہیے؟" مین نے کہا "غالباً یہ میری صورت دیکھ کر زیادہ پریشان ہوتی ہین۔
لہذا میری رائے تو یہ ہے کہ حضور مجھے رخصت کرکے کسی اور کو اس صحبت مین
بُلائین۔ جس سے یہ شاید زیادہ مانوس ہون۔ غالباً میرے چلے جانے کے بعد یہ
حضور امیر المومنین کی مرضی پر چلین گی"۔ اُس نے کہا "اچھا تو جاؤ۔ خدا حافظ"۔
اجازت ہوتے ہی مین اپنے گھر آیا۔ اور خدا جانے وفادار محبوبہ فریدہ پر
کیا گذری۔

لیکن دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ فریدہ کسی طرح نہ گائی۔ آخر متوکل نے
کمال بےحسی اور بدخلقی سے ایک خادمہ کو حکم دیا کہ "جب تک یہ گانے پر آمادہ
نہ ہو اسکے سر پر برابر دھولین مارتی رہو"۔ اور زندگی سے تنگ آکے اُس نے
سر اوٹھا کے متوکل کے سامنے یہ شعر گایا

فلا تبعد فکل فتی سیاتی علیہ الموت یطرق او یغادی

آخر فریدہ نے واثق ہی کے غم مین کڑھ کڑھ کے جان دی۔ اور واثق کا اندیشہ
نہ پورا ہونے دیا۔

ظریفہ بنت صفوان

عرب مین بنی عذرہ کا قبیلہ حسن وعشق کی شر انگیزیون کے لیے مشہور ہے۔
اس قبیلے نے خدا جانے کتنے عاشق جانباز پیدا کیے اور کتنی دلربا معشوقون کی
پیاری صورتین دنیا کے سامنے پیش کین۔ مگر دنیا کے تمام دل دینے اور لینے
والون کی طرح اُن کی عاشقی ومعشوقی کا انجام ہمیشہ ناکامی ونامرادی پر ہوا۔
اُنھین نازنینان بنی عذرہ مین سے ایک ظریفہ بھی تھی جو صفوان ابن
وائلہ عذری کی بیٹی تھی۔ اور سہ جہتی گلعذاری سحر نگاری وقیامت خرامی کے

علاوہ خوش آوازی اور جادو بیانی کے اعتبار سے بھی سارے قبیلے مین بےنظیر وعدیم المثال تھی۔

ایک روز قبیلے کی بہت سی دوشیزہ لڑکیون کے ساتھ پانی لینے کو کسی دُور کے تالاب پر گئی۔ اور سب لڑکیان تو پانی مین اُترکے کھیلنے اور اپنے مشکیزون مین پانی بھرنے لگین۔ مگر وہ گھاٹ پر سب سے الگ ایک بلند مقام پر بیٹھ کے پُرپیچ زلفون مین کنگھی کرنے لگی۔ بال کھول دیے۔ جو رُخ تابان پر اس طرح بکھرے ہوے تھے جیسے ماہ تابان پر کالی بدلی کا جال پڑا ہو۔

اُسی دن اور خاص کر اُسی وقت اُسکے قبیلے کا شریف زادہ ذرعہ بن خالد عذری شکار کے لیے گھر سے نکلا تھا۔ کمان تیر جوڑے ہوے ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا اڑدے چلا جاتا تھا۔ کہ اُس تالاب کے کنارے پہونچ کر ہرن نظر سے غائب ہوگیا۔ اور غزالہ ظریفہ کے رُخ انور پر نظر جا پڑی جس وقت ظریفہ کے رُخ انور پر نظر پڑی ہے اُسی وقت اُس نے بانگ نکال کے زلفین دونون جانب سے ہٹائی تھین۔ اور اُنکے درمیان مین سے گورا چہرہ برسات کے چاند کی طرح ابر مین سے نکل کے یک بیک چمک اُٹھا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ظریفہ کی نگاہ غلط انداز بھی ذرعہ پر پڑ گئی۔ یا تو شوق دیدار کی کشش بیخودی کے ساتھ آگے بڑھاتی چلی جاتی تھی۔ یا نگاہ ناز کا تیر کھاکے گرا اور بیہوش ہوگیا۔

اُسکے اس بیکسی و غربت کے غش پر ظریفہ کو ترس آگیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھی۔ اُس کے پاس گئی۔ اور جب یون اُسے ہوش نہ آیا تو تالاب سے پانی لے لے کر اُس کے مُنہ پر چھڑکنے لگی۔ چند منٹ مین تیر نظر کے گھائل نے آنکھین کھولدین۔ دلدار گل رخسار کو مہربان اور درد عشق کا معالج دیکھ کر بولا "آین! قاتل ہی مقتول کا علاج بھی کر رہا ہے!" اس کے جواب مین ظریفہ نے مُسکرا کے کہا "تو پھر تمھین کس بات کی شکایت ہے؟" اب ذرعہ ہوش و حواس مین تھا۔ اور صحبت محبوبہ جادو نگاہ اور اُس کی میٹھی باتون سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ اُٹھ بیٹھا۔ اور دیر تک دونون وہ باتین کرتے رہے جن کو یونان کا دیوتا کیوپڈ اہل مغرب کے عاشقون اور معشوقون

کے کان میں کہہ دیا کرتا ہے۔

آخر ظریفہ اُٹھی کہ دیر ہوئی تو ساتھ والیاں بدگمان ہوجائیں گی۔ اور ساتھ ہی زرعہ بھی یہ کہتا ہوا اُٹھ کھڑا ہوا کہ ع "جو شکار افگن تھا آکر ہو گیا یاں خود شکار" پھر ان برجستہ طبعزاد اشعار میں ترنم کرنے لگا۔

خرجت اصید الوحش صادفت قانصا　　من الریم صادتنی سریعا حبائلہ

میں وحشیوں کا شکار کھیلنے کو نکلا تھا مگر گوری غزالہ نے خود مجھے جھٹ پٹ اپنی کمند میں پھانس کے شکار کرلیا۔

فلما رمانی بالنبال مسایرعا　　رقانی وہل میت یداویہ قاتلہ

پھر جب تیر سے گرا چکی تو دوڑکے مجھ پر دعائے صحت دم کردی۔ اور بھلا کہیں یہ بھی دیکھا ہے کہ مُردے کا علاج خود اُس کا قاتل کرے؟

الا فی سبیل الحب صب قد انقضی　　سریعا ولم یبلغ مرادا یکا دلہ

لوگو! مبتلائے عشق راہ محبت میں جلدی تمام ہوگیا اور وہ تمنا نہ پوری ہوئی جس کا آرزومند تھا۔

اسکے بعد زرعہ بڑی دشواریوں سے گھر تک پہونچا۔ اور پہونچتے ہی صاحب فراش ہوگیا۔ اور کھانا پینا مطلق چھوٹ گیا۔ ماں باپ نے سو جتن کیے اور دوڑ دھوپ میں کوئی بات اُٹھا نہ رکھی مگر ع "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ آخر زندگی سے مایوس ہوکر اُس نے ماں کے کان میں کہہ دیا کہ "آپ بیکار ہی میرے لیے دوا اور علاج کی فکر کر رہی ہیں۔ مریض عشق کو دنیا میں کون اچھا کر سکا ہے؟ میں دراصل ظریفہ بنت صفوان کے رخ زیبا کا بیمار ہوں۔ میرا علاج ہو سکتا ہے تو اُس سے۔ اور یہ ممکن نہیں ہے"۔

ماں کی ممتا بُری ہوتی ہے۔ جانتی تھی کہ ظریفہ کے خاندان والے اس نسبت کو ہرگز نہ منظور کریں گے۔ مگر بیٹے کو ہاتھ سے جاتے دیکھ کر نہ رہا گیا۔ ظریفہ کے خیمے میں دوڑی گئی۔ اور اُس سے تنہائی میں مل کے کہا "بیٹی۔ میری جرأت کو معاف کرنا۔ اس لیے کہ میں اپنے آپے میں نہیں ہوں۔ میرا بیٹا زرعہ تمھاری پیاری صورت دیکھ کے دیوانہ ہوگیا ہے۔ اور اپنی جان دیے دیتا ہے"۔ یہ سنتے ہی

اُس کے قدموں پر گر پڑی اور کہا "بس تمھیں اُسے اچھا کر سکتی ہو۔ دنیا بھر مین کوئی حکیم اور طبیب اُس کا علاج نہین کر سکتا۔ اگر ایک گھڑی بھر کے لیے آکے اسے تسلی دے دو گی تو اُمید ہے کہ کچھ جینے کا سہارا ہو جائے گا"۔
ظریفہ نے فوراً اُسکو اُٹھا یا اور سینے سے لپٹ گئی۔ پھر ایک آہ کھینچ کے آنکھوں مین آنسو بھر لائی۔ اور کہا "ہائے اپنی رسوائی و بیحیائی کو کیسے چھپاؤن؟ اب آپ نے چھیڑا ہے تو سنیے۔ جو آگ آپ کے فرزند کے دل مین لگی ہے وہی میرے دل مین بھی لگی ہوئی ہے۔ اُنھون نے تو آپ سے کہہ بھی دیا۔ مگر مین کمبخت کس سے کہون؟ اور کس کے آگے جا کے روؤن؟ آپ وہان چلنے کو کہتی ہین۔ مین تو سر آنکھون سے چلتی۔ اور بن بُلائے چلی آتی۔ مگر آہ۔ دشمن ہر طرف لگے ہوے ہین۔ میری پریشانی اور اُلجھن سے کسی کو بھی شبہہ ہوا تو کیا ہو گا؟ چغلیان کھانے والیان اسی فکر مین ہین کہ کوئی بات دیکھین اور بزرگون سے لگا دین۔ ایسی حالت مین بھلا میری مجال ہے کہ کہین جاؤن؟ اور بیحیائی اختیار کر کے چلی بھی آئی تو سب لوگ مجھ سے زیادہ آپ کے بیٹے کے دشمن ہو جائین گے۔ اس لیے یہ تو کسی طرح مناسب نہین ہے کہ مین آپ کے گھر مین آؤن۔ مگر ایک تدبیر کرتی ہون اس سے شاید اُن کو افاقہ ہو۔ اپنے بالون کی ایک لٹ کاٹے دیتی ہون۔ اسکو لیجا کے اُنھین دیجیے۔ شاید کچھ تسکین ہو سکے"۔ یہ کہہ کے اپنی زلفون کی ایک لٹ کاٹ دی۔ اور زرعہ کی ان اُس کو لیے ہوے زرعہ کے پاس آئی اور ساری سرگذشت بیان کر دی۔
ان بالون کو ہاتھ مین لیتے ہی زرعہ کی جان مین جان آگئی۔ اس سے اچھا نسخہ بھلا کہان نصیب ہو سکتا تھا؟ اُن بالون کو بار بار سونگھتا۔ آنکھون سے لگاتا۔ اور چومتا۔ یہان تک کہ رفتہ رفتہ اچھا ہو گیا۔ بھوک بھی کھُل گئی۔ کھایا پیا۔ اور چلنے پھرنے کی طاقت آگئی۔
اب اُس کا یہ معمول ہو گیا کہ چھپ چھپ کے اور لوگون کی آنکھ بچا بچا کے ظریفہ کے خیمے کے پاس جاتا۔ اور نادانستگی کے انداز سے دونون ایک دوسرے کی زیارت کبھی کبھی کر لیا کرتے۔ اور یہی دھوکے کی دھڑی کی ملاقاتین دونون کے

جینے کا سہارا تھین۔

مگر فلک بے مہر اسکو کبھی نہ دیکھ سکا۔ دونون کے دلی تعلق کی سارے قبیلے
مین شہرت ہو گئی۔ اور تمام قبیلے والے اُس کے قتل کے درپے ہو گئے۔ اس لیے
کہ عرب مین لڑکی کی شادی اور جس کسی کے ساتھ چاہیں کر دین کوئی مضائقہ نہ تھا مگر
جسکے ساتھ شادی سے پہلے محبت ہو گئی ہو اُسکے ساتھ لڑکی کی شادی ہو جاتی تو
سمجھا جاتا کہ سارے قبیلے کی ناک کٹ گئی۔ مجبوراً ذرعہ کو گھر بار اعزا و اقارب
اور خاص کر محبوبۂ شیرین ادا کو چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔

قبیلے کی زمین سے بھاگا تو یمن مین پہونچکر دم لیا۔ ظریفہ کی زلفون کے
بال ساتھ تھے۔ اور وہی ذریعۂ زندگی تھے۔ قدم قدم پر اُنکو نکال کے دیکھتا۔
سونگھتا۔ اور چومتا۔ جب کبھی شوق لقا بڑھتا اُن کو منہ پر ڈال لیتا اور تسلی ہو جاتی۔
غرض یونہین وہ اپنی روح کو تازہ کیا کرتا تھا۔ اسی حالت مین کئی سال گذر گئے۔
ایک دن کسی ضرورت سے کہین جا رہا تھا کہ راہ مین وہ بال جو حرز جان تھے
گر گئے۔ پلٹ کے اُن کو ڈھونڈھتا ہوا چلا۔ اور ساری راہ مین ڈھونڈھ ڈالا مگر
کہین پتہ نہ لگا۔ آخر ڈھونڈھتے ہی ڈھونڈھتے طاقت جواب دینے لگی۔ اور اب
اتنا دم نہ تھا کہ کہین جائے۔ لوگون نے اصرار کیا کہ چلیے گھر مین آرام سے بیٹھ کے
سوچیے گا تو تسلی و تسکین کی کوئی صورت نکل ہی آئے گی۔ جواب دیا "بس اب
مین جا چکا۔ آپ سب جائیں اور مجھے میری قسمت پر چھوڑ دین۔ یا تو کوئی صورت
زندگی پیدا ہو گی یا پیوند زمین ہو جاؤن گا"۔

سب لوگ چلے گئے اور ذرعہ نے ایک لڑکے کو اپنے چار شعر یاد کرا دیے۔
اور کہا "قبیلۂ بنی عذرہ کی آبادی مین فلان مقام پر جا کے جس وقت اور کوئی
نہ نظر آئے ان اشعار کو بہ آواز بلند گانے لگنا۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ ایک
مریض عشق ایک جگہ کسی قبیلے کے خیمون کے سامنے پڑا تڑپ رہا ہے۔ اُس کی
نہ کچھ دوا ہے اور نہ اُس کا کوئی علاج۔ لوگ کہتے ہین کہ تم اُس کی عیادت
کو آؤ گی تو بچ جائے گا۔ اور اُس مہ جبین سے ہم مہربانی کی درخواست کرینگے
تو وہ اُس مین تامل نہ کرے گی"۔

یہ لڑکا گیا اور اُسی جگہ اُس نے سناٹا دیکھ کے وہ اشعار گائے۔ فوراً ظریفہ روتی ہوئی خیمے سے نکل آئی۔ اور جواب مین اپنے طبعزاد چار اشعار گائے جن کا مضمون یہ تھا:- خدا رحم کرے اُس پر جس کا دل محبت مین مبتلا ہے۔ اور جس کے شوق مین میرا جی چاہتا ہے کہ اُڑ کے پہونچ جاتی۔ اگرچہ دل مین کثرت سے شعلے اُٹھ رہے ہین۔ مگر چغل خور لگانے بجھانے والے بھی بہت ہین۔ اور اگرچہ خاندان والون کے ڈر سے مین جسمانی طرز پر ملاقات کے لیے نہین آسکتی۔ مگر دل روز تمھارے پاس جاتا اور زیارت کرآتا ہے "

لڑکے نے یہ جوابیہ اشعار بر زبان یاد کر لیے اور واپس آکر زرعہ کو سُنائے تو سُن کر تھوڑی دیر تک اس پر غشی کا عالم طاری رہا۔ پھر آنکھ کھول کر اس مضمون کے دو شعر پڑھے کہ "معلوم ہوتا ہے اُس محبوبۂ نازنین کا عشق میری جان لے گا۔ نہین معلوم میرے بنی اعمام میرے ساتھ کیا کرنے والے ہین۔ اُنھون نے جو کچھ کیا اچھا کیا۔ اور افسوس میرا خون مفت ضائع ہوا"

اب اس پر قیامت یہ ہوئی کہ ظریفہ کے ماں باپ نے اپنے قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ بیٹی کی شادی کر دی۔ یہ خبر زرعہ کو پہونچی تو کمال بیقراری سے تڑپنے لگا۔ یہان تک کہ تڑپتے تڑپتے بے ہوش ہو گیا۔ اور اُسی بے ہوشی مین روح پرواز کر گئی۔

ادھر ظریفہ کی یہ حالت ہوئی کہ جس دولھا کے ساتھ عقد ہوا تھا اُس سے کسی طرح مانوس نہ ہوئی۔ اور نہ اُس کو کبھی اپنے پاس آنے دیتی تھی۔ زبان سے تو کبھی ایک لفظ بھی نہ نکالا۔ مگر طرز عمل سے ثابت کر دیا کہ بجز زرعہ کے وہ اور کسی کے لیے نہین ہے۔ اسی اثنا مین خبر پہونچی کہ زرعہ دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اب اُس کو بجز رونے دھونے اور آنسو بہانے کے کسی چیز سے سروکار نہ تھا۔ شوہر اُس کی تمام باتون اور حرکتون کو خاموشی سے دیکھتا اور دم نہ مارتا تھا۔ پہلے سمجھانے اور تسلی دینے کی بہت کوشش کی مگر جب دیکھا کہ ان باتون کا کوئی اثر نہین ہوتا تو اُسکو اُسی کے حال پر چھوڑ دیا۔ لیکن چونکہ طرح طرح کے اندیشے تھے اس لیے ہمیشہ اُس کی نگرانی رکھتا۔

ایک شب کو آدھی رات کے بعد اُس نے دیکھا کہ ظریفہ بچھونے سے اُٹھ کر گھر سے نکلی اور ایک طرف روانہ ہوئی۔ وہ بھی پیچھے ہو لیا کہ دیکھوں کہاں جاتی ہے اور کیا کرتی ہے۔ جاتے جاتے وہ وادی کے کنارے پہونچی جو پانی برسنے سے اُن دنوں جاری ہو گئی تھی۔ یہاں پہونچتے ہی ظریفہ بے تحاشا ندی میں پھاند پڑی۔ اور پانی میں غائب ہو گئی۔ شوہر بھی پانی میں کودا اور ڈھونڈھ کے نکال لایا۔ مگر کنارے پر لٹا کے دیکھا تو ہوش میں نہ تھی۔ اپنے خیمے میں اُٹھا لایا۔ رات بھر مردے کی طرح بے حس و حرکت پڑی رہی۔ صبح کو دیکھا تو ذرا سانس باقی تھی۔ ماں نے آ کے رونا پیٹنا شروع کیا۔ اُس سے ظریفہ نے کچھ کہا۔ مگر کوئی سمجھ نہ سکا کہ کیا کہتی ہے۔ اب اُس نے اشارے سے پانی مانگا۔ لوگوں نے کٹورا اُٹھا کے مُنہ سے لگا دیا۔ دو ایک گھونٹ پیے تھے کہ فراقِ جاناں میں جان دے دی۔ اور وہیں پہونچ گئی جہاں اُس کا عاشقِ نامراد تھا۔

پہلے تو قبیلے ہی کی زمین میں دفن کر دی گئی۔ مگر اسکے بعد بے رحموں کو ترس آیا۔ اور اُس کی لاش کو قبر سے نکال کے لے گئے اور جہاں زرعہ بن خالد دفن تھا وہیں اُسکے پہلو میں لٹا کے خاک میں سُلا دیا۔

اُمِ حکیم بنت قارظ

یہ حضرت عبید اللہ بن عباس بن عبد المطلب کی بیوی تھیں۔ عرب کی نامور فصیحہ و بلیغہ خاتونوں میں تھیں۔ پاکدامنی و اخلاق میں مشہور تھیں۔ حُسن و جمال بھی عدیم المثال تھا۔ اور بڑی ثابت قدم اور دل کی بہادر تھیں۔ اُن کے اشعار اُن کی زبان سے نکلتے ہی مشہور ہو جاتے۔ اور اکثر اشعار اپنے دو ننھے بچوں کے غم میں تھے۔ جن میں سے ایک کا نام عبد الرحمٰن تھا اور دوسرے کا نام قثم۔

اُن بچوں کی مظلومانہ موت کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے جھگڑے کا تصفیہ دونوں حکموں کی زبان سے ایسا ہوا کہ معاویہ کامیاب ہو گئے تو اُنھوں نے دو شخصوں ضحاک بن قیس اور بُسر بن ارطاۃ کو روانہ کیا اور حکم دیا

کہ جس کسی کو علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے موافق اور اُنکے گروہ میں پائین قتل کر دین - اور زن و فرزند پر بھی ترس نہ کھائین - عبیداللہ بن عباس ان دنون یمن کے والی تھے - بُسر بن ارطاۃ وہان پہونچا تو اپنی کمزوری سے اور کسی لشکر کے موجود نہ ہونے کے باعث وہ بھاگ کے روپوش ہو گئے - بُسر نے اُنکے گھر پر پہونچ کے اُنھین نہ پایا تو اُنکے دونون مذکورۂ بالا لڑکون کو جو ابھی ننھے بچے تھے اُن کی مان کے سامنے ذبح کر ڈالا -

وہ بدقسمت مان یہی اُم حکیم تھین - اُنھون نے جو یہ حالت دیکھی تو بیچاری وفور غم سے دیوانی ہو گئین - گھر چھوڑ کے نکل کھڑی ہوئین - نہ کسی کی سُنتی تھین اور نہ کچھ سمجھتی تھین - کوئی کچھ کہتا اُنھین حس نہ ہوتی - وحشت زدہ در در کی خاک چھانتی اور قبائل عرب مین چکر لگاتی پھرتی تھین - جس جگہ چند آدمی بیٹھے نظر آ جاتے اُنکے پاس ٹھہر جاتین - اور اپنے پُرسوز و گداز اشعار سنانے لگتین - جن کو سُن کر سخت سے سخت دل خون ہو جاتا - اور ہر شخص کی آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے - منجملہ اُنکے اشعار کے ہم دو تین کا ترجمہ اپنے ناظرین کے سامنے پیش کیے دیتے ہین - تا کہ کسی قدر اندازہ ہو سکے کہ ان شعرون نے قبائل عرب مین کیسی آگ لگا دی ہو گی - کہتی ہین -

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو موتی تھے اور سیپ اُن سے محروم کر دی گئی"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرے کان اور میرا دل تھے اور بے اُنکے میرا دل چاک چاک ہے"

"ارے کسی نے میرے بچون کو دیکھا ہے جو میرا دماغ تھے اور مین بغیر دماغ کی ہون"

ایک دن ان شعرون کو اہل یمن کے ایک مجمع کے سامنے یمن کے لہجے مین پڑھا تو سب بیتاب ہو گئے - مگر ایک شخص کے دل مین بغیر کسی قرابت یا تعلق کے انتقام کا ایسا جوش پیدا ہوا کہ جا کے بُسر سے ملا - دوست بنا - اور چند روز مین ایسا معتمد علیہ بن گیا کہ ایک روز بُسر کے دو لڑکون کو اُسی کے سامنے

سیر و شکار کے بہانے وادی اوطاس میں لے گیا - اور ام حکیم بنت قارظ کے دونوں بچوں کی طرح اُن کو قتل کر کے بھاگ کھڑا ہوا - پھر یہ چند شعر کہہ کے مشہور کر دیے جو گویا بُسر کے نام پیام تھے "بنی ہاشم سے بہتر روے زمین پر کوئی نہیں ہے - اُن دونوں بچوں کو مار کے تجھے کیا مل گیا جن کی ماں غم میں روتی پھرتی ہے ؟ انھیں کا انتقام میں نے تجھ سے لے لیا"

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب خبر پہونچی کہ بُسر نے اُن معصوم بچوں کو مار ڈالا - تو آپ کو بجید صدمہ ہوا - اور بددعا فرمائی کہ بارالہا بُسر سے فوراً ایمان کو چھین لے - اور وہ مجنون ہو کے مرے " یہ دعا پوری ہوئی - اور اُس کی عقل جاتی رہی - اور یہ حالت تھی کہ شمشیر زنی کے مالیخولیا میں مبتلا تھا - بار بار چلاتا کہ "میری تلوار لاؤ" لوگ ایک لکڑی کی نقلی تلوار اُسکے ہاتھ میں دیدیتے - اور ایک مشک پھونک کر اور اُس کا دہانہ باندھ کے سامنے ڈالدیتے - وہ اُس مشک پر چوبی تلوار سے برابر وار کرتا - یہان تک کہ مشک میں سے ہوا نکل جاتی -

کہتے ہیں کہ ایک بار عبید اللہ بن عباس معاویہ سے ملنے کو گئے - وہاں اتفاقاً بُسر بن ارطاۃ بھی موجود تھا - اُسکو دیکھ کر عبید اللہ نے کہا " او شخص ! میرے بچوں کا قاتل تو ہی ہے ؟ " بولا " ہاں میں نے اُن کو قتل کیا " عبید اللہ نے کہا " مجھے تمنا تھی کہ کسی جگہ میرا تیرا سامنا ہوتا " بُسر نے کہا " میں میں تمھارے سامنے موجود ہوں " عبید اللہ بولے " مگر اس وقت تو میری کمر میں تلوار بھی نہیں ہے " بُسر نے اپنی تلوار کو بڑھا کے کہا " لو یہ تلوار بھی لے لو " مگر جیسے ہی عبید اللہ نے تلوار لینے کو ہاتھ بڑھایا معاویہ نے بُسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لی اور بُسر سے کہا " خدا تمھیں غارت کرے - بڑھاپے میں تمھاری عقل بھی جاتی رہی ؟ دیکھتے نہیں کہ ہاشمی شخص ہیں جن کو تم نے نقصان پہونچایا ہے - اور اُنکے دو بچے بھی مار ڈالے ہیں - اور پھر انھیں کے ہاتھ میں اپنی تلوار دے رہے ہو ؟ تم کو بنی ہاشم کے دلوں کی حالت نہیں معلوم ہے - خدا کی قسم اگر ان کا زور چلا تو مجھ سے ابتدا کرینگے - پہلے مجھ کو ماریں گے اور پھر تم کو " عبید اللہ نے کہا " بخدا میرا یہی ارادہ تھا " غرض معاویہ نے ان باتوں میں بہلا کے بُسر کو اُنکی شمشیر انتقام سے بچا دیا -

پوپ جون

(۱)

تاریخ میں متعدد ایسی مثالیں موجود ہیں کہ عورتوں نے امور سلطنت یا علوم و فنون میں نمایاں حصے کر اور مردانے کپڑے پہن کے نام و نمود حاصل کیا ہے۔ عورتوں نے مردانے لباس میں اکثر وسیع سلطنتوں پر حکومت کی ہے اور بڑی فوجوں کو اپنی ماتحتی میں میدان جنگ میں لے گئی ہیں۔ لیکن اس عورت کے واقعات جس نے ساری مسیحی دنیا کی مقتدائی حاصل کر لی اور یورپ کا تہرا تاج اپنے سر پر رکھا سب سے زیادہ دلچسپ اور پر لطف ہیں۔

یہ واقعہ اس قدر عجیب و غریب ہے کہ بعض پراٹسٹنٹ مورخین نے بھی جو رومن کیتھولک عقائد سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے انکے پوپوں کے بھی عموماً دشمن ہوتے ہیں اسکی صداقت سے انکار کر دیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس قصے کو ایسے مستند مورخین نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ کسی طرح اُسے غلط اور بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا۔ گبن نے اپنی مشہور تاریخ "انحطاط و زوال روما" میں لکھا ہے کہ "پوپ جون کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ایسا واقعہ پیش ہی نہیں آ سکتا"۔ ایک اور مشہور مورخ نے جو ۱۴۲۳ء میں روما کے مشہور گرجے سینٹ جان کی زیارت کو گیا تھا اپنی تصنیف میں لکھ دیا ہے کہ "اُنکی مشہور اور قابل ترین مورخ لکھ رہے ہیں کہ ایک عورت سینٹ پیٹر کے تخت پاپائی پر بیٹھ چکی ہے"۔ اور چونکہ یہ سب لوگ رومن کیتھولک عقائد کے پابند ہیں۔ لہذا ان میں سے کسی کے بیان کو ہم غلط یا اس دینی معاملے میں فرضی نہیں ثابت کر سکتے۔

لیکن ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ رومن کیتھولک مصنفین اتنی تکلیف اُٹھا کے اس واقعے کو غلط ثابت کرنے کی کیوں کوشش کرتے ہیں جبکہ خود اُنھیں کے عقائد کا ایک دینی مقتدا کارڈنل بیرونیس کھلے لفظوں میں لکھ رہا ہے کہ "بہت سے ایسے لوگ تخت پاپائی پر بیٹھ چکے ہیں جنھیں ہم دیو یا شیطان کے لفظوں سے بھی نہیں یاد کر سکتے۔ اُن کی حرکتیں دیووں اور شیطانوں سے کئی درجے بڑھی ہوئی

تھین"۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ اسی صدی مین تھیوڈورا اور مروزیا کی ایسی زبردست
عورتین موجود تھین جو اپنی مرضی کے مطابق پوپون کا انتخاب کیا کرتی تھین اور جب
اُن کا جی چاہتا ایک پوپ کو اُس کی جگہ سے ہٹا کے کسی دوسرے شخص کو جس پر
انکی نظر عنایت ہو جاتی اس تخت پر بٹھا دیتین - اور اس طرح عورتون نے سیکڑون
برس در پردہ تخت پاپائی پر حکومت کی ہے - پھر کیا یہ غیر ممکن ہے کہ ایک اسی قسم
کی عالی حوصلہ عورت کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ در پردہ حکومت کرنے
سے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ خود مردانے کپڑے پہن کر اس تخت پر بیٹھے اور
کُل اقتدارات کو خاص اپنے ہاتھ مین لے لے؟

آج کل کے مسیحی مورخین اس امر کے ثابت کرنے مین اپنی ساری کوشش
صرف کر رہے ہین کہ پوپ جون کا واقعہ بالکل فرضی ہے - اور یہ قصہ افسانے
سے زیادہ وقعت نہین رکھتا - اسے پوپ کے دشمنون نے دُنیا مین مشہور کر دیا
تھا - بہت ممکن ہے کہ ایسا ہی ہو لیکن یہ بات بہت تعجب خیز ہے کہ وہ لوگ اپنی
ساری عقل اور پورا زور قلم اس ایک واقعے کی تردید مین صرف کر رہے ہین حالانکہ
اسی قسم کے سیکڑون واقعات ہین جن کی نسبت وہ ایک لفظ بھی نہین لکھتے -
جس شخص نے اُس زمانے کی تاریخ دیکھی ہے اور جانتا ہے کہ جس وقت مین پوپ
جون کا واقعہ پیش آیا وہ کس قسم کا زمانہ تھا اُسکی سمجھ مین آجائے گا کہ اُسوقت
اس قسم کا واقعہ پیش آجانا کوئی بہت بڑی بات نہین - وہ پوپ جو جون کے
پہلے اور اُسکے بعد ہوے اُنھون نے تخت پاپائی کو ذاتی قابلیت یا اپنی ہر دلعزیزی
کی بنیاد پر نہین حاصل کیا بلکہ مختلف سازشون اور جعل و فریب کے ذریعے سے اس
درجے تک پہونچے - کارڈنل بیرونیس لکھتا ہے کہ یہ سب پوپ جو خونی اور مجرم اور
نہایت ناپاک شیطان تھے - انھون نے دین مسیحی مین ایسی شرمناک خرابیان پیدا
کر دین کہ اُنکے خیال سے ہم کانپ جاتے اور شرم سے پسینے پسینے ہو جاتے ہین -
نوین صدی عیسوی کے پاپون کے ذریعے سے دین مسیحی کو جو نقصان پہونچا اور جیسی
ذلت اُسے نصیب ہوئی وہ اس دین کے سخت ترین دشمن بھی کبھی نہین پہونچا
سکے - اس زمانے کا یہ عام رواج تھا کہ عورتین مسیحی دُنیا پر حکومت کر رہی تھین

اور بہت سی عورتین ایسی تھین جنھون نے زنانے کپڑے اُتار کے پھینکدیے اور مردانے بھیس مین گرجے کی خدمت مین مصروف ہوگئین۔ بہت سی عورتین ایسی تھین جو مردانے لباس مین خانقاہون مین جاکے داخل ہوئین۔ حاکم اسکندریہ فلپ کی بیٹی یوجینیا مردانے لباس مین دین کی خدمت کے لیے گرجے مین داخل ہوئی۔ ذاتی قابلیت کی بدولت اُس نے بہت بڑا درجہ حاصل کر لیا۔ اور یہ امر کبھی کسی پر نہ ظاہر ہوا ہوتا اگر خود اُسی نے کسی ضرورت سے لوگون کو نہ بتادیا ہوتا۔ اسی طرح اسکندریہ کی ایک اور عورت تھیوڈورا تھی۔ مردانے لباس مین معمولی خدمتون سے ترقی کرتی ہوئی اسقف اعظم کے درجے تک پہونچ گئی۔ اور اسی مین اپنی ساری زندگی بسر کردی۔ مرنے کے بعد اصلیت معلوم ہوئی۔ جب یہ حالت ہے تو بہت ممکن ہے کہ اُس زمانے مین ایسی عورتین بھی گذری ہون جنھون نے اپنے عورت ہونے کا راز آخر وقت تک نہ ظاہر ہونے دیا ہو۔ اسی حالت مین اُنھون نے دنیا کو خیرباد کہی ہو اور اُن کا راز بھی اُنھین کے ساتھ دفن ہوگیا ہو۔

ناظرین کو اس قسم کے واقعات یاد دلا کے ہم پوپ جون کے اصلی یا فرضی ہونے کو صحیح یا غلط نہین بتانا چاہتے۔ ہم اس قصے کو اسی سلسلے سے بیان کیے دیتے ہین جس طرح متعدد مورخین لکھتے آئے ہین۔ ناظرین خود ہی فیصلہ کرلین کہ یہ فرضی افسانہ ہے یا تاریخی واقعہ۔

یہ واقعہ نوین صدی عیسوی کا ہے۔ شہنشاہ شارلیمین نے قوم سیکسن کو مطیع فرمان بنانے کے بعد اُنکو مجبور کیا کہ دین مسیحی اختیار کرین۔ اس قوم کا وطن جرمنی کے علاقۂ ہولسٹین مین تھا۔ فرانسیسی حکمران شارلیمین نے بہت سے قابل پادریون کو انگلستان سے بُلایا تاکہ اس نئی مفتوحہ قوم کو انجیل کی تعلیم دی جائے۔

اسی طرح نوین صدی عیسوی کے آغاز مین جبکہ سارے فرانسیسی علاقے مین دین مسیحی کی اشاعت کا جوش پھیلا ہوا تھا ایک بڑا قابل انگریز پادری مقام مینفس مین آیا۔ اسکے ساتھ ایک نہایت حسین عورت تھی جسے وہ پادری علاقۂ برطانی سے اپنے ساتھ لایا تھا۔ کہا جاتا تھا کہ وہ عورت دراصل جزیرۂ آئرلینڈ کی رہنے والی تھی۔ اور یہ عام طور پر مشہور تھا کہ بہت کم عمری مین وہ کسی پادری

کے ساتھ اپنے گھر سے نکل آئی تھی۔ یہان اس عورت کا نام ہلڈی گوانڈ مشہور تھا۔ یہ نہین معلوم کہ اُس کے والدین نے بھی یہی نام رکھا تھا یا کوئی اور۔ مگر ہر شخص جانتا تھا کہ وہ کسی شریف خاندان مین پیدا ہوئی تھی۔

مقام مےنیس مین پہونچ کے اس عورت کی ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام جوَن رکھا گیا۔ مورخین کو اس لڑکی کے نام مین اختلاف ہے۔ بعض لکھتے ہین کہ اس کا نام اگینس تھا۔ اور بعض کہتے ہین کہ اس کا نام گلبٹ رکھا گیا مگر زیادہ تر مورخین اس کا نام جوَن ہی بتاتے ہین۔ یہ لڑکی نہایت حسین تھی۔ اور کم عمری مین یہ ظاہر ہوتا کہ اس مین غیر معمولی حسن وجمال کے ساتھ ایسی عقل و دانش موجود ہے کہ بڑی ہوکے وہ بہت سے عقلمند مردون سے فوقیت لے جائے گی۔ اسکے باپ نے یہ دیکھ کے کہ اُس کی لڑکی کو قدرت نے اس قدر غیر معمولی عقل و دانش دی ہے۔ ارادہ کیا کہ اُسے زمانے کے مطابق علوم و فنون کی تعلیم دے۔ لڑکی نے بہت جلد تعلیم حاصل کر لی اور چند ہی روز مین اتنی ترقی کر گئی کہ بہت سے قابل ترین عالمون سے آگے نکل گئی۔ ابھی اسکی عمر پورے تیرہ برس کی بھی نہ تھی مگر وہ بڑے بڑے عالمون سے منتہی مسئلون پر نہایت قابلیت اور خوبی کے ساتھ بحث کرتی۔ وہ جرمنی۔ انگریزی۔ فرانسیسی اور اطالوی زبانون مین نہایت آزادی کے ساتھ گفتگو کر سکتی تھی۔ اسے لاطینی زبان کی بھی تعلیم دی گئی تھی اور وہ پادریون اور دینی مقتداؤن سے مذہبی اور تاریخی معاملات مین بحث کرتی۔ مختصر یہ کہ کم عمری مین ہی وہ بہت بڑی عالم و فاضل تسلیم کی جانے لگی۔

اس غیر معمولی دل و دماغ کے ساتھ اس مین ایسا عجیب و غریب حُسن موجود تھا کہ اسکی عقل و دانش کی باتون کو سننے ہی کے لیے نہین بلکہ اسکے متبرک اور نازک پاؤن کو بوسہ دینے کے بہانے سے اُسے ایک نظر دیکھ لینے کی ہوس مین بیشمار لوگ اُسکے دروازے پر کھڑے رہتے۔ جوَن ان سب باتون کو دیکھتی اور سمجھتی تھی۔

فولڈا کی خانقاہ مین ایک نوجوان پادری تھا۔ اُس سے اور جوَن سے اتفاقاً ملاقات ہوگئی۔ اس کی ظاہری شکل و شباہت اور علم و فضل کے ساتھ اُس کے وسیع معلومات نے جوَن کے دل کو اُس کی جانب مائل کر دیا۔ اور اس

پادری کا دل بھی جون کی جانب راغب ہوگیا۔ دونوں حسین۔ نوجوان اور تعلیم یافتہ تھے۔ لہذا دونوں میں جو دوستی ہوئی وہ ایسی گہری تھی کہ دونوں دل و جان سے ایک دوسرے پر عاشق ہوگئے۔ جون کی سی عالی ہمت لڑکی کے لیے دینی و دنیوی قیدیں کوئی وقعت نہیں رکھتی تھیں۔ جو چیز اُس کا راستہ روکنے والی ثابت ہوتی اُسکے لیے وہ ضرور کوئی ایسا طریقہ نکال لیتی جس سے ان مشکلات پر غالب آجاتی۔ پادریوں کو شادی کرنے کی اجازت نہ تھی اور وہ کسی عورت کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکتے تھے۔ اور جب یہ حالت تھی کہ دونوں عاشق و معشوق ایک دوسرے کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے تھے یا جون کو کسی طرح گوارا نہ تھا کہ فولڈا کا پادری اُس سے علٰحدہ ہو جائے۔ لہذا اُس نے یہ ارادہ کیا کہ مردانے کپڑے پہن کے فولڈا کی خانقاہ میں اپنے دوست اور عاشق پادری کے ساتھ آزادی سے رہا کرے۔ اس طرح جون نے اپنا نام جان رکھا۔ اور اپنا وطن سرزمین انگلستان کو بتایا۔ چند روز بعد یہ بنا ہوا انگریز جان فولڈا کی خانقاہ کا پادری مقرر ہوا۔ اور اسی کی قسمت میں یہ لکھا تھا کہ آخر میں سینٹ پٹر کے تخت پر جلوہ افروز ہوکر ساری مسیحی دنیا کی باگ اپنے ہاتھ میں لے۔

فولڈا کی خانقاہ میں یہ دونوں عاشق و معشوق اس طرح دو مہینے سے زیادہ نہیں رہنے پائے تھے کہ بعض لوگوں کو انکی نسبت کچھ شبہہ پیدا ہوا۔ اور اس خوف سے کہ کہیں یہ راز نہ کھل جائے دونوں ایک رات کی تاریکی میں اس خانقاہ سے نکل گئے۔ اور پاپیادہ مختلف ممالک یورپ کا سفر کرتے ہوئے یونان کے دارالسلطنت اثینیہ میں پہونچے۔ اس میں دونوں نے کئی سال بسر کیے اور اعلیٰ درجے کی مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اثینیہ اُس زمانے میں بھی علوم و فنون کا مرکز مانا جاتا تھا۔ لہذا اس قدیم تاریخی دارالسلطنت میں جون اپنے دلی دوست فولڈا کے پادری کے ساتھ نہایت عجیب و غریب معلومات سے اپنے علم کو وسعت دیتی رہی۔ اُس نے ادب۔ تاریخ۔ فلسفہ اور سب سے زیادہ دینی تعلیم حاصل کی۔ اس کے معلم اور دیگر علما سب اُس کی خداداد قابلیت کی ہمیشہ تعریف کرتے رہے۔ ان دونوں کا نام بہت مشہور ہوا اور دور دور دراز ممالک تک

نہایت ادب و تعظیم کے ساتھ لیا جانے لگا۔

ایک روز دفعتہً خدا معلوم کیا خیال پیدا ہوا کہ دونوں نے علیحدہ علیحدہ سفر کرنے کی خواہش اور آمادگی ایک دوسرے پر ظاہر کی اور اٹھنیہ چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے۔ فولڈا کا پادری مشرق کی جانب چلا اور جون مغرب کی طرف۔

فولڈا کا پادری مصر مین پہونچا اور وہان کے علمی مرکز اسکندریہ اور دیگر مقامات کا دورہ کرنے لگا۔ اسکے بعد وہ قسطنطنیہ مین آیا۔ وہان سے ارض مقدس مین گیا۔ اور اسکے بعد دریاے فرات کے کنارے کنارے چلا۔ حصول علم کا شوق اُسے بغداد مین کھینچ لے گیا جو اُس زمانے مین عربی تمدن و معاشرت کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور جس کی اُس وقت ساری دنیا مین شہرت تھی۔ اب بغداد نے علوم و فنون مین وہ درجہ حاصل کر لیا تھا جو کسی قدیم زمانے مین یونان کے دار السلطنت اٹھنیہ کو حاصل تھا۔ غرض فولڈا کا پادری اس اسلامی شہر مین پہونچا جس کی ہر گلی سے علم و فضل کا نعرہ بلند تھا۔ اور ہر گھر علوم و فنون کا مرکز بنا ہوا تھا۔ یہان پہونچ کے فولڈا کے پادری نے علم و فضل کا چرچا اس حد تک دیکھا تو ایسا محو حیرت ہوا اور مشرقی علوم کے حاصل کرنے مین ایسا مستغرق ہو گیا کہ چند روز کے لیے وہ اپنی معشوقہ کو بھی بھول گیا۔

جس زمانے مین وہ پادری مشرقی علوم حاصل کر رہا تھا اور ارض مشرق کے عالی دماغ عالمون سے مل کے اپنے علم کو وسعت دے رہا تھا جون جو اب گرز جان کے نام سے مشہور تھی مختلف شہرون مین ہوتی ہوئی خاص دار السلطنت روما مین پہونچی۔ یہ قدیم اور تاریخی شہر پوپ کا مسکن تھا۔ ساری مسیحی دنیا اس پر فخر و ناز کر رہی تھی۔ اور سارے یورپ کی توجہ فقط اسی ایک شہر کی جانب مبذول تھی۔ یہان جون نے دیکھا کہ ہر شخص کو اپنی قابلیت ظاہر کرنے کا بہت اچھا موقع حاصل ہے۔ لہذا اُس نے اپنے دل مین کہا کہ یہین مین بھی انتہائی عروج حاصل کر سکتی ہون۔ وہ یہان مردانے لباس مین آئی تھی اور اسی حالت مین زندگی بسر کرنے لگی۔ اور اس شہر مین کوئی متنفس ایسا نہ تھا جو اس راز سے واقف ہو۔ اٹلی مین اُن دنون ڈاڑھی اور مونچھین منڈانے کا عام رواج ہو گیا تھا لہذا

کسی شخص کو اس پر شبہ بھی نہ ہوا۔ جب جون رومہ میں پہونچی ہے اُس وقت پوپ سرجیس ثانی سینٹ پٹر کے تخت پر رونق افروز تھا۔

جس وقت جون رومہ کے ہیاکل میں داخل ہوئی ہے تو کیا اُسکے دل میں یہ خیال آیا ہوگا کہ اسی شہر میں بیٹھ کے دریاے طیبر کے کنارے سے ایک دن میں ساری مسیحی دنیا پر حکومت کرونگی؟ یہ مقدس شہر اس وقت مختلف جماعتوں پر منقسم تھا۔ ہر جماعت کے طرفدار ایکدوسرے کے خلاف روزانہ لڑا کرتے اور ہنگامے پیدا کرتے رہتے تھے۔ رومہ میں اگرچہ قیصروں کے زمانے کی سی قدیم شان و شوکت نہیں باقی رہی تھی مگر اب بھی وہ آدھی دنیا کا مرکز تھا۔ جون کی قابلیت۔ خوبصورتی۔ اور اُسکے اخلاق نے سارے شہر میں ایک شہرہ پیدا کردیا۔ اوران باتوں کو دیکھکر اب اُسکے دل میں بھی ایک نئی امید پیدا ہوئی۔ یہاں پہونچ کے انگریز جان یعنی جون سے ایسا غیر معمولی علم و فضل اور قابلیت ظاہر ہوئی کہ لوگ اُسے اُس زمانے کا بڑا قابل اور عالم شخص ماننے لگے۔ سلطنت کے معززین بڑے بڑے پادری اور علما و فضلا سب اُس کے سامنے آکے سجدہ کرتے۔ اُسکے پاؤں کو بوسہ دیتے اور اُس کی شاگردی کو فخر کی نگاہ سے دیکھتے۔

اس نوعمر عالم کی اعتدال پسندی۔ سادی زندگی۔ اور بےلوث ہمدردی خلائق کی ہر گھر میں تعریف ہونے لگی۔ رومۃ الکبرےٰ میں پہونچنے کے بعد جون نے اپنی زندگی کا طرز بالکل بدل دیا۔ اب وہ زیادہ تر تنہائی میں خاموش بیٹھی رہتی۔ اور اسی چیز نے ساری مسیحی دنیا کو اُس کے فریب میں مبتلا کردیا۔ اصل یہ ہے کہ جون ایک عجیب و غریب دماغ کی عورت تھی۔ چند روز میں اُسے شہر کے عام لوگوں۔ پادریوں اور معززین و امرا میں ایسی ہردلعزیزی حاصل ہوگئی کہ وہ خود بھی سینٹ پٹر کا مقدس تاج اپنے سر پر رکھنے کی آرزومند ہوگئی۔

دریاے طیبر کے کنارے کے اسی عظیم الشان شہر کی آب وہوا تھی جس نے آگسٹس اور نیرو کے ایسے عالی دماغ اور بلند مرتبہ قیصر پیدا کیے تھے۔ اب اُسی آب و ہوا نے جون کے دل میں بھی بلند حوصلگی کا ولولہ پیدا کیا۔ اس زمانہ میں جب کہ تعلیم

اس قدر عام نہیں ہوئی تھی جو شخص ذرا سا بھی پڑھا لکھا ہوتا بڑی وقعت کی نظروں سے دیکھا جاتا۔ پھر جون جو اتنا علم و فضل حاصل کر چکی تھی اور جس کا دماغ قدرتی طور پر اُس کے لیے موزون واقع ہوا تھا کب خاموش بیٹھ سکتی تھی؟ وہ جو ارادہ کرتی اُسے ضرور پورا کر لیتی۔ اور کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ اس کی کامیابی یقینی ہو گئی۔ اب یہ حالت دیکھ کے جون نے بھی اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اپنے علم و فضل سے کام لے کے اعلیٰ ترین درجہ حاصل کر لون۔ جون کی طبیعت منچلی واقع ہوئی تھی۔ اور اسی شوق نے اس کو عالم و فاضل بنا دیا تھا۔ مگر اب علم و فضل حاصل کر لینے کے بعد اُسی کو اُس نے اپنی ترقی کا ذریعہ بنایا۔ اور رفتہ رفتہ اعزاز حاصل کرنے لگی۔ زمانے کی رفتار سے اُسے نظر آ گیا کہ مذہبی دنیا مین اپنا مقصد زیادہ آسانی اور انتہائی عروج تک حاصل کر سکتی ہون۔ اور ساتھ ہی اُس نے فیصلہ کر لیا کہ زنانے کپڑے چھوڑ کے بقیۃ العمر کے لیے مردانہ لباس اختیار کر لون گی۔ اس کے بعد وہ اُن مقتدایان دین مسیحی کی جماعت مین شریک ہو گئی جو اس وقت سارے یورپ پر حکومت کر رہے تھے۔

قدیم شہر رومہ کے قریب ہی اُس زمانے مین ایک خانقاہ تھی جو سینٹ مارٹن کے نام سے مشہور تھی۔ اس کے متعلق ایک مدرسہ بھی تھا جہان یونانی اور لاطینی زبانون مین مذہبی تعلیم دی جاتی۔ مشہور تھا کہ مقدس پادری سینٹ آگسٹن نے بھی اس ممتاز درس گاہ مین تعلیم دی تھی۔ یہ خانقاہ شہر کے باہر اور تنہائی کے مقام پر واقع ہوئی تھی لہذا جون کو بہت پسند آئی۔ وہ اس خانقاہ مین داخل ہو گئی اور اُسے ایک بڑے پادری کا درجہ دیا گیا۔ چند روز بعد وہ مدرسے کی اعلیٰ پروفیسر مقرر ہوئی جہان وہ اپنے وسیع علم کے بے بہا جوہر ظاہر کرنے لگی۔ اُس کی فصاحت کی اس قدر شہرت ہوئی کہ بڑے بڑے نامی گرامی مقتدا اُس کے لکچر سُننے کے متمنی ہو گئے۔ اب اس کی شہرت رومہ سے گذر کے دور دراز ملکون مین پہونچ گئی۔ اُس خانقاہ کے راہب اور پادری کوئی اس راز سے واقف نہ تھے کہ وہ عورت ہے۔ سب اُسے جان انگریز کے لقب سے یاد کرتے اور اُسے "حامیِ دینِ مسیح" کا خطاب دیا گیا۔ اسی زمانے مین جون نے بدعقیدہ مسیحیون کے خلاف

ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا۔ جس کے زورِ قلم اور دیگر خوبیوں نے ساری مسیحی دُنیا میں ایک ہلچل پیدا کر دی۔

جون کو اس خانقاہ میں داخل ہوئے زیادہ زمانہ نہیں گذرا تھا کہ پوپ سرجیس نے انتقال کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ مسیحی کلیسیا میں سخت ترین پیچیدگیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ اندرونی جھگڑے اور بد عقیدگیاں روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ساتھ ہی عربوں نے خاص اٹلی پر چڑھائی کر کے بعض مقامات پر قبضہ کر لیا تھا۔ ایک عقلمند پادری لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا۔ یہ نیا اسقف اعظم جون کو سینٹ مارٹن کی خانقاہ میں دیکھ چکا تھا۔ کیونکہ وہ خود بھی اس خانقاہ میں رہتا تھا۔ اور اس کی قابلیت اور دیگر صفات سے بخوبی آگاہ تھا لہٰذا اس نے جون کو مزید مرتبے عطا کیے اور نہایت اہم معاملات میں اس سے مشورہ لینے لگا۔

اس پوپ نے کئی بار ایسے اہم معاملات جون کے سپرد کیے جن کا فیصلہ نہایت مشکل نظر آتا تھا۔ مگر وہ سب اس خوبی کے ساتھ طے ہو گئے کہ پوپ کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ بے اختیار جون کی تعریف کرنے لگا۔ چند روز میں نظر آنے لگا کہ رومۃ الکبریٰ کے انتظامات۔ پوپ کے دربار کے معاملات اور مسیحی دنیا کے کل امور جون کی مدد کے بغیر کسی طرح انجام ہی نہیں پا سکتے۔ کئی مرتبہ یہ بھی ہوا کہ جون رومی سپاہیوں کی فوجیں اپنی ماتحتی میں لے گئی اور عربوں کو شکست دے کے اٹلی کی سرزمین سے باہر کر دیا۔

جون جانتی تھی کہ پوپ کے مصاحب اور وزرا یعنی کارڈنلوں کو اپنا طرفدار بنائے بغیر کام کسی طرح نہیں چلے گا۔ اُسے فکر تھی کہ ان کا دل کسی طرح اپنے ہاتھ میں لے۔ عورتوں کو عموماً اس کام میں خاص ملکہ ہوا کرتا ہے۔ پھر جون کی سی تعلیم یافتہ اور عقلمند عورت کب اس مقصد میں ناکام رہ سکتی تھی؟ یکے بعد دیگرے اس نے سب کارڈنلوں کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ اور سب اسی کا دم بھرنے لگے۔ پوپ سرجیس کے آخر زمانے میں کارڈنل لیو وزیر اعظم کی حیثیت رکھتا تھا۔ مگر اس کی یہ حالت تھی کہ کل انتظامات جون کے سپرد کر دیے تھے اور وہ سارا کام نہایت خوبی کے ساتھ انجام دیتی۔

سرجیس کے انتقال کے بعد جب وہی کارڈنل لیو رابع کے نام سے پوپ منتخب ہوا تو اُس نے سب سے پہلا یہ کام کیا کہ جون کو سکرٹری آف اسٹیٹ کا اعلیٰ ترین مرتبہ دیدیا۔ اور اسکے چند روز بعد جون کارڈنل منتخب ہوئی۔ جس کا واقعہ حسب ذیل ہے:-

لیو کے پوپ منتخب ہونے کے بعد ہی سیحی کلیسا مین ایک سخت ترین جھگڑا پیدا ہوا۔ اناسطیوس جو پوپ سرجیس کے زمانے مین کارڈنل کا درجہ حاصل کرچکا تھا لیو کا سخت ترین دشمن تھا۔ اور نہین چاہتا تھا کہ لیو پوپ منتخب ہو۔ مگر کثرت رائے سے جب لیو کا انتخاب ہوگیا تو ہر طرح سے اُسے تکلیف پہونچانا اور پریشان کرنا شروع کردیا۔ لیو نے باغی کارڈنل کو اُس کے عہدے سے معزول کرکے سیمنٹ سے خارج کردیا۔ اناسطیوس رومہ سے چلا گیا اور مقام اکلیہ مین جاکے بیٹھ رہا۔ وہان کچھ ایسی حرکتین کرنے لگا جس سے پوپ کو اُس کی جانب سے خوف پیدا ہوا اور اُسے حکم دیا گیا کہ خاص رومۃ الکبریٰ مین آکے رہے۔ اناسطیوس نے اس سے انکار کیا اور پوپ کے خط کے جواب مین باغیانہ اور حقارت آمیز کلمات لکھ بھیجے۔ یہ دیکھ کے پوپ لیو کے غصے کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اُس نے حکم دیا کہ پینتالیس کارڈنل۔ ایک سو تینتالیس پادری۔ اور پانچ سو اٹھاون راہب جمع ہون۔ اور اناسطیوس پر جو الزام لگائے گئے ہین اُنکی تحقیقات کرین۔ بحیثیت سکرٹری آف اسٹیٹ کے جون کا یہ کام تھا کہ پوپ کی جانب سے جو الزام لگائے گئے تھے اُنکو اس مجلس کے سامنے بیان کرے۔ اس کام کو جون نے ایسی فصاحت اور خوبی کے ساتھ انجام دیا کہ ساری مجلس حیرت کرنے لگی۔ بلا اختلاف رائے مجلس نے یہ فیصلہ کیا کہ اناسطیوس اپنے عہدے سے معزول کردیا جائے۔ اسی مجلس مین پوپ لیو کی سفارش پر اناسطیوس کی جگہ پر جون کارڈنل منتخب ہوئی اور کسی قدر پس و پیش کے بعد عقلمند عورت نے اس معزز عہدے کو قبول کرلیا۔

(۴)

یہ پوپ لیو رابع زیادہ دنوں تخت پاپائی پر نہین قائم رہ سکا۔ اُس کی صحت

پہلے ہی خراب تھی اب ساری مسیحی دنیا کی فکروں نے اُسے بہت جلد قبر کے اندر پہونچا دیا۔ لیو رابع کا انتقال ہو گیا۔ اور مقتدایان دین مسیحی دوسرے پوپ کے انتخاب کے لیے جمع ہوے۔ رومتہ الکبرے میں اسوقت بہت سی پارٹیاں تھیں اور بہت سے لوگ جو روپیے کے اثر سے یا خون بہا کے زبردستی سینٹ پٹر کے گرجے کی کنجیاں اپنے قبضے میں رکھنے کے آرزومند تھے۔ آپس میں سازشیں ہونے لگیں۔ پارٹیوں نے اپنے اپنے طرفداروں کو اکٹھا کر لیا اور ہر شخص یہی چاہتا تھا کہ جس طرح ممکن ہو دوسرے امیدوار کو زک دیکے سینٹ پٹر کا تاج و تخت حاصل کر لوں۔ مقتدایان مسیحیت نے یہ حالت دیکھی تو انھیں خوف پیدا ہوا کہ اگر ان امیدواروں میں سے کوئی شخص منتخب کیا گیا تو ضرور خونریزی ہو گی۔ کیونکہ اُس کے مخالفین فتنہ و فساد برپا کر دین گے اور اُسے بھی اپنی جگہ پر قائم رہنے کے لیے اسی قسم کی زیادتیوں سے کام لینا پڑے گا۔ لہذا ان سب خرابیوں کو رفع کرنے کے لیے یہ قرار پایا کہ ایک ایسا شخص پوپ منتخب کیا جائے جو کسی جماعت مین نہ ہو اور کسی سے کوئی واسطہ نہ رکھتا ہو۔ صرف یہ دیکھ لیا جائے کہ علم و فضل اور زہد و اتقا مین اس اعلیٰ رتبے کا مستحق ہے۔ ایسے انتخاب پر یقین تھا کہ رومتہ الکبریٰ کے سب لوگ متفق ہو جائین گے۔ اب غور کیا جانے لگا کہ ایسا شخص کون ہو سکتا ہے؟ زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہ تھی کیونکہ ان صفتوں کا ایک شخص اُنکے پاس موجود تھا۔ غرض اس مذہبی جماعت کے انتخاب کنندگان نے انگریز جان یعنی جون کو تخت پاپائی پر بٹھا کے اُسکے سر پر تہرا تاج رکھ دیا۔ اس طرح جون پوپ منتخب ہوئی اور اُسکا نام پوپ جان ہشتم رکھا گیا۔

جون کے انتخاب مین کارڈنلون نے ایک اور بات دیکھ لی تھی۔ چند روز سے شہر رومتہ الکبرے کے عام باشندے اُس کی بڑی قدر و منزلت کرنے لگے تھے۔ لہذا اگر انتخاب کے بعد کوئی شخص یا کوئی جماعت سرتابی پر آمادہ ہو گی تو عام لوگ خود ہی اُسے اطاعت گزاری پر مجبور کر دین گے۔ اسکے علاوہ چند واقعات بھی ایسے پیش آئے تھے جن سے نظر آتا تھا کہ اگر جون نہ منتخب ہوئی تو ہمارے ملک مین بدامنی پیدا ہو جائے گی۔ جیسے ہی لیو کی موت کی خبر شہر مین مشہور ہوئی

لوگ خود بخود یہ نعرے بلند کرنے لگے کہ "لیو کی جگہ سکریٹری آف اسٹیٹ کو پوپ منتخب کرو"۔ یہ نعرے بلند کرتے ہوے وہ پوپ کے محل کے سامنے جمع ہونے لگے۔ اور اُن کی تعداد لاکھوں سے زیادہ ہوگئی۔ اب سب یہی غل مچا رہے تھے کہ "پوپ جان ہشتم کی عمر دراز ہو"۔ لیو کے ماتمی جلوس میں جب جون بھی چلی تو شہر والے اُس پہ پھول برسانے لگے۔ اور سڑک پر اُسکے آگے مخمل اور کارچوب کا فرش بچھاتے جاتے تھے۔ پھر پُرجوش نوجوانوں نے اُسے اپنے کندھوں پر اُٹھا لیا۔ اور اس عظیم الشان شہر کی سڑکوں پر پھرایا۔ ان باتوں کو دیکھ کے انتخاب کرنے والے خوفزدہ ہوگئے کہ اگر کسی اور کا انتخاب کیا گیا تو ایسا نہ ہو کہ شہر میں بلوہ ہو جائے۔ چند لوگ دل میں اب بھی اُس کے انتخاب کے خلاف تھے مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکے۔ اور اُنھیں بھی مصلحت اسی میں نظر آئی کہ عام لوگوں کے نعروں کے مطابق رائے دیں۔ نویں صدی عیسوی میں جب عام لوگ کسی مطالبے کے لیے نعرے بلند کرنے لگتے تو پھر ممکن نہ تھا کہ کوئی انکی رائے کے خلاف عمل کرے۔ لازمی طور پر اُنکی خواہشیں پوری کر دی جاتیں ورنہ وہ لوگ جو کارکن ہوتے اُن کی خیریت نہ ہوتی۔ یہی حال اُسوقت ہوا۔ جو کارڈنل مخالف تھے اُنھیں بھی مجبوراً اپنی رائے کے خلاف جون کی موافقت میں رائے دینی پڑی۔ اور کوئی اس کی جرأت نہ کر سکا کہ عام لوگوں کی رائے کے خلاف ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نکالے۔

عورتوں نے جون سے پہلے اور اسکے بعد بھی وسیع سلطنتوں اور بڑی بڑی قوموں کی قسمت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے۔ سمیرامیس۔ نورجہاں۔ کیتھرائن اور انکے علاوہ بہت سی عورتوں نے تاج اپنے سر پر رکھا ہے اور عصائے سلطنت اپنے ہاتھ میں لیا ہے۔ مگر جون اس عظیم الشان حکومت کی مالک ہوئی جسے دین مسیحی کہتے ہیں۔ اور اُن لوگوں کے عقائد کے مطابق دوسری دنیا کی محافظ اور جنت و دوزخ کی بھی حاکم ہوتی

روضۃ الکبریٰ کے باشندوں نے اس انتخاب پر بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ سارے شہر میں روشنی کی گئی۔ ہر جگہ باجا بج رہا تھا۔ اور سب ایک دوسرے کو مبارکباد

دے رہے تھے کہ دراصل یہ ایک ایسا شخص منتخب ہوا ہے جو واقعی اس کا مستحق تھا۔ اور اس زمانے میں اور کوئی اس سے زیادہ مستحق نہ تھا۔ جون نے نہایت ہی متانت۔ عقلمندی۔ اور ہوشیاری کے ساتھ حکومت شروع کی اور سچی دُنیا نے اس کی دانائی کی بدولت بہت سے فائدے حاصل کیے۔ بیشمار خرابیوں کی اصلاح کی گئی۔ پوپ کے خزانے میں روپے کی آمدنی اور مصارف کا کوئی حساب نہ تھا۔ اسی کے زمانے سے ایک دفتر قائم ہوا اور آمد و خرچ کا حساب مرتب ہونے لگا۔ اس سے پہلے پوپوں کی فضول خرچیوں سے خزانہ ایک مدت سے خالی رہا کرتا تھا۔ اب اُس میں کثرت کے ساتھ روپیہ جمع ہونے اور باقی رہنے لگا۔

اس زمانے میں بہت سے لوگ ایسے پیدا ہو گئے تھے۔ جو مسیحیت میں بدعتیں اور گمراہیاں پیدا کر کے اُس میں خرابیاں ڈال رہے تھے۔ جون کے حکم سے وہ سب جلاوطن کر دیے گئے۔ اور اُن لوگوں کے ساتھ اُس نے ایسی سختی کا برتاؤ کیا کہ پھر کسی کو سرتابی کی جرأت نہ ہوئی۔ دور دراز ممالک کے بہت سے ذی اقتدار فرمانروا روتہ الکبریٰ میں حاضر ہوتے اور مہینوں کے انتظار اور اُمیدواری کے بعد اُنھیں اس کی اجازت دی جاتی کہ پوپ کے قدموں پر سر رکھیں اور اُسکے جوتوں کو بوسہ دے کے برکت حاصل کریں۔ کہا جاتا ہے کہ انگلستان کا بادشاہ بھی پوپ کی خدمت میں باریاب ہونے کے لیے روتہ الکبریٰ میں آیا تھا اور اُس کا بیٹا بھی اُسکے ساتھ تھا۔ جو بعد میں الفرڈ اعظم کے نام سے انگلستان کا فرمانروا ہوا۔ روزانہ ہزارہا عقیدتمند لوگ پوپ کی زیارت کرنے کے لیے آتے تھے۔ کیا ان عظیم الشان بادشاہوں۔ عالی مرتبہ سرداروں۔ ذی فہم لوگوں۔ اور سب سے زیادہ اُس مقدس محل کے کارکنوں نے بھی جو روزانہ جون کو دیکھا کرتے تھے یہ نہ پہچانا ہوگا کہ یہ مرد ہے یا عورت؟ کیا کسی کو اُسکے عورت ہونے کا گمان نہیں ہوا؟ ممکن ہے کہ کسی کے دل میں کچھ خیال پیدا ہوا ہو مگر زبان سے کسی نے نہیں نکالا۔

اب جون دینی و دنیوی قوت و اقتدار کے اعلیٰ ترین مرتبے پر پہونچ گئی

تھی - اور اُسے اپنی اُمید سے زیادہ کامیابی حاصل ہو گئی - وہی باتین جنکا کبھی خواب دیکھا کرتی تھی حقیقی ثابت ہو گئین - مگر یہ حالت بہت دنون تک نہین رہ سکی - جوآن کو پوپ منتخب ہوے دو تین سال سے زیادہ نہین گذرے تھے کہ دفعۃً اُس کی طبیعت مین ایک قسم کا انقلاب پیدا ہوا - اب یہ بات اُس کے دل مین جم گئی کہ یہ سب شان و شوکت محض نمایشی اور بیکار ہے - اس سے حقیقی مسرت نہین حاصل ہو سکتی - لہذا حوصلگی کے جذبات عورت کے دل مین مرد سے زیادہ جوش و خروش کے ساتھ پیدا ہوتے ہین - مگر مرد کے دل مین قائم رہ سکتے ہین - اور عورت کے دل مین زیادہ دیر تک نہین ٹھہر سکتے - ایک اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کر لینے کے بعد اور بادشاہون - شہزادون - امیرون - اور معزز سردارون کو اپنے قدمون پر گرتے دیکھ کر مرد کے دل مین پہلے سے زیادہ حوصلہ پیدا ہوتا ہے - مگر ساتھ ہی اُس مین کسی کی محبت نہین باقی رہتی - مگر عورتون کی حالت اس سے بالکل جداگانہ واقع ہوئی ہے - اور اگر بعض عورتین اس کے خلاف ہوئی ہین تو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ عورتین نہین بلکہ قدرت نے اُن کے دلون کو خلافِ فطرت مردون کا سا بنا دیا تھا -

ہم اوپر بیان کر چکے ہین کہ اب جوآن کی طبیعت مین دفعۃً ایک انقلاب پیدا ہوا - اور اس دینی و دنیوی حکومت کی طرف سے اسکی طبیعت ہٹ گئی - اب اس کی طبیعت مین نسوانی جذبات نے زور کیا - سب لوگ اُسکے تابع فرمان تھے - اُسکے ادنیٰ اشارے پر دوڑ رہے تھے - اور جس کام کو وہ کہتی فوراً سر آنکھون سے انجام دیتے - اب اُس کے دل میں یہ ہوس پیدا ہوئی کہ کوئی سچے دل سے چاہتا مجھ پر حکومت کرتا - اور مین اُس کی خدمت کرتی - اُسے اپنی نوجوانی کے وہ دن یاد آئے جب غربت اور کس مپرسی کی حالت مین اپنے دوست فولڈا کے یاری کے ساتھ پا پیادہ مختلف ممالک مین آزادی اور خوشی کے ساتھ عشق کے مزے لوٹتی ہوئی ایک سرزمین سے دوسری سرزمین مین پھرا کرتی تھی - آہ وہ زمانہ کیا پُر لطف تھا ! اُس وقت یہ بات وہم و گمان مین بھی نہ آتی تھی کہ ایک دن مین اس درجے تک پہونچ جاؤن گی ! اور اب جو یہ مرتبہ حاصل کر لیا اور مال و دولت

یا شان و شوکت مین کسی چیز کی کمی نہین تو اکیلی اور پریشان ہے - کوئی اتنا بھی نہین کہ دو گھڑی اُس کے پاس بیٹھ کے دلچسپی کی باتین کرے - نہ وہ کسی سے اپنے دل کا حال کہہ سکتی ہے اور نہ کوئی اُس کی دلدہی کرنے والا ہے - یہ خیالی تکلیف اُسکے دل میں روزبروز بڑھتی گئی اور اب اس کی بیچینی کی یہ حالت تھی کہ کسی دَم قرار نہ ملتا -

جب وہ رومتہ الکبرےٰ مین پہونچی ہے اور غربت کی حالت مین بسر کر رہی تھی تو اُس نے نہایت پاک وصاف اور قابل تعریف زندگی بسر کی - رات دن لیے تحصیل علم کے سوا اور کسی چیز کا شوق نہ تھا - ہر وقت وہ اسی فکر مین مشغول رہتی کہ کس طرح اپنے معلومات کو وسیع کرون - پوپ منتخب ہونے کے بعد بھی چند روز وہ بہترین پوپون کے نقش قدم پر چلتی رہی - اُسکے دل مین یہ بات جم گئی تھی کہ مین بہت بڑا گناہ کر رہی ہون کہ اپنے عورت ہونے کو چھپا کے اور لوگون کو دھوکا دے کے اس تخت پاپائی پر بیٹھ گئی ہون - مسیحیت مین عورت کی اتنی وقعت نہین کہ اُسے تخت پاپائی پر بیٹھنے کی اجازت دی جاتی - اُس نے تمام اختیارات سے جو اُسے بحیثیت پوپ ہونے کے حاصل تھے پورا کام لیا - اور اس گناہ کا یہی کفارہ سمجھ رہی تھی کہ اس دینی حکومت کو خوش انتظامی کے ساتھ چلاتی رہے - اُس نے مجرمون کو سزا دی - ساری مسیحی دنیا کے مقتداؤن اور پادریون کو سزا دی کیا اور جو لوگ اپنے عہدون کے اہل نہین ثابت ہوے اُنھین معزول کر دیا - جب کوئی جگہ خالی ہوتی تو وہ ہمیشہ ایسے شخص کو مقرر کرتی جو اُس کا سب سے زیادہ مستحق ہوتا - غرض وہ نہایت قابلیت کے ساتھ دین مسیحی پر حکومت کر رہی تھی - گرجون مین نمازین پڑھاتی - قربان گاہون پر نذرین چڑھاتی اور اپنے متبرک پاؤن کو پھیلا دیتی تاکہ خوش عقیدہ لوگ اُنھیں بوسہ دے کے برکت حاصل کرین - پھر ان سب باتون کے ساتھ وہ تحصیل علم کی طرف سے بھی غافل نہ تھی - اُس نے کچھ ایسا بھی وقت نکال لیا تھا کہ وہ خاموشی کے ساتھ بیٹھ کے مختلف علوم کی طرف توجہ کرتی اور نہایت پیچیدہ مسائل کو حل کیا کرتی -

مگر یہ حالت زیادہ دنون نہین قائم رہ سکی - دفعۃً اسکے دل پر نفسانی

خواہشات کا غلبہ ہوا۔ اور ایسے جوش و خروش کے ساتھ کہ وہ انھین دبا نہ سکی۔ اُسکے گرد و پیش ایسے بہت سے لوگ موجود تھے جن مین سے وہ اپنا ایک دلی دوست منتخب کر سکتی تھی۔ مگر ہمیرا ہین یا دیگر بلند مرتبہ شہزادیون کی طرح وہ یہ نہین کر سکتی تھی کہ آزادی کے ساتھ عشق و محبت مین مبتلا ہونے کے بعد بھی اپنے کو سنبھالے رہتی۔ اس کی حالت بہت نازک تھی۔ اسے ایک ایسے شخص کی تلاش تھی جس پر کامل طور پر بھروسہ کیا جا سکتا۔ اگر ذرا بھی راز افشا ہوا تو پھر اس شان و شوکت سے محروم ہو جانے کے ساتھ ہی جان بچنے کی کوئی اُمید نہ تھی۔

کئی بار اُسے اپنا پُرانا دوست فولڈا کا خوب صورت پادری یاد آیا۔ وہ زمانہ اُس کی آنکھون مین پھرنے لگا جب ایتھنیہ مین دونون ایک دوسرے کی صحبت سے ہر قسم کی مسرتون کا لطف اُٹھایا کرتے تھے۔ آہ! وہ کیسے امن اور چین کے دن تھے! اُس وقت وہ ہر طرح خوش اور آزاد تھی۔ مگر اب باوجود اس ساری شان و شوکت کے ایک سخت ترین قید مین پھنسی ہوئی ہے۔ اور ایسی سخت پابندیان اور ذمہ داریان عائد ہو گئی ہین جو اس کی پُرجوش اور چلبلی طبیعت کے بالکل مخالف ہین۔ وہ چاہتی تھی کہ آزادی کے ساتھ اُٹھے بیٹھے اور ہنسے بولے۔ مگر اس تخت پر بیٹھنے کے بعد اُس پر واجب تھا کہ عزو وقار قائم رکھنے کے لیے خاموش اور متین بنی رہے۔ لہذا اس طرز زندگی کو وہ زیادہ دنون نہ نباہ سکی۔ وہ بہت جلد اس سے تنگ آگئی۔ ممکن ہے کہ وہ اپنے دل مین پچھتا رہی ہو۔ بہرحال وہ عورت تھی۔ اسکو وہ بخوبی سمجھ رہی تھی کہ میرے لیے مناسب نہ تھا کہ لوگون کو دھوکا دے کے اور اپنے عورت ہونے کو چھپا کے پوپ کے تاج و تخت کو حاصل کرتی۔ مگر اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ اور نہایت سخت خطرے مین پھنس گئی ہون۔ کوئی علاج بھی سمجھ مین نہین آتا۔ ہر وقت جان جانے کا خوف ہے۔ لہذا ضرورت اسکی ہے کہ کوئی رازدار شخص تلاش کر لیا جائے جو وقت پڑے پر کام آسکے۔ اور اگر ایسی ضرورت نہ پیش آئے تو بھی وہ دلدہی کر کے فکرون کو کم کرتا رہے گا۔ ان لوگون مین جو ہر وقت اُسے گھیرے رہتے بہت سے نوجوان پادری تھے۔ کیا یہ ممکن نہین کہ انھین مین سے کسی کو منتخب کر کے

اپنا راز دار بنالیا جائے۔ یہ خیالات تھے جو اس وقت جون کے دل میں پیدا ہوے۔

پوپ کی ذاتی خدمتیں انجام دینے کے لیے جو لوگ محل میں رہا کرتے تھے اُن میں ایک نہایت حسین نوجوان تھا جس کا نام بال ڈیلو تھا۔ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ جون کی نظر انتخاب اُسی پر پڑی۔ اور اسکی وجہ یہ تھی کہ یہ شخص اتفاق سے فولڈا کے پادری سے بہت مشابہ واقع ہوا تھا۔ بال ڈیلو شہر فلارنس کا رہنے والا تھا۔ جون اُس پر فریفتہ ہوگئی۔ اور اُس کے ساتھ خاص عنایت اور مہربانی سے پیش آنے لگی۔ چند روز میں یہی شخص جون کے کل انتظامات خانگی کا داروغہ بن گیا۔ اور زیادہ زمانہ نہیں گذرنے پایا تھا کہ یہ راز بھی اُس پر ظاہر ہوگیا کہ تخت پاپائی پر مرد نہیں بلکہ ایک عورت بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کے بعد معلوم نہیں کہ جون نے خود اُس پر اپنا عشق ظاہر کر کے اُسے اپنی طرف مائل کیا یا اُس نے اتنا معلوم ہو جانے کے بعد اپنے معلومات کے اثر سے کام لے کے جون پر پورا قبضہ حاصل کر لیا۔ مگر اب یہ نوجوان بال ڈیلو پوپ جون کا عاشق تھا اور وہ اُس کی معشوقہ تھی۔

یہ روایت چلی آتی ہے کہ اُسی رات کو روما الکبریٰ میں کنواری مریم کی ایک مورت دفعۃً گر پڑی اور اُسکے ہزارہا ٹکڑے ہوگئے۔ سینٹ پطر کی مورت خود بخود سیاہ ہوگئی۔ اور چاند میں ایسا سخت گہن پڑا کہ اُس نے اپنا سارا نورانی چہرہ شرم کی وجہ سے چھپا لیا۔ اسی قسم کی اور بہت سی بدشگونیاں ظاہر ہوئیں۔ مگر جون نے ان باتوں کی کوئی پروا نہیں کی۔ اب وہ اپنے کمرے سے بہت کم باہر نکلتی۔ عام طور پر لوگ یہ سمجھ رہے تھے کہ پوپ صاحب ریاضت و عبادت میں مصروف ہیں اور روحی ترقی کے لیے چلہ کشی اختیار کیے ہوے ہیں۔ مگر اصل واقعہ یہ تھا کہ جون بال ڈیلو کے آغوش شوق میں بیٹھی ہوئی عشق و محبت کے مزے لوٹ رہی تھی۔

امور سلطنت اور مذہبی انتظامات وزرا کے سپرد کر دیے گئے تھے جو جون کے نام سے حکومت کر رہے تھے۔ مگر یہ حالت زیادہ دنوں نہیں قائم رہ سکی۔ قدرت نے خود ہی انتقام لینا شروع کر دیا۔ اب جون حاملہ تھی اور بہت ہی قریب زمانے میں لڑکا پیدا ہونے والا تھا۔ بال ڈیلو سخت پریشان تھا کہ اس مصیبت کا کیا علاج کرے۔ مگر جون کو ابھی زیادہ فکر نہ تھی۔ وہ نویں صدی عیسوی کے مسیحیوں کی

ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے مطمئن تھی۔ مسیحی دنیا پر اپنی ایک کرامت ظاہر کردینا
اور لوگوں کا خوش اعتقادی کے ساتھ اُسے مان لینا زیادہ مشکل کام نہ تھا۔ اُسنے
یہی ترکیب سوچ رکھی تھی کہ جب ضرورت ہوگی تو لوگوں کو اپنی ایک کرامت
دکھادوں گی اور سب اُسے تسلیم کرلیں گے

(۳)

جون کے دل میں ایک خیال یہ بھی پیدا ہوا کہ اس طرح جو لڑکا پیدا ہوگا اُسے
بہت ممکن ہے کہ لوگ اس تخت پاپائی کا وارث تسلیم کرلیں۔ اور کیا یہ ممکن نہیں
کہ اسکے بعد اسکی اولاد ہی اس تخت کی مالک ہوتی رہے؟ اس نے اپنے دل
میں خیال کیا کہ خلیفۂ بغداد بھی تو مسلمانوں کے دینی مقتدا ہیں۔ ایک خلیفہ کے بعد
اُس کا بیٹا جانشین ہوتا ہے۔ پھر کیا مسیحیت میں یہ ناممکن ہے کہ مقتدائی موروثی
کردی جائے؟ میں عورت ہوں۔ مگر عورتوں کو سب نے اس قدر ذلیل کیوں
مان لیا ہے؟ کیا مجھ میں کوئی کمی ہے؟ کیا میں عمدگی کے ساتھ حکومت نہیں کرسکتی
کیا میں نے ان سب سرکش پادریوں اور راہبوں کو تابع فرمان نہیں بنا لیا جو
میرے پیشرو پوپوں سے کسی طرح نہیں دبتے تھے؟ کیا میں نے مسیحی کلیسا کا
انتظام بہت سے مردوں سے اچھا نہیں کردیا ہے؟ اور کیا میں نے دنیا پر یہ
نہیں ظاہر کردیا کہ ایک عورت بھی اس تخت پر بیٹھنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے
جیسا کہ مردوں کو حاصل ہے؟" اس قسم کے خیالات تھے جو اسوقت پوپ جون کے
دل میں پیدا ہوے۔ اب یہ باتیں زیادہ اہم نہیں معلوم ہوتی ہیں۔ کیونکہ ہر جگہ
عورتیں تعلیم حاصل کرکے مردوں کا مقابلہ کرنے لگی ہیں۔ مگر اب سے بارہ سو برس
پہلے جو شخص اس قسم کے خیالات خصوصاً یورپ میں ظاہر کرتا وہ دیوانہ یا پاگل
خیال کیا جاتا۔ غرض یہ باتیں تھیں جو جون کے دل و دماغ میں اُسوقت چکر
لگا رہی تھیں۔ خود اُس میں ہر طرح کی ہمت اور پورا جوش موجود تھا۔ مگر کل اُمور
پر غور کرنے کے بعد آخر میں اُسے یہی نظر آیا کہ افسوس میں اکیلی ہوں۔ ساری دنیا میں
کوئی میرا ہم خیال نہیں۔ اگر یہ راز ذرا بھی کھل گیا تو پھر میں کہیں کی نہ رہوں گی۔
یہ سب لوگ جو میرے ادنیٰ اشارے پر دوڑتے ہیں اُسوقت سخت ترین دشمن

ہو نگے۔ اور میرے لیے موت یقینی ہوگی۔ لہذا اُس نے دل میں طے کر لیا کہ اس قسم کی دلیلوں اور حجتوں سے کام نہیں نکل سکتا۔ بس ایک کرامت کے زور سے خواہ وہ اصلی ہو یا مصنوعی یہ مصیبت دفع کی جا سکتی ہے۔ اور صرف یہی ایک ذریعہ ہے جس سے میری اور میرے عاشق کی جان بچ سکتی ہے۔ وہ جانتی تھی کہ اس ضعیف الاعتقادی کے زمانے میں کسی اہم معاملے کی نسبت پشین گوئی کر کے ہر شخص جو چاہے حاصل کر سکتا ہے۔ اور ساری دنیا قائل ہونے کو تیار ہو جائے گی۔ مختلف مذاہب کے بانیوں سے بہت سے معجزے ظاہر ہو چکے ہیں اور دین کی سچائی ظاہر کرنے اور دشمنوں کو زک دینے اور قائل کرنے کے لیے وہ خدا کی طرف سے عمل میں آئے تھے۔

لیکن تعجب ہے کہ جون کی سی چالاک عورت جس نے ساری دنیا کو بیوقوف بنا لیا تھا اور سب اسکے فریب میں آگئے تھے وہ خود اپنے حمل کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ نہ رکھ سکی۔ اصل یہ ہے کہ کبھی بڑے لوگ بھی بیوقوف بن جاتے ہیں۔ اور یہی بات اُسوقت بھی ہوئی۔ اور قدرت نے بھی انتقام لینا شروع کر دیا تھا۔

اس زمانے میں جس شخص کے سر پر شیطانی خلل ہوتا اُسے کوئی بڑا پادری یا خود پوپ صاحب اپنی بابرکت دعاؤں کے زور سے اُتار دیا کرتے۔ ایک روز جون کسی مذہبی جلسے میں صدر نشین تھی کہ ایک شخص جس کے سر پر شیطان سوار تھا اُس کے سامنے لایا گیا تاکہ اُس کا خلل دور کر دیا جائے۔ جون نے اسکی طرف مخاطب ہو کے پوچھا "تم کون ہو اور اس غریب آدمی کو کیوں پریشان کر رہے ہو اور کب اسکے جسم کو اس تکلیف سے نجات دو گے؟" اُس نے جواب دیا کہ "اے مقدس باپ! میں اس جسم کو اُسوقت چھوڑوں گا جس وقت آپ مجھے ایک پوپ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوتے دکھا دیں گے!"

جون کو فولڈا کے پادری کا ساتھ چھوڑے بارہ سال سے زیادہ گذر گئے تھے وہ اپنے دل میں سمجھ رہی تھی کہ یا تو وہ پادری مر گیا ورنہ ترکوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کے کسی کی غلامی میں مبتلا ہوگا۔ مگر واقعہ یہ تھا کہ خود وہی پادری اس وقت رومتہ الکبرٰے میں پہونچا تھا۔ بارہ برس وہ تحصیل علم کے شوق میں دور دراز

ممالک میں پھرتا اور معلومات بہم پہونچاتا رہا تھا - اُس نے بہت سے پیچیدہ علوم حاصل کر لیے تھے - اس سے فراغت حاصل کر لینے کے بعد اُسے دفعتہً پرانی باتیں یاد آئیں خوبصورت جوآن کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھرنے لگی - اُس نے یاد کیا کہ جوآن نے رومۃ الکبریٰ جانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا - لہذا اسکی تلاش میں ارض مشرق سے اُسی جانب چل کھڑا ہوا - اس مقدس دار السلطنت میں پہونچ کے وہ ایک شخص کے یہان مہمان ہوا اور کپڑے اُتارتے ہی اپنے میزبان سے پوچھنے لگا آپ ایک شخص جآن نامی کو تو نہین جانتے ہین جو انگلستان کا باشندہ ہے ؟ میزبان اس سوال پر متعجب ہو کے اُس کی صورت دیکھنے لگا کہ یہ کون شخص ہے جو اتنا نہین جانتا کہ وہی جآن جسے وہ دریافت کر رہا ہے تخت پاپائی پر بیٹھا ہوا ساری دنیا پر حکومت کر رہا ہے - مگر یہ زیادہ حیرت کی بات نہ تھی - اُس قدیم زمانے مین خبرین آج کل کی طرح دُور و دراز ممالک مین فوری طور پر نہین پہونچ سکتی تھین - اور یہ شخص ارض مشرق سے آرہا تھا - لہذا ممکن ہے کہ وہان والون کو یہ خبر نہ پہونچی ہو - مختصر یہ کہ میزبان نے اُس کے سامنے انگریز جآن کے وہ کل واقعات بیان کر دیے جو عام طور پر رومۃ الکبریٰ والون کو معلوم تھے کہ بارہ سال گذرے یہ انگریز جآن اس عظیم الشان شہر مین آیا - درجہ بدرجہ ترقی اور نمود حاصل کرتا رہا - یہان تک کہ لیو رابع کے انتقال کے بعد وہی پوپ منتخب ہوا ہے - آخر مین اُس میزبان نے یہ بھی کہ دیا کہ چند سال تک تو لوگ اس عقلمند اور مہربان پوپ کی ہر وقت تعریف کرتے رہتے تھے - اور کوئی بات ایسی پیش نہین آئی جس سے کسی کو شکایت ہوتی - مگر افسوس اب زمانہ بدل گیا ہے - اب تو پوپ کا مقدس چہرہ بھی ہم لوگون کو شاذ و نادر ہی نظر آتا ہے - کل انتظامات ایک ایسے دارو غہ کے ذریعے سے انجام پاتے ہین جو پوپ صاحب کی نظرون میں بہت عزیز ہے - اور لوگون کو شبہہ ہے کہ اُسکا بھانجا یا بھتیجا ہے - ان پوپ صاحب کے متعلق اور بھی بہت سی عجیب و غریب روایتین مشہور ہین - بعض لوگ انھین کسی نہایت ذلیل اور گمنام خاندان سے بتاتے ہین - اور بعض لوگ کہتے ہین کہ نہین بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہین - کوئی انھین شاہ انگلستان کا چھوٹا بھائی بتاتا ہے اور کوئی کہتا ہے کہ شہنشاہ آئرلینڈ کے چچازاد بھائی ہین -

یہ باتیں سن کے قولڈ اکا پادری دل میں نہایت متعجب ہوا - اُسے ابھی تک یقین نہیں آتا تھا کہ اس چالاک عورت نے اتنی جرأت کی ہوگی کہ لوگوں کو دھوکا دے کے پوپ بن گئی ہو - اس نے دل میں کہا کہ میں خود پوپ سے مل کے اصلیت دریافت کر لوں گا - وہ ساری رات اُس نے نہایت بیقراری میں بسر کی اور صبح سویرے ہی پوپ کے دروازے پر جا کے اطلاع کرائی کہ ایک انگریز کسی فوری ضرورت سے آپ سے ملنا چاہتا ہے - جون میں ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ جہاں کسی انگریز کا نام لیا جاتا نہایت ہی شوق کے ساتھ اُسی وقت اُس سے ملتی تاکہ اسکی ضرورت پوری کر دے - پادری کی اطلاع ہوتے ہی اُس نے اندر بلا لیا - باوجود اتنی مدت گذر جانے کے پادری نے دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی جون ہے جو میرے ساتھ رہا کرتی تھی اور اثینیہ میں جدا ہوگئی تھی - اور اس وقت تخت پاپائی پر بیٹھی ہوئی ہے - تھوڑی دیر میں جون نے بھی پادری کو پہچانا اور اُسے نہایت تفصیل کے ساتھ بتایا کہ میں کس طرح اس اعلیٰ درجے تک پہونچی ہوں - پھر جون نے اُس پادری سے کہا کہ اب تم یہیں رومۃ الکبرے میں ٹھہر جاؤ - اور میں ہر طرح تمھاری مدد کرتی رہونگی - امید ہے کہ بہت جلد تم ایک اعلیٰ مرتبہ حاصل کر کے اپنے آخری ایام اطمینان کے ساتھ بسر کروگے " مگر پادری کے دل میں رقابت کا جوش بھرا ہوا تھا - اُس نے جواب دیا کہ " نہیں - میں تمھاری مہربانی نہیں چاہتا - تم نے دغابازی کی بھی حد کر دی - ساری دنیا کو ایک فریب میں مبتلا کر رکھا ہے - تم نے خدا کے گرجے اور حضرت مسیح کے پاک دین کی تحقیر کی - ساری مسیحی دنیا تمھاری پرستش کر رہی ہے اور تمھاری وجہ سے سارے پادری بدکار ہوگئے ہیں - اور میں بتائے دیتا ہوں کہ اب انتقام کا وقت قریب آگیا ہے "

یہ کہ کے جون کا پرانا دوست اس مکان سے نکل گیا - اور جون اُسکے الفاظ اور صورتِ واقعات پر غور کرنے لگی - اب وہ نہایت پریشان تھی - اور اُس میں وہ ہمت بھی نہیں باقی رہی تھی جس سے اُس نے اب تک کام لیا تھا - اُسکے دل میں نہایت پریشان کن خیالات پیدا ہونے لگے - وہ اسی حال میں بیٹھی تھی کہ بال ڈیلو آگیا - وہ ہر طرح اپنی معشوقہ کو اطمینان دلانے لگا - مگر افسوس کہ اُسے ایک دم

کے لیے بھی اب چین نہ ملتا۔ اور اب وہ خاموشی کے ساتھ خدا کے فیصلے اور اپنی قسمت کا انتظار کرنے لگی۔ دولت اور اقتدار نے بھی اب اُس پر پورا اثر ڈال دیا تھا۔ یہ بھی اُسے کسی طرح گوارا نہ ہوا کہ تخت پاپائی کو چھوڑ دیتی اور رات کی تاریکی میں اپنے عاشق کے ساتھ رومتہ الکبرا سے نکل کے کسی خاموش اور ویران مقام میں چلی جاتی۔ جس وقت اُس کا دماغ ٹھیک ہوتا وہ اسی پر غور کرنے لگتی کہ میں کس طرح اس مصیبت سے نجات پا سکتی ہوں۔ ممکن تھا کہ کوئی صورت نکل آتی۔ مگر اس زمانے میں بعض نہایت عجیب و غریب واقعات دفعتہً پیش آئے۔ جن سے لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ اور اُنھیں نظر آنے لگا کہ ہم خداوند تعالے کے عذاب میں مبتلا ہیں۔

دریائے طیبر میں طغیانی آئی اور ساری زمینیں تہ آب ہو گئیں۔ بہت سے گرجے اور عالیشان عمارتیں منہدم ہو گئیں۔ بے شمار انسان اور حیوان پانی میں ڈوب کے مر گئے۔ اسی زمانے میں ٹڈیاں بھی ملک میں پھیل گئیں اور کسی طرح اُن کا سلسلہ ختم نہ ہوتا۔ ان مصائب سے لوگ عاجز ہو گئے۔ اب اُن میں صبر کی طاقت باقی نہ رہی تھی۔ لہذا شور مچانے لگے کہ "پوپ جنکی حکومت دوسرے عالم پر بھی مسلم ہے ان مصائب کو کیوں نہیں دُور کرتے؟ اُنکے ایک ادنیٰ اشارے سے ہماری سب تکلیفیں رفع ہو سکتی ہیں۔" مگر پوپ صاحب خاموش بیٹھے تھے۔ اُن میں اتنی جرأت نہ تھی کہ ان غیر معمولی قوتوں کا مقابلہ کرتے۔ جو انسانوں کو دھوکا دے سکتی تھی مگر قدرتی امور اسکے اختیار سے باہر تھے۔ مگر عوام کو اصل حال کیا معلوم؟ وہ تو یہ سمجھ رہے تھے کہ پوپ صاحب کے ایک اشارے سے یہ ساری خرابیاں رفع ہو سکتی ہیں۔ ایک روز رومتہ الکبرا کے باشندے پوپ صاحب کے محل کے سامنے جمع ہوئے۔ اور زور و شور کے ساتھ کہنے لگے کہ ہم سخت ترین مصائب میں مبتلا ہیں مگر پوپ پر اس کا کچھ اثر ہی نہیں۔ اُنکی ایک اُنگلی کے اشارے سے یہ طوفان خیز دریا ایک دم میں خشک ہو سکتا ہے۔ یہ حالت دیکھ کے پال ڈیلو بہت پریشان ہوا۔ وہ کانپتا ہوا جون کے پاس آیا اور کہا "معلوم ہوتا ہے اب ہمارا آخری وقت قریب آ گیا ہے۔ سارے شہر میں ہنگامہ ہو گیا ہے۔ اور لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ روحانی

قوت سے انکی مصیبت کو رفع کردین. اب اسکے سوا کوئی چارہ نہین کہ آپ خود باہر نکل کے لوگون کو سمجھا بجھا کے خاموش کرکے رخصت کردین - جون برآمدے پر آئی اور لوگون کی طرف اپنا بابرکت ہاتھ اٹھا کے پہلے کچھ دعائین مانگین پھر وعدہ کیا کہ کل مین پورے مذہبی جلوس کے ساتھ آؤن گا اور تمھاری ساری مصیبتین رفع کرودن گی -

دوسری صبح سے سارے شہر مین بڑا جوش تھا - سب لوگ اس دینی جلوس کے دیکھنے کو اپنے گھرون سے نکل آئے تھے - اور ہر شخص اسکا منتظر تھا کہ کب پوپ صاحب آکے ہماری پریشانیون کو رفع کردیتے ہین - دفعتہ الکبرے کے کل گرجون کے گھنٹے خوشی سے بج رہے تھے - شہر اور اُسکے قرب وجوار کے کل پادری، راہب اور ننین پوپ کے محل کے سامنے جمع ہوگئین -

جون کے دل پر اس وقت ایک خاص اثر تھا - بال ڈولا نے اُسکی یہ حالت دیکھکر اُس سے کہا کہ آپ نہ جایئے - مگر جون وعدہ خلافی کی جرأت نہ کرسکی - غرض جون اس مذہبی جلوس کے آگے چلی - تھوڑی ہی دور جانے پائی ہوگی کہ اُسکا چہرہ متغیر ہونے لگا - اور اُس کے خاص طبیب نے اسے محسوس کیا کہ اس کی حالت اچھی نہین ہے - اُس نے کچھ مفرح دوائین پلائین - جلوس دریا کے کنارے تک پہونچ گیا - پوپ نے لوگون کی خواہش کے مطابق پانی کو اُتر جانے کا حکم دیا - اور کھیتون کی طرف ہاتھ اُٹھا کے برکت کی دعائین پڑھین -

اب جلوس ختم ہوگیا - اور جون اپنے خچر پر بیٹھی تاکہ محل مین واپس آئے - مگر افسوس وہان تک پہونچنا اُس کی قسمت مین نہین لکھا تھا - دن کی گرمی، تکان، اور پریشانی کو وہ برداشت نہ کرسکی - اور وضع حمل کا زمانہ بھی آگیا تھا - دفعتہ صلیب اُس کے ہاتھ سے گر پڑی اور وہ بیہوش ہوگئی - لوگون کو خیال ہوا کہ کسی شیطان نے پوپ پر غلبہ پالیا ہے - فوراً ایک بہت بڑے پادری بلا[illegible] گئے جو بھوت اُتارنے مین بڑی مہارت رکھتے تھے - لوگ جا[illegible] رون طرف حلقہ کیے ہوے اس بھوت اُتارے جانے کے عمل کو غور سے دیکھ رہے تھے کہ عجیب وغریب واقعہ پیش آیا - پوپ جون کے ایک بچہ پیدا ہوا! اب لوگون کے جوش وخروش کی کوئی انتہا نہ تھی - جون اور

س بچے کو اُسی جگہ قتل کر ڈالا - اور دوسرے دن اُسی جگہ دفن کر دیا -
گیارہویں صدی کے مورخین لکھتے ہیں کہ جہاں جون کا خاتمہ ہوا تھا اُسی مقام پر ایک عالیشان گرجا تعمیر کیا گیا اور جون اور اُسکے بچے کی سنگ مرمر کی مورت اس واقعے کی یادگار میں قائم کر دی گئی - مگر جب پراٹسٹنٹ لوگوں نے پوپوں کی مخالفت اور اُن پر اعتراضات شروع کیے تو وہ مورت وہاں سے غائب کر دی گئی -

یہ واقعات ہیں - جن کا اس عجیب و غریب عورت کے متعلق تاریخوں میں پتہ چلتا ہے -

---